خطیبِ آلِ محمدؐ
مولانا السید اظہر حسن زیدی اعلی اللہ مقامہ کی تقاریر کا مجموعہ
حصہ اوّل
مرتب
خضر عباس سید
ایم اے
پاک کتب خانہ ۔ اردو بازار راولپنڈی

خطیبِ آلِ محمدؐ

مولانا السید اظہر حسن زیدی مدظلہ العالی کی
معرکتہ الآرا تقاریر کا بہترین مجموعہ

حصۂ اوّل

مرتبہ

خضر عباس سید
ایم۔ اے

سید محمد رشید السعد

ناشران:۔ پاک کتب خانہ اُردو بازار، راولپنڈی

پانچواں ایڈیشن

تعداد ———— ۱۱۰۰

پرنٹر ———— امتیاز فیاض پریس
چوک اردو بازار لاہور

ہدیہ : ۵۰/- روپے

مقدمہ

ابتداءِ عمر میں جبکہ میں ابھی الف، ب پڑھتا تھا مجھے مجالس عزا میں ذکر آلِ محمدؐ کی سعادت بشکل رباعیات انیسؔ و دبیرؔ حاصل ہوگئی تھی۔ میرے والد مرحوم مجھے پڑھتا ہوا دیکھ کر اس قدر خوش ہوتے تھے کہ بیان سے باہر ہے۔ میری یاوریِ قسمت سے ایسا عجیب و غریب قطب زماں، عین الانساں، مربی و شفیق استاد کا دامن ہاتھ میں آیا کہ اس سے بڑھ کر سعادت تصور میں بھی نہیں آسکتی۔ غرض جبکہ اب عمر کے آخری مرحلہ میں داخل ہوگیا ہوں اور امراض و حوادث نے ضعفِ کمال پیدا کردیا ہے۔ سلسلہ ذاکری کا کسی قدر باقی ہے۔ اور یہی ذکر میری نجات کا باعث ہوگا۔ بفضل خدا و بحق محمدؐ و آلِ محمدؑ۔

میرا ارادہ یہی چاہتا تھا کہ جن عصمت مآب ہستیوں کا ذکر منبر پر ہوتا ہے، اگر ان کا کچھ تذکرہ بصورت تحریر بھی ہو کر زادِ آخرت میں مزید اضافہ ہو۔ میری بے بضاعتی، عدیم الفرصتی اور رجحانات نے یہ ارادہ پورا نہ ہونے دیا۔ آخر عزیز القدر، شمع شبستان سیادت و سرو چمن سعادت گلزار فاطمیہؑ و عندلیب شاخسارِ ہاشمیہ سید خضر عباس سلمہٗ اچانک مثل سپیدۂ سحر میرے افق احباب میں نمودار ہوئے اور انہوں نے خدا جانے کس طرح یہ کمال کر دکھایا کہ چند دنوں میں میری ناچیز اور بے کار محض تقریریں جنہیں میں اہلِ کمال سے چھپاتا تھا، چھپوا دیں، اور بعض اس سلسلہ کو طول دیا۔

ایک معصومؑ کی سیرت و کردار اور گفتار و رفتار کا بیان ایک گنہگار انسان کے لیے امرِ محال ہے۔ مگر ذرہ بے مقدار، آفتاب عالمتاب سے جس قدر بھی نور حاصل کرسکے، اس کا اظہار ذرہ کے لیے باعثِ عزت اور موجب بقائے دوام ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کاوش مومنین میں قبولِ عام حاصل کرے گی اور حضور صدیقۂ صغریٰ ام المصائب (صلوٰۃ اللہ علیہا) کے دربار سے انعام ملے گا، عزیز سلمہٗ کی راہبری اس جادہ پیمائی میں حضورؑ امامِ زمانؑ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ) فرمائیں گے۔ زادہ اللہ۔

دعائے ترقی عمر و اقبال اور مجد و سیادہ

السلام اظہر حسن زیدی عفی عنہ

تقریظ

قائدِ ملت جعفریہ پاکستان سرکار علامہ مفتی جعفر حسین قبلہ اعلی اللہ مقامہ

میری ایک عرصے سے تمنا تھی کہ خطیب آلِ محمدؐ مولانا السید اظہر حسین صاحب زیدی دام مجدہ کے بیانات کا مجموعہ کتابی صورت میں شائع، تاکہ اربابِ منبر اس فلک خطابت کے نیّرِ درخشاں سے روشنی حاصل کر سکیں۔ مجھے یہ دیکھ کر انتہائی مسرت ہوئی کہ جناب سید خضر عباس صاحب راحت معالیہ نے مولانا موصوف کی چند تقریروں کو ترتیب دے کر میری اور علمی و ادبی ذوق رکھنے والوں کی دیرینہ خواہش کو پورا کیا ہے۔ مولانا کے بیانات صرف کسی خاص طبقہ ہی میں مقبول نہیں ہیں بلکہ ہر گروہ اور ہر جماعت میں انہیں یکساں مقبولیت حاصل ہے۔ پاک میں شاید ہی کوئی شہر یا قصبہ ایسا ہو گا۔ جہاں مولانا کی آواز نہ گونجی ہو۔ اور اہلِ اسلام اور دوسرے مذاہب کے افراد ان کے طرزِ خطابت و حُسنِ بیاں سے محظوظ نہ ہوئے ہوں۔ خطیب کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے۔ قدرت کی طرف سے ان اوصاف کا انہیں وافر حصہ ملا ہے۔ متوازن لہجہ، بیان میں ٹھہراؤ، متوازن آورز، ادب کی شگفتگی۔ زبان کی پاکیزگی، ان کی خطابت کا خاص جوہر ہے۔

مجھے توقع ہے کہ ان کے بیانات کا یہ تحریری مجموعہ: ان کے بیانات کی طرح قبولیت عامہ کی سند حاصل کرے گا اور ناظرین اس سے اُسی طرح لطف اندوز ہوں گے جس طرح ان کے بیانات سے محظوظ ہوتے ہیں۔ میری دلی دعا ہے کہ یہ نذرانہ عقیدت بارگاہ حضور سید الشہداؑ میں شرفِ قبولیت حاصل کرے۔

(دعا گو)
مفتی جعفر حسین عفی عنہ

حرفِ اوّل

خداوند ذوالجلال کا شکر ہے اور حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ کی نظرِ عنایت ہے کہ خطیبِ آلِ محمدؐ کی تقاریر کو تحریری شکل دینے کی سعادت مجھے حاصل ہوئی۔ یہ اور بات ہے کہ بعض عناصر کی طرف سے میری اِن ترتیب کردہ تقاریر کو مختلف ناموں سے شائع کرنے کی کوشش کی گئی مگر چونکہ یہ صرف نقل تھی اس لئے وہ اس سلسلہ کو طول نہ دے سکے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت جلد انہیں واپس لوٹنا پڑا۔ اور عجلت میں کی ہوئی یہ چربہ سازی گمنام اشاعتوں میں قارئین کا، بجائے دیمک کی نذر ہوتی گئی۔

جی ہاں تقریر کو ترتیب دینے سے پہلے مقرر کی شخصیت کا مطالعہ اور خطیب کے مزاج سے ہم آہنگی بھی ضروری ہے۔ تاکہ اشارہ و کنایہ کی جگہ متبادل الفاظ عبارت کئے جا سکیں اور الفاظ بھی ایسے کہ جن سے نہ ہی روحِ تقریر متاثر ہو اور نہ ہی مزاجِ تحریر بگڑتا ہوا دکھائی دے۔ یہی وجہ ہے کہ خطابت کو کتاب کے سانچے میں ڈھالنا ایک دشوار ترین مرحلہ تھا جس کے لئے مجھے کافی تندہی اور محنت سے کام کرنا پڑا۔ سب سے بڑی مشکل تو یہ تھی کہ میرے سامنے کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو ہمارے علمائے دین کی تقریر وں سے مزین ہوتی جس سے میں رہنمائی حاصل کر سکتا۔ لیکن شوقِ جستجو اپنی جگہ مصر تھا کہ یہ کام کرنا ضرور ہے۔ مگر المیہ یہ ہے کہ انہوں ہی نے ان تقاریر کو PROFESSION بنا لیا ہے جس کی وجہ سے اصل متن اور اس کے خالق سے قوم نا آشنا ہوتی جا رہی ہے۔

ممکن ہے کہ چند نوجوان حضرات میری اس اشاعت سے اختلاف فرمائیں جیسا کہ اُن کے گمنام خطوط اور دھمکی آمیز پیغامات سے مجھے اکثر یاد کیا جاتا ہے۔ اُن کی خدمت میں اتنا عرض کئے دیتا ہوں کہ اللہ تمہارے شوقِ خطابت میں اور اضافہ کرے۔ مگر یاد رکھو، کسی کی کہی ہوئی بات ہم اسی کے حوالہ سے بیان تو کر سکتے ہیں جس نے وہ بات کہی ہو۔ چنانچہ آج کسی کا یہ کہہ دینا کہ یہ تخلیق صرف ہمارے ہی ذہن کی اختراع ہے ہم ہی اس کے خالق ہیں۔ سراسر نا انصافی ہو گی جسے ایک نقاد کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ تنقید

سو تو مقصد ہی یہی ہے کہ فن پارہ کے ساتھ فن کار کی بھی اصلاح ہو جائے ۔ لہذا ان حضرات کی اطلاع کیلئے عرض کرتا ہوں ۔

ہمدمو ، دیدہ ورو ، چارہ گرو

ہر طرف آگ سلگ جائے گی ،

تم ذرا ہوش میں آؤ ،

اپنے فرسودہ خیالوں کے دریچے کھولو ،

سوچو تو ۔ ، ایسی تخلیق نہ ہو ۔

قارئین کرام ! انصاف کا تقاضا تو یہی ہے کہ کسی کی کہی ہوئی بات کو اپنی ذات سے منسوب کرکے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ! اور پھر ہمارے پاس ایسی سینکڑوں تقاریر بھی تو موجود ہیں جن کے ہر زیر و زبر سے ہم واقف ہیں ۔ اسلئے براہ کرم اگر تم نے کوئی ذاتی تحقیق یا مطالعہ کیا ہے تو وہ ہمیں دکھاؤ ، ہم دیکھیں گے ہمیں سناؤ ، ہم سنیں گے ! اور ممکن ہے کہ تمہاری اس کاوش پر ہم تمہیں داد بھی دیں مگر یاد رکھو ! یہ سب کچھ جب ہوگا جب تم خود بہ نفس نفیس کرو گے اور قوم تصدیق کرے گی کہ واقعاً تم ایک خطیب ہو ، تم ہی اس تخلیق کے خالق ہو ۔

صاحبان ! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہماری قوم میں چند ایسی ہستیاں گزری ہیں جن کی علمی قدریں اُن کی موت کے ساتھ ہی دفن ہو گئیں ۔ اب صرف ذہن کے دھندلکے میں چند نقوش دکھائی دیتے ہیں ۔ جن کا محض تصور کیا جا سکتا ہے ! اور یہی وہ لمحہ فکریہ ہے کہ جس کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے یہ عزم کیا کہ قوم کی اس امانت کو محفوظ کر دوں تاکہ آنے والی نسلیں اس سے استفادہ کر سکیں !

معزز قارئین ! تقریر زبان سے نکلتی ہے اور ہوا میں گم ہو جاتی ہے اور قوم اس قیمتی سرمایہ سے محروم رہ جاتی ہے جو خطیب کی محنت اور تحقیق کا چشمہ ہوتا ہے ! اور پھر آج کے اس دور میں جہاں حوادث کی پُر آشوب آندھی کے شور و غل میں کہی ہوئی بات کو یاد رکھنا ناممکن ہے ۔ چنانچہ ان خدشات کو مد نظر رکھتے

مجھ کو خیال آیا کہ کیوں نہ ان کی تقریروں کو تحریر کا لبادہ
پہنا دوں، میں نے یہ ارادہ کیا کہ کسی طرح خطیب آل محمد کی تقریروں کو تحریر کا لبادہ
پہنا کر پیش کر دوں ۔ مولانا موصوف کی شخصیت اور اُن کی علمی و ادبی قابلیت کو
چند لوگوں تک محدود نہیں کیا جا سکتا ۔ وہ ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں اور
ملت کے ہر فرد کا اُن کے ساتھ ایک روحانی رشتہ ہے ۔ میں نے پوری ایمانداری
سے اپنے اس فرض کو ادا کر دیا ۔ اب یہ آپ حضرات کی ذمہ داری ہے کہ اس
امانت کو آئندہ نسلوں تک پہونچا دیں گے ۔

دوسری مشکل جو مجھے پیش آئی وہ یہ تھی کہ ذریعے تقریروں کو کس طرح ترتیب
دیا جائے ۔ خدا گواہ ہے کہ خطیب آل محمد کے گلدستہ خطابت میں سے چند تقریروں
کا انتخاب کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ کسی ایک لگے ہوئے سبزے میں سے کسی ایک موتی
کا ڈھونڈنا ۔ سوچتا ہوں کہ وہ تمام تقاریر شائع کروں جن کا ذخیرہ میرے
پاس موجود ہے ۔ مگر ڈر اس بات کا تھا کہ میرے ناتواں کندھے اتنا بوجھ اٹھانے
سے قاصر رہیں گے ۔ چنانچہ چند جلدوں میں منقسم کرنے کا ارادہ کیا ۔

تیسرا یہ سوال پیدا ہوا کہ پہلی جلد میں کونسی مجالس شامل کی جائیں جس
پر نظر پڑتی اس کو اس جلد کے لیئے موزوں سمجھتا ، ہر تقریر اپنی انفرادیت
کی مثال ہوتی ۔ بالآخر یہ سوچ کر کہ معصوم کا چناؤ کبھی غلط نہیں ہو سکتا ، ایک
بچے کو بلوا کر قرعہ اندازی کروائی گئی ، اور اس طرح انتخاب کا یہ مشکل ترین
مرحلہ بھی آسان ہو گیا ۔

محترم قارئین ۔ ایک طرف میں جاہل سا انسان اور دوسری طرف خطیب
آل محمد کا ساحرِ فکر ، اور اس کے ساتھ ساتھ تیسری طرف سب سے دشوار گزار
مرحلہ ، دشوار گزار اسلئے کہ میرے سامنے تقریریں تھیں ، تحریریں نہ تھیں ، اور
خطاب کو کتاب کے سانچے میں ڈھالنا کھیل نہیں ۔ بہر نوع اپنی پوری ذمہ داری اور
شعور کے مطابق موصوف کی تقاریر کو تحریری جامہ پہنایا ہے مگر قدوقامت ، وضع قطع

اور خدوخال کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے ۔ اگرچہ کہیں کہیں معمولی سا تصرف بھی کیا ہے لیکن موصوف کے منشاء و مُراد کی ضیافت کو مقدم رکھا ہے ۔ نیز ذہنی رجحان ، بیان کی انفرادیت ، زبان کی خصوصیت اور کلام کی جدت بھی ملحوظ ہے ۔ علاوہ ازیں جہاں کہیں بھی ترمیم و اضافے کی ضرورت پیش آئی وہاں نہ صرف یہ کہ کامل دیانتداری سے کام لیا گیا بلکہ فن کے تقاضے بھی پورے کئے گئے ۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں بانگ دُہل یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ ان تقاریر کو پڑھنے سے آپ کو وہی لطف آئیگا جو لذت آپ بحیثیت سامعین محسوس کرتے ہیں گویا لفظوں کے ساتھ ساتھ آپ کو خطیب موصوف کا چہرہ بھی دکھائی دے گا ! وہی تمکنت ، وہی شوخی ، وہی انداز گفتگو اور وہی معنیٰ خیز جملے ۔

زیر نظر جلد میں ترتیب مضامین کچھ یوں ہے ۔ مجموعہ تقاریر کا آغاز تذکرہ حضور امام حسن مجتبیٰ (علیہ السلام) سے کیا گیا ہے ۔ مولانا نے اس مجلس میں اُن تمام شکوک و شبہات کو بے نقاب کردیا ہے ۔ جنہیں اُموی اور عباسی عہد حکومت میں اُجرت کے پروردہ مورخین نے اپنے زہر آلود قلم سے عبارت کیا تھا اور وُہ اسلئے کہ جب آل محمدؐ اُن کی تلواروں سے نہ کٹ سکے تو انہوں نے قلم کے ذریعے خاندان رسالت کا قتل شروع کر دیا ۔ مولانا موصوف نے نہایت جانگدازی کے ساتھ دُشمنان آل محمدؐ کے ہر اُس سوال کا جواب دیا ہے جو صلح حسنؑ کے ضمن میں اٹھائے جاتے ہیں ۔ اور یہ ضروری بھی تھا کہ تذکرہ واقعہ کربلا سے پہلے تذکرہ حضور امام حسن مجتبیٰ کیا جائے انتخاب میں دوسری تقریر آیۂ مودت سے شروع ہوتی ہے : یقیناً یہ آیت ہمارے اُصولی و فروعی اعتقاد کی روح ہے ۔ موصوف نے اپنی اِس مجلس میں علمی داری اور لغوی تحقیق پر اِن نظیر حضرات کو دعوت فکر دی ہے جو اپنی حیثیت کی ایک بے مثل تقریر ہے ۔

تیسری مجلس بعنوان " آنکھ " شامل کی گئی ہے ۔ موصوف کی یہ منطقیانہ تقریر یقیناً میدان خطابت میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے ۔ آپ نے جس طرح انسانی اعضاء و جوارح کو عنوان بنا کے گفتگو کی ہے ۔ یہ صرف خطیب آل محمدؐ ہی کو ملکہ حاصل ہے ۔

ان تین مجالس کے بعد عشرہ محرم الحرام کی وُہ یادگار مجالس جو آپ نے امام بارگاہ

محفل شاہ خراسان کراچی میں تقریریں فرمائی تھیں، عبارت کی گئی ہیں تاکہ مومنین کرام تذکرہ
مصائب آل محمدؐ سے بھی مستفیض ہو سکیں۔ خاص طور "معصوم کا فیصلہ"، "محبت"، "اصطفیٰ"،
"اسلام عزیزہ برانداز"، "امن"، "حق طاقت ہے"، اور "فی سبیل اللہ"
موصوف کی تحقیق کا بہترین خزینہ ہے۔ اس کے علاوہ "علی اصغرؑ ایک سپاہی"، "شب شہیداں
اور شام غریباں" کی مجالس بھی خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ ان تمام میں تقریباً ہر شہید
کربلا کا تذکرہ موجود ہے جن کا تعارف مولانا کے ان الفاظ پر آکر ختم کرتا ہوں:

"اللہ کے مالک الملک ہونے کی گواہی دینے کے لیے حسین ابن علیؑ
اپنے عزیزوں اور جاں نثاروں کے ساتھ کربلا میں تشریف لائے۔
ساتویں تک مقدمہ کی سماعت ہوتی رہی۔ دسویں کو گواہیاں پیش کرنا شروع
کیں۔ جب تمام گواہیاں ختم ہو گئیں تو خود بہ نفس نفیس آگے بڑھے اور شہادت
عظمیٰ کا انعام لینے کے لیے حسینؑ نے اپنا سر جھکا دیا۔ اللہ نے کہا:
حسینؑ! کیا چاہتے ہو۔ نبوت تو ختم کر چکا۔ امامت پہلے دی
دی، عصمت تمہاری ماں کا حصہ تھی وہ مل چکی۔ رضا تمہارے باپ کو حاصل
ہوئی۔ اب ایک شے میرے پاس باقی ہے اور وہ ہے شہادت عظمیٰ۔
وہ تم لے لو۔" —— چنانچہ انعام دے دیا گیا اور فرمایا گیا حسینؑ!
آج سے جتنے میرے گھر، اتنے ہی تیرے گھر، جہاں جہاں میرا تذکرہ ہو
گا وہاں وہاں تیرا ذکر بھی ہو گا۔"

آخر میں برادر عزیز سید ضمیر الحسن زیدی صاحب پروپرائٹر کتب خانہ اردو
بازار راولپنڈی کا میں دلی طور پر شکر گزار ہوں کہ انہوں نے خطیب آل محمدؐ حصہ اول سے تا
حصہ پنجم (پانچ جلدوں) کی از سر نو اشاعت کی ذمہ داری قبول کر کے میری حوصلہ
افزائی کی۔
لیجیے مجالس و مجموعہ تقاریر "خطیب آل محمدؐ" حصہ اول پیش خدمت ہے۔
میں اپنی اس کاوش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، یہ جاننے کے لئے آپکی طرف
سے صحت مند تنقید اور مفید مشوروں کا منتظر رہوں گا۔

خاکپائے مومنین
(غضنفر عباس سید)

ترتیب

تذکرہ امام حسن مجتبیٰ

مودۃ فی القربیٰ

آنکھ

مجالسِ عشرہ محرم الحرام

جہادِ اکبر
معصوم کا فیصلہ
محبت
مصطفیٰ
اسلام — لرزہ براندام ہوگیا
امن
حق — طاقت ہے
علی اصغرؑ — ایک سپاہی
شبِ شہیداں
فاطمہؑ کا چاند
شامِ غریباں
فی سبیل اللہ

امام بارگاہ

محفل شاہ خراسان کراچی

رحمت نے تیری یارب رتبہ یہ مجھ کو بخشا

چھوٹو نہیں تُل رہے ہیں کانٹے میری زباں کے

(خطیبِ آلِ محمدؐ)

ولادت امام حسن مجتبیٰؑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"خداوندِ عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام"

حضرات گرامی! آج کی محفل کا موضوع بحث ہے۔ تذکرہ حضور امام حسن مجتبےٰؑ علیہ السلام اور میں آپ سے عرض کر دوں۔ کہ جناب حسن علیہ السلام کا تذکرہ اتنا مختصر نہیں ہے کہ اسے تھوڑے سے لفظوں میں ادا کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ مسئلہ بعض وجوہ سے اُلجھ گیا ہے اس لئے اسے سمجھانے کے بیان کرنے کے لئے کافی تمہیدوں اور مقدمات کی ضرورت پڑتی ہے۔ بیگانوں سے تو کوئی شکوہ نہیں بلکہ اپنوں نے بھی اس پر اتنی توجہ نہیں دی جو دینی چاہیئے تھی۔

میرے سامعین! حضور امام حسنؑ مجتبےٰؑ کی وہ شخصیت ہے جو ایک لمحہ کے لئے بھی امام حسینؑ کے ماتحت نہیں رہی۔ امام حسینؑ تقریباً عرصہ دس سال تک امام حسنؑ کی امامت کے ماتحت رہے ہیں۔ اگر کوئی اس وقت حسینؑ سے پوچھتا "تمہارا امام کون ہے"؟ تو آپ فرماتے کہ "میرا امام حسنؑ ہیں"۔ چنانچہ امام حسینؑ پورے دس سال زیرِ امامت حضور امام حسنؑ مجتبےٰؑ رہے اور حسینؑ کا نیا نام تجویز ہی نہ ہو سکا۔ آخر یہی کہنا پڑا۔ اس کا نام بھی حسنؑ ہی رکھ دو۔ یعنی حسنؑ کی اگر تصغیر کر دو۔ بڑا ہو تو حسنؑ اور چھوٹا ہو تو حسینؑ۔۔۔ گویا حسینؑ کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ حسنؑ کے چھوٹے بھائی ہیں اور حسنؑ کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ حسینؑ کے بڑے بھائی ہیں۔ مگر ہم لوگوں نے کچھ ایسی غفلت

برتی ہے کہ مجالس میں اس عظیم شخصیت کے تذکرے اتنے نہیں ہوتے جتنے ہونے چاہئیں:

محترم سامعین!

دنیا کا یہ دستور ہے کہ عوام کسی جماعت یا فرد کا منشور نہیں پڑھتے۔ بلکہ عوام کی توجہ کا مرکز وہ فرد ہوتا ہے جو (Election) میں کھڑا ہو شخصیت سامنے آتی ہے۔ لوگ اس کے گرد اکٹھے ہو جاتے ہیں پھر یہ عالم ہوتا ہے۔ کہ وہ مختلف پارٹیاں اپنے اپنے منشور کی اہمیت بیان نہیں کرتیں۔ بلکہ اپنی اپنی شخصیت کی برتری کے لئے دلیلیں پیش کرتی ہیں —— حضرات! "منشور" سے بے توجہی اور شخصیت کے گرد اکٹھا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کے ضمیر میں یہ سمایا ہوا ہے۔ کہ صرف کتاب کافی نہیں ہے۔ شخصیت کا بھی کافی دخل ہے —— بہر نوع اسلام نامی ایک نظام ہے جس کے تحت ہم زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس زندگی کو مرعوب کرنے کیلئے ہم "آئین" بناتے ہیں۔ لفظ "آئین" فارسی زبان سے ہے۔ اور لفظ "دستور" بھی فارسی سے ہے —— عربی زبان میں اگر کوئی لفظ "آئین" کے معانی ادا کر سکتا ہے تو وہ صرف ایک لفظ ہے "دین"۔ دین کے معنی ہیں "آئین" دین کے معنی ہیں "دستور" اللہ نے یہ اقرار کیا ہے "اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلَام" "اگر کوئی آئین، کوئی دستور ہے اللہ کے پاس ہے تو وہ اسلام ہے"۔ ہم اس آئین کے پابند ہیں۔ یہ اسلام نامی ایک آئین ہے۔ اور ہر آئین شخصیتوں کے پیچھے چلتا ہے —— اسلام نے جو پہلی شخصیت دنیا کے سامنے پیش کی۔ وہ تھی آقائے حضور رسالتمآبؐ۔ اور آئین میں یہ دفعہ آج بھی موجود ہے "اس آئین پر عمل کرنے کے لئے بطور نمونہ میں رسولؐ" رسولؐ نے اس آئین کو سمجھانے کے لئے

ہمیں طریقہ بتایا کہ "کتاب اللہ و سنتی" ایک کتاب اللہ ہے، ایک سنت ہے"
کتاب اللہ تو مسلمان نے دیکھ لی مگر سنت کا وجود کہاں سے تلاش کریں ——
پس سنت رسولؐ سمجھانے کے لئے ہم کو کہنا پڑا "کتاب اللہ و عترتی" ——
"اگر کسی نے میرا طور طریقہ، میری سنت کا اندازہ دیکھنا ہو تو میرے گھر
والوں سے پوچھو" چونکہ "اھل البیت اعلم بما فی البیت" گھر والے زیادہ جانتے
ہیں کسی گھر والے کی بات —یا گھر والے بہتر جانتے ہیں کسی گھر والے کی بات کو ——
اب سنت رسولؐ سمجھنے کے لئے دو چیزیں ضروری
ہیں، ایک رسولؐ کے وہ مقدس و محترم واجب الاحترام قابل جاں نثار اصحابؓ!
جو رسولؐ کے پیش و گرد موجود تھے وہ جانتے ہیں کہ رسولؐ کی سنت کیا تھی!
(اب بحیثیت مسلمان اکسی اصحابی رسولؐ کی شان میں گستاخی کرنا تو درکنار، اگر ذہن
میں یہ تصور بھی آجائے۔ تو یہ گناہِ عظیم ہے۔ ہم تو قربان ہیں اُن اصحابؓ پر جو
صراطِ مستقیم پر چل کر رسولؐ کے ساتھ ہو تے۔ جو رسولؐ پر فدا ہونے کو تیار رہتے تھے۔
خلوص دل کے ساتھ رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ وہ ایک نور تھے جنہوں نے
نورِ ایمان کے ساتھ چہرۂ رسولؐ کو دیکھا —— ہمارا ہر فرد اُن پہ قربان ہونے
کو تیار ہے۔ سبحان اللہ! اُن سے بہتر شخصیت تو دنیا میں ہو سکتی ہی نہیں جن کو
رسولؐ کا پاس تھا اور "پاس" کے ساتھ رسولؐ کے پاس بیٹھے تھے —— اُن سے بہتر
کوئی ہو سکتا ہی نہیں) —— یا تو وہ بہتر جانتے ہیں، یا اہلِ بیتِ رسولؐ —— بس یہیں سے
دو مکتبِ فکر اسلام میں پیدا ہوئے —— ایک ہے گھر والوں کا مکتبِ فکر، ایک اُن
عزیزوں کا مکتبِ فکر جو اصحابؓ کہلاتے ہیں —— مسلمانوں نے دونوں کا نام منتخب
کر لیا۔ گھر والوں کا بھی اور اصحاب کا بھی۔ گھر والوں کو انہوں نے "آلؑ" کہا ہے
ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ ہر کلمہ پڑھنے والا آل ہے —— جب نماز میں درود پڑھی تو صرف یہی

کہا، "اللھم صلِ اللہ محمدؐ و آلِ محمدؐ" ۔ مسلمانوں نے نماز پڑھی۔ نماز سے بڑھ کے کوئی عبادت ہے ہی نہیں اور نماز اس وقت تک کسی کی ہوئی ہی نہیں جب تک اس نے آل پر درود نہ بھیجا ہو ۔۔۔ اگر کوئی نماز میں آلِ محمدؐ پر درود نہ بھیجے تو تمام مسلمین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اس کی نماز نہیں ہوتی ۔ بس یہ مسلمانوں نے فرق رکھا ہے (آلؑ میں اور اصحابؓ میں) ۔ بہر نوع مسلمانوں کو آلؑ پر درود ضرور پڑھنا ہے ۔ آلؑ کے بغیر گذر ہی نہیں ہے ۔ آج کسی عقیدے ، فرقے کے مسلمانوں سے پوچھ لو "آلِ رسولؐ کو مانتے ہو تو ان کے نام بتاؤ ؟"

اللہ نے کہا "جھگڑا کیوں کرتے ہو ۔ میں آج ہی رسولؐ کو بتا لیتا ہوں ۔ دیکھتا ہوں ۔۔۔ کون مانتا ہے ۔۔۔ کون نہیں مانتا ۔۔۔" چنانچہ چھ دے دیئے ایک فرقے کو اور آٹھ دے دیئے ایک فرقے کو ۔ انہوں نے اپنے والے کربلا میں ، نجف میں ، مشہد میں ، کاظمین میں بسا دیئے اور انہوں نے بھی اپنے والے جنت البقیع میں بسا دیئے ۔ آج دنیا دیکھ رہی ہے کہ ماننے والے کون ہیں ۔۔۔ نہ ماننے والے کون ہیں)

بہر نوع آل کو مانتے ہیں ۔ آلؑ کے بغیر دنیا و آخرت میں گذارا ہو ہی نہیں سکتا ۔

آجکل بحث چل رہی ہے کہ علیؑ بھی آلِ رسولؐ ہیں یا نہیں ۔ چنانچہ بہت سے حضرات یہ درود پڑھنے لگے ہیں "اللّٰھم صلی علی محمد و علیٰ آلِ محمد" علیؑ کو آل میں نہیں رکھتے برابر کا بھائی سمجھتے ہیں ۔ اور آل کو اولاد سمجھتے ہیں ۔۔۔ حالانکہ یہ غلط ہے ۔ علیؑ اول خلق ۔۔۔ علیؑ کے ذریعے سے آل شروع ہوتی ہے ۔ علیؑ آلؑ میں ہیں ۔۔۔ مگر حسنؑ کے آل میں ہونے کا تو کسی کو شک و شبہ ہے ہی نہیں ۔۔۔ وہ یقیناً اولاً ، حقیقتاً آلِ رسولؐ میں ہیں بلکہ

یوں کہیئے کہ ۱۵ رمضان ۳ھ کو اول فردِ مستقل آلِ رسولؐ دنیا میں تشریف لائے ۔ ــــــــــــــــ اللہ نے ان دشمنوں

کے طعنوں کا آج جواب دیا ہے جو رسولؐ کو "ابتر" کہا کرتے تھے آج محمدؐ کی گود میں یہ بچے دیکھ کر اُن کے منہ بند ہو گئے اور آلِ رسولؐ کے بارے میں تمام مسلمانوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ آیۂ تطہیر میں داخل ہیں ___ میرے سامعین! قرآن میں یہ آیت ہے کہ رسولؐ ان سے کہہ دو کہ "میں تم جیسا بشر ہوں" "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" بشر کے معنیٰ ہیں "انسان" جب رسولؐ نے کہا تھا "میں تم جیسا بشر ہوں" تو کیا عربوں سے کہا تھا کہ میں تم جیسا بشر ہوں، ابوجہل سے کہا تھا کہ میں تم جیسا بشر ہوں ___ آخر کس سے کہلوایا گیا کہ میں تم جیسا بشر ہوں، کیا مسلمانوں سے کہلوایا ہو گا، اصحابؓ موجود تھے ان سے کہا تھا کہ میں تم جیسا بشر ہوں ___ ایک طرف اللہ رسولؐ سے یہ کہلوا رہا ہے۔ کہ کہہ دو "میں تم جیسا بشر ہوں" اور ایک طرف رسولؐ کی طرف لایا جاتا ہے! جس کے بارے میں رسولؐ پوچھ رہے ہیں "یہ ہدیہ ہے یا صدقہ"؟ انہوں نے عرض کی "جناب صدقہ!" اگر وہ ہدیہ کہتے تو کھا لیتے اور جب اُنہوں نے کہا "صدقہ" تو رسولؐ نے اصحابؓ کو فرمایا "آپ نوش فرمائیں" اصحابؓ نے عرض کی "قبلہ آپ کے لئے لاتے ہیں"

رسولؐ نے فرمایا "نہیں۔ میں تم جیسا نہیں ہوں" ایسی بیسیوں مثالیں ہیں جو میں سُنا سکتا ہوں کہ جہاں رسولؐ کہتے رہے کہ "تم اور ہو میں اور ہوں۔ میں تم جیسا نہیں ہوں" ___ پھر رسولؐ نے کس سے کہا تھا کہ "میں تم جیسا ہوں" ___ کوئی بشر تو ایسے تھے ___ سامنے۔ جن سے رسولؐ کہہ رہا تھا کہ "میں تم جیسا ہوں"

چاہئے سامعین! یہ ایک رعنا نکتہ ہے کہ رسولؐ چادر کے نیچے چاروں کو جمع ہونے تھے۔ اور جب آیۂ تطہیر نازل ہوئی ___ اُن چاروں نے شکریہ ادا کیا ___ "یا رسول اللہ! ہم بہت شکرگزار ہیں کہ آپ کے صدقے میں ہمیں یہ سعادت نصیب ہوئی" تو رسولؐ نے ان چاروں کو پیار کر کے فرمایا "کوئی بات نہیں ___ میں تم جیسا ہوں" اور اس فقرہ "میں تم جیسا ہوں" کو آلِ محمدؐ نے اس طرح نبھایا۔ کہ ہمارا اوّل بھی محمدؐ ہے

ہمارا آخر بھی محمدؐ ہے ۔۔۔ اسی بات کو "شعرِ آفاق" کے مصنف علامہ عبدالحلیم نے ادا
کیا ہے کہ "اگر محمدؐ جیسا کوئی ہے تو وہ آلِ محمدؐ ہیں" ۔۔۔ حسنؑ حسینؑ ہیں جمالِ محمدؐ آئینۂ کمالِ محمدؐ
جب مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ اُن جیسے ہیں اور وہ اِن جیسا ہے تو آپ کو

ایک تاریخی واقعہ سُنا دوں ۔۔۔

ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کسی ملک سے خراج آیا ۔ تو جابر ابن عبداللہ
انصاریؓ صحابی نے اُٹھ کے کہا: "رسول اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا" ۔ جب اس
علاقے سے خراج آئے گا ۔ تو میں تجھے دونوں ہاتھوں سے بھر کے دو دفعہ خراج میں سے
پیسے دُونگا"

جابرؓ نے کہا ۔ اب رسولؐ کا وعدہ پورا کرو۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا "ہاں ۔ میں وعدہ پورا کرتا ہوں مگر علیؑ کو بلاؤ" ۔۔۔ اور
جناب علی المرتضیٰؑ تشریف لاتے تو بادشاہ وقت نے آپ سے فرمایا "یا علیؑ اپنے ہاتھ
سے بھر کے دے دو" چونکہ میں نے اپنے کان سے یہ بات سُنی ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا
ہے کہ "علیؑ کا ہاتھ رسولؐ کا ہاتھ ہے" اور

میرے محترم سامعین! جو صحابیؓ منبر پہ بیٹھ کر علیؑ کے ہاتھ کو رسولؐ کا ہاتھ کہہ رہا
ہو، میں تو یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ اس نے علیؑ سے کہا ہو کہ وہ میری بیعت کرے" نہ
بیعت کی کیا ضرورت تھی ۔ علیؑ کا ہاتھ تو رسولؐ کا ہاتھ ہے ۔ اُس نے تو کہا ہی نہیں کبھی علیؑ
سے کہ تم میری بیعت کرو۔ ہم نے یہ الزام خواہ مخواہ لگا ۔ دیا ہے

اور اگر وہ کہتا بھی تو اُس کا وہی جواب ملتا جو کربلا میں حسینؑ نے دیا تھا ۔ خاندان رسالتؐ
سے بیعت کا صرف ایک ہی دفعہ مطالبہ ہوا ہے ۔ نہ اس سے پہلے ہوا تھا ۔ نہ بعد میں ہوا ۔
بہرنوع یہ شان آلِ رسولؐ ہے ۔ اب میں آپکو حسن مجتبیٰؑ کی مختصر سی بات سُناؤں گا

۔ اس کے بعد پھر اجازت چاہوں گا۔

مسلمانوں نے یہ نظام بنایا (جسطرح بھی بنایا اس بحث میں کیا پڑوں) جسمیں انہوں نے آلِ رسولؐ کو بقول اُن کے، چوتھے درجہ پہ بہت بڑی عظمت عطا فرمائی آج تمام مسلمانوں کے فرقوں میں وہ حکومت! جو راشدہ کہلاتی ہے۔ اس کے چوتھے منبر پہ سربراہِ مملکت! امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ تشریف لاتے۔ اور علیؑ کو چوتھے منبر پر بٹھا کر مسلمان مجبور رہیں کہ وہ آلِ محمدؐ کی عزت بھی کریں، تعظیم بھی کریں۔ ۔ اگر کوئی تجویز ایسی ہو سکتی کہ ان کو چوتھے منبر سے ہٹا دیا جاتے تو آپ یقین فرمائیں کہ مسلمان کا نام ہی نہیں زبان پہ نہ آتے۔ یہ چوتھے درجہ پہ آنے کی وجہ سے مسلمانوں کی زبان پہ آلِ محمدؐ کا نام۔ دیکھیں! باوجود آلِ محمدؐ کے چوتھے درجہ پہ آنے پر بھی مسلمانوں نے مخالفت شروع کر دی تاکہ کسی طرح سے ۔ محمدؐ کا نام ہی مٹا دیا جائے

چنانچہ اُن کو ہٹانے کے ۔ مسلمانوں نے پہلے تو لڑائی کی اُدھر وہ چوتھے منبر پہ آ کے بیٹھا اُدھر اُس کے ساتھ لڑائی ہو گئی۔ اس کے بعد ابھی اُس لڑائی کا قصہ ختم ہی ہوا تھا تو پھر صفین (کی) عظیم لڑائی شروع ہو گئی اور یہ سب۔ اسی لئے تھا کہ کسی طرح سے آلِ محمدؐ کو جو یہ چوتھا مرتبہ مل گیا ہے اُس سے اُنہیں ہٹا دیا جاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب تلوار سے آلِ محمدؐ نہ کٹ سکے تو پھر قرآن اُٹھا کے لے آتے۔ تاکہ آلِ محمدؐ کو ہٹا دیا جاتے۔ اور جبکہ ہو گئی جنگ ختم ــــ اس نوبت پہ پہنچ گئی کہ حاکمین مقرر کرنے پڑے ــــ حاکمین میں سے جو آلِ محمدؐ کی طرف سے حاکم تھا اُس کا نام تھا ابوموسیٰ اشعری۔ یہ ابوموسیٰ اشعری اُس خاندان کا فرد تھا جس کے متعلق جناب امیرؑ نے فرمایا تھا کہ "تم کبھی یہ توقع نہ کرنا کہ وہ صحیح فیصلہ سنائیں گے" جناب امیرؑ نے اصرار کیا تھا "میں نہیں چاہتا کہ میری طرف سے ابوموسیٰ اشعری نمائندہ بنے۔ تم مالک اشتر کو نمائندہ بناؤ، کسی اور کو بناؤ" مگر معاویہ مانتا ہی نہیں تھا ــــــ

آخر حاکمین کا فیصلہ کیا ہوا ؟ اُدھر سے عمرو عاص ، ایک چالاک و عیار - اور ادھر سے ابو موسیٰ اشعری - حاکمین نے فیصلہ یہ کر دیا کہ ہم چوتھے منبر سے علیؑ کو معزول کرتے ہیں اور امیر شام (معاویہ) کو چوتھا خلیفہ مقرر کرتے ہیں " ـــــ اس فیصلہ کے بعد اب کیا ترتیب ہو گئی حکومت کی ـــ اول - دوئم - سوئم کے بعد اب چوتھا خلیفہ ہو گیا ـــ " امیر شام " ـــ یہی مسلمانوں کا منشا تھا کہ ہو جاتے ـــــ ابھی یہ فیصلہ ہوا ہی تھا کہ انہوں نے علیؑ کو قتل کروا دیا تاکہ نہ علیؑ رہے نہ کوئی خطرہ باقی رہے - اب یہ علیؑ کی شہادت کے بعد جو علیؑ کا بیٹا میدان میں ہے اُس کی کیا پوزیشن ہے ـ ؟ (امامت والی بات نہ کریں وہ تو ہمارے عقیدے کی بات ہے) علیؑ کا بیٹا کیا اب ایک بادشاہ کا بیٹا ہے ؟ " نہیں " علیؑ کا بیٹا اب ایک معزول شدہ بادشاہ کا بیٹا ہے ۔ اُس کی بظاہر کوئی پوزیشن نہیں دُنیاوی حیثیت سے اور امیر شام اُس فیصلے کے مطابق ایک مستند حاکم ہے - اور حسنؑ ایک عام آدمی ہے ـــ ،

اب بتائیں ، ایک عام آدمی حکومت کے مقابلے میں ایک گروہ اکٹھا کرے تو وہ کیا کہلاتے گا ؟ ـــ باغی ! اور باغی کو حکومت حکم دیتی ہے " ہتھیار ڈالو ، ہماری اطاعت کرو ورنہ قتل ہو جاؤ گے " چنانچہ باغی جو ہے ، وہ اطاعت کرتا ہے یا قتل ہوتا ہے ـ مگر

یہاں کیا ہو رہا ہے ـــ کہ حکومت اس شخص سے جو ایک باغی کی حد تک پہنچ گیا ہے درخواست کر رہی ہے ـ کہ میں تجھ سے صلح چاہتی ہوں تو ـــــ صلح باغی سے نہیں ہوتی - رعایا سے نہیں ہوتی ، بلکہ حکومت اپنی برابر طاقت سے صلح کرتی ہے - اور برابر کے معنی یہ ہیں کہ اس کے باپ کی وہ حیثیت تسلیم ہے تو تبھی وہ برابر کی طاقت ہے ـــ گویا حسن مجتبیٰؑ کی شخصیت نے اس معاہدے میں صرف ایک لفظ " صلح " لکھوا کر اپنے باپ کی حیثیت مسلمانوں سے منوا دی ۔

اب بتایئے کتنا بڑا کارنامہ تھا جو حسنؑ کے ذمے تھا —— کتنی بڑی بات ۔ جتنی ذمہ حسنؑ
کے ذمے تھی   حسنؑ نے لفظ "صلح" لکھوا کر اپنے باپ کی حیثیت آج تک اور قیامت
تک مسلم کروا دی کہ "میرا باپ چوتھے منبر پر شہنشاہ ہے ۔۔ میں اس کا وارث بن کے لڑے
امیر شام میرے ساتھ صلح کر رہا ہے" —— ہماری بحث کا موضوع شخصیت امام حسنؑ
ہے ورنہ امام کی حیثیت سے تو نہ جانے ہم حسنؑ کو کیا مانتے ہیں)

بہر نوع ۔ عزت مآب حسنؑ نے اپنی ادا کردہ صلح سے ناناؐ کی شخصیت ۔ آج دنیا میں
مسلم کرا دی —— مگر اس صلح کا نام لوگوں نے اپنی کم ظرفی کی وجہ سے "بیعت" رکھ دیا
بیعت چیز اور ہے ۔ صلح چیز اور ہے ۔ بیعت تو اس خاندان سے دنیا نے صرف ایک دفعہ
ہی مانگی تھی ۔ نہ اس کے بعد کسی نے مانگی اور نہ اس سے پہلے کسی نے مانگی ۔ اور اس کا اس
خاندان نے وہ دندان شکن جواب دیا کہ پھر کسی کو جرأت نہ ہوئی اس خاندان سے بیعت
مانگنے کی —— بہر نوع حسنؑ کی بدولت ۔ آل محمدؐ کی شخصیت چوتھے منبر پر مسلم رہ گئی ۔ اور یہ حضور
امام حسنؑ مجتبےٰ کا کارنامہ تھا کہ جنگ ختم ہو گئی ۔ تلواریں نیاموں میں آگئیں —— لوگوں کو امن سے
بیٹھ کر سوچنے کا موقع مل گیا اور اس سوچ و غور کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہتر (۷۲) انسان تیار ہو گئے جو
کربلا میں ساتھ تھے ۔ صرف حسنؑ کی صلح کرنے کی بدولت وہ بہتر مخلص یار ہو گئے ۔ ورنہ یاد رکھو!

میرے سامعین! کربلا سے پہلے اور کربلا کے بعد راہِ حق میں یک جان ہو کر جان دینے
والے بہتر جتنے ، آدمؑ سے لے کر کربلا تک اور کربلا سے قیامت تک نہ کبھی پیدا ہوئے نہ ہوں گے۔
موسیٰ کو چالیس حواری ملے تھے سب ناکام ہو گئے ۔ محمدؐ کے ساتھ لاکھوں تھے مگر اُحد میں جوتے
اٹھا کے دیکھ لیا ۔ علیؑ کے ساتھ نوے ہزار فوج تھی صفین میں   جب معاویہ خائفین ہوا تو
آپ کو پتہ ہے کہ تین چار آدمی رہ گئے تھے   حسنؑ کے ساتھ تیس ہزار آدمی تھے جن میں سے
صرف اردن کی "رہ گیا تھا جب آپ صلح کر رہے تھے ۔ مگر
"بہتر آدمی نہ کربلا سے پہلے کسی کو ملے تھے نہ کربلا سے بعد کسی کو ملے ۔   امام تھا جب

بھی اسی انتظار میں ہے کہ چالیس ل باقی تو آجاؤ رگڑ اس سے بڑی جماعت جاں نثاروں کی اللہ کے نام پر صرف حسنؑ کی صلح نے پیدا کی۔ جتنے اصحابِ حسینؑ کربلا میں شہید ہوئے۔ حبیب ابن مظاہر، زہیر وغیرہ وغیرہ یہ سب وہ ہے جو دس سال کے عرصہ میں حسنؑ کے دوست بنے تھے وہ حسنؑ کے چھوٹے بھائی پہ آکے قربان ہو گئے۔ اور تیس چالیس ہزار آدمی دربار میں جو قید میں بند تھے جب قید سے چھوٹے تو انہوں نے واقعہ کربلا کا انتقام خاندانِ بنو امیہ سے لیا۔ یہ سب حسنؑ کی دی ہوئی تعلیم کا نتیجہ تھا۔ یہ سب حسنؑ تھے جن کی پیدائی ہوئی صلح ان کے کارنامے کی بدولت ہے اب اس کو چاہے کتنا بیان کرے ... دنیا سیاسیات کے اعتبار سے دُنیا کے حالات کے اعتبار سے حسنؑ کی سوانح عمری کبھی ختم ہو سکتی ہی نہیں۔ ایسی عظیم اور ایسی عجیب اور ایسی بے مثل حقیقت حسنؑ کے نام سے اس دُنیا میں۔ اُنکی ولادت ہوئی۔ وہ تشریف لاتے۔ گویا خدا کی سب سے بڑی نعمت اُس کے بندوں کو ملی خاندانِ رسالتؐ میں دیسے جیسا دو پیدا ہوتے۔ اصل وارث پیدا ہوا۔

اللہ کا ہم شکر ادا کرتے ہیں۔ رسولؐ کو ہم مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ علیؑ و فاطمہؑ کی خدمت میں مُبارکباد پیش کرتے ہیں۔ ہم اللہ سے، رسولؐ سے، علیؑ سے استدعا کرتے (اگر آپ چاہیں) اپنے زمانے کے امامؑ سے درخواست کرتے ہیں کہ جب شہنشاہوں کے گھر خوشی ہو۔ بیٹا پیدا ہو تو دو قسم کے انعامات رعایا میں تقسیم کئے جاتے ہیں

1۔ قیدیوں کو آزاد کیا جاتا ہے۔ جو نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اُنہیں انعام ملتے ہیں۔ چنانچہ ہم میں سے جو گناہوں کی قید میں قیدی ہیں محمدؐ کے صدقے میں اللہ اُنہیں آزاد کرے اتنے بڑے فرزند کی ولادت کی خوشی میں خداوند عالم ہمیں گناہوں کی قید سے آزاد کرے دوسرا انعام ہمیں کیا ملے۔ یہ ہم نہیں مانگتے۔ اس لئے کہ ہم اگر بڑی سے بڑی شے بھی مانگیں گے تو وہ اپنی حیثیت کی بڑی ہو گی ——— یہ بات اُن پر چھوڑ دو ——— وہ اگر چھوٹی سے چھوٹی شے بھی دیں گے تو اُن کی حیثیت کی ہو گی۔ اللہ جانے آلِ محمدؐ کیا عطا فرماتیں گے ——— ؟

اے آلِ محمدؐ! ہمیں جو انعام بھی عطا فرمانا چاہیں اپنی شان کو دیکھکر اور ہمارے ظرف کو دیکھ کر وہ ہمیں آپ عطا فرمادیں۔ ہم آپ کو کچھ نہیں کہتے ـــ آپ ہمیں جنت دے دیں۔ فلاں دے دیں۔ یہ جنت تو آپ کے گھوڑے کی شبیہ دلا دیتی ہے۔ جنت کیا شے ہے۔ جنت تو آپ کی شان میں دو شعر کہہ دینے سے مل جاتی ہے۔ اتنی معمولی چیز آپ سے کیا مانگیں ـــ حضور اپنی شان کے مطابق عطا فرمائیں اتنا ہم آپ سے عرض کرتے ہیں کہ ـــ

نعمتِ اطمینان جو خدا کا بڑا عطیہ ہے ایسا ہمارے صدقے ہو جاتے کہ اس پر آشوب انقلاب زمانے میں جب کہ بحران میں ہم پھنسے ہوتے ہیں اور عزت و ناموس خطرے میں ہے شریفوں کی شرافت خطرے میں ہے ایسی فضا پیدا کر دے جو آپ کے نام لیوا، آپکے غلام، عزت و اطمینان سے زندگی گزار سکیں۔ یہ نعمتِ اطمینان خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے جو آپ کے صدقے میں ہمیں مل جاتے یہ ہماری التجا ہے ورنہ اپنی مصلحت کو خدا بہتر جانتا ہے۔ اور ہمارے وارث، ہمارے والی، ہمارے امام ہمارے شہنشاہ، ہمارے رہبر، ہمارے آقا، ہمارے مرشد، ہمارے صاحب العصر والزمانؑ کا ظہور فرما۔ ہمارا حوصلہ صبر ختم ہوتا جا رہا ہے۔ ہماری ہمتیں پست ہوتی جا رہی ہیں۔ دُنیا نے ہمیں بُری طرح تنگ کر دیا ہے۔ ہم گھبرا کے کہتے ہیں کہ ہمارا والی و وارث آجائے۔

بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

مودۃ فی القربیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدا وند عز اسمہ وجلّ جلالہٗ کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ آج جو اس وقت ہمارا جلسہ ہے۔ یہ بسلسلۂ تشریف آوریٔ حضور امام رضاؑ ہے۔ آج دنیا میں ہمارے آٹھویں امام علیہ السلام تشریف لا رہے ہیں اور ہم اُن کی ادنیٰ رعایا اپنے شہنشاہ کی آمد کی خوشی میں اُس سارے خاندانِ عصمت و طہارت کو ہدیۂ مبارک باد پیش کرنے کے لئے یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ وقت کی مناسبت سے موضوع تو یہی ہے کہ یہی ذکر ہو۔ مگر وہ مضمون بڑا لمبا ہے اگر ساری بات نہ کہی جائے تو پھر سامعین کو کوئی لطف نہیں آئے گا۔

بندہ مجھے آج کی محفل میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہاں کچھ ایسے حضرات بھی تشریف فرما ہیں جو علم لُغت کے ماہر اور واقف ہیں لہٰذا اُن حضرات کی خدمت میں ایک ایسے طالبعلم کی حیثیت سے جو سبق بھول گیا ہو وہ سبق دہرانا چاہتا ہوں — اس کا تعلق نہ عقیدت سے ہے نہ اس کا تعلق فقہ سے ہے اور نہ ہی اس کا تعلق حصولِ فقہ سے ہے۔ صرف اور صرف علمِ لُغت کا مسئلہ ہے جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔ اس لئے بھی کہہ رہا ہوں کہ یہاں یہ حضرات ٹیپ کرنے والے بھی بیٹھے ہیں میری تقریر محفوظ بھی ہو جائے گی اور دیکھی رہے گی۔ اس سے پہلے بھی میں یہ بات کہہ چکا ہوں۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جو

نئی میں کہہ رہا ہوں۔ اس حیثیت سے نئی ہے کہ یہ بات علماء نے کبھی نہیں کہی۔ صرف جاہل آدمی نے کہی ہے اور وہ میں ہوں۔

اللہ نے کلام مجید میں جو بذریعۂ رسولؐ ہم تک پہنچا ہے۔ یہ فرمایا ہے ——

"قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى" یہ آیت ہے کلام مجید میں — اب اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہاں ہے تو چونکہ میں حافظ نہیں ہوں لہٰذا بتا نہیں سکتا۔ یقین فرمائیے کہ یہ آیت اللہ کے لئے اتنا جاننا ضروری ہے کہ وہ ہے یہ جاننا ضروری نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ چاہے وہ قرآن صامت کی آیت ہو یا قرآنِ ناطق کی آیت ہو۔ بس اتنا جاننا ضروری ہے کہ وہ ہے —— اور آیت ایسی ہے کہ اس کے لئے حافظ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہر عقیدت مند مومن کے حافظے میں یہ آیت محفوظ ہے اسی آیت پر ہمارے اعتقادِ اصول و فروع کا دار و مدار ہے۔ ہم اس آیت کو اپنے اعتقادات کی روح مانتے ہیں۔ اگر اسے بیچ سے نکال دو تو ہمارے تمام اعمال و افعال چاہے کتنے ہی فقیہہ کے مطابق ہوں، وہ بے روح ہو جائیں گے۔ یہ آیت روح ہے ہمارے ایمان کی۔

اس آیت کے شروع میں اللہ نے لفظ "قُلْ" فرمایا ہے —— "قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ" —— کلام مجید میں چند آیتیں ایسی ہیں جو "قُلْ" سے شروع ہوتی ہیں۔ حالانکہ ہر آیت اسی لئے نازل ہوتی تھی کہ رسولؐ پر وہ آیت آئے اور رسولؐ وہ عوام سے، مومنین سے، اصحابؓ سے، مسلمانوں سے کہہ دیں — جب ہر آیت اسی لئے آتی تھی کہ وہ کہی جائے تو بعض آیتوں کے شروع میں "قُلْ" کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی — کیا ان آیتوں کو رسولؐ سنانا نہیں چاہتے تھے؟ کیا انہیں چھپا لینا چاہتے تھے۔ جو اللہ کو کہنا پڑا "قُلْ" — یہ کہہ دے —— رسولؐ کے لئے یہ تاکیدی حکم آنا "قُلْ" کا۔ اس کے کیا معنی ہیں ——

تفسیر کو چھوڑ کر مختصر لفظوں میں یہ کلیہ یاد رکھیں کہ جن آیتوں کا انکار کفر محض بن جائے ان کے شروع میں اللہ "قل" کہہ دیتا ہے۔ "قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ" ——— اور اگر کسی "قل" والی آیت میں انکار کفر نہ بنتا ہو تو وہ منسوخ ہو جاتی ہے۔ بہر نوع یہ ایک اصول ہے قرآن کا ——— اس آیت میں بھی اللہ نے "قل" کہا ہے ——— اہلِ لغت حضرات جانتے ہیں کہ "قل" کے معنی ہیں "کہہ دے" ——— یہ تو ہماری زبان ہے۔ ہم اپنی ہی زبان میں اگر ذرا لفظ بدل دیں تو اس "کہہ دے" سے زیادہ لطف آ جائے گا ——— یہاں "قُل" کے معنی "کہہ دے" نہ کریں، بلکہ "قُل" کے معنی یہ کریں کہ رسولؐ یہ ہے۔ رہے تھے بحکم خدا "تمام امت کو" "اس بات کے قائل ہو جاؤ" "یہاں "قُل" کے معنی ہیں اس کے نہ قائل ہو جاؤ "مان لو اس بات کو۔ تمہیں ماننا پڑے گی یہ بات" ——— "اس کے ماننے بغیر گزارا نہیں ہے"۔ اور جس بات کو منوایا جاتا ہے۔ اس کا طریق ادا یہ ہوتا ہے کہ اُسے "نفی و اثبات" میں ملا کے کہا جاتا ہے۔ پہلے نفی پھر اثبات ——— جس طرح ———
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ——— ویسے بھی کہہ سکتے تھے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے ——— مگر یہ "لَا" اور "اِلَّا" نے اس کے منوانے کو مستحکم کر دیا۔ تو جہاں آپ دیکھیں "لا" اور "الا"، وہاں ماننا ہی پڑے گا ———

اسی طرح اس آیت میں اللہ نے کہا "قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی" جس طرح خدا کے کلمہ میں "لا" اور "الا" ہے اُسی طرح یہاں بھی "لا" اور "الا" ہے۔ جس طرح اُسے ماننا پڑے گا، اسی طرح اسے بھی ماننا پڑے گا۔ اس کا انکار اُسی طرح بُرا ہے جس طرح "لا الٰہ الا اللہ" کا انکار ہے۔

اب یہ نوجوان بچے سامنے بیٹھے ہوئے کہہ رہے ہیں "دو" "لا" اور "الا" تو آپ نے بتا دیئے۔ تیسرا "لا" اور "الا" ہمیں بھی یاد ہے ———

۱۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۲۔ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی

اور قیل لَوْ اور اِلَّا اور بھی ہے ــــ وہ ہے "لَا فَتیٰ اِلَّا عَلِی لَا سیف اللہ ذوالفقار" ــــ یہ وہ کلمہ ہے جو اللہ پڑھتا ہے۔ سُنا ہے غیبی آواز آئی تھی "لَا فَتیٰ اِلَّا علی لا سیف اللہ ذوالفقار" ــــ اس کلمہ میں اتنی طاقت ہے، لَا فَتیٰ اِلَّا علیٰ میں اتنی قوت ہے کہ اگر ساری دُنیا کے سواری اکٹھے ہو کر کسی فرد یا جماعت کو بے دین و کافر کہدیں۔ اگر وہ لا فتیٰ کا سہارا لے لے تو کامیاب ہو جاتا ہے۔ اتنی طاقت اب بھی ہے لَا فَتیٰ میں۔ یہ بات ماننا پڑے گی ہر ایک کو کہ لَا فَتیٰ! فتح دلاتا ہے ــــ بہر نوع یہ بھی ایک کلمہ ہے۔)

میرے محترم سامعین!

یہ جو آیۂ مودّۃ ہے۔ جسے اللہ نے یوں شروع کیا ہے ــــ "قل" قائل ہو جاؤ۔ کس بات پر ــــ لَا اَسْئَلُکُم ــــ علم لغت کے ماہرین اگر عربی ادب کی لطافت پر ذرا غور کریں تو اتنا پیارا انداز ہے یہ "لَا اَسْئَلُکُم" اس سے زیادہ حسین اور پیارا انداز سمجھ میں آتا ہی نہیں ــــ یہ حاکم کا قہرمانی فرمان نہیں ہے۔ کسی بڑے کا حکم نہیں ہے۔ کسی برابر والے کا کہنا نہیں ہے ــــ بلکہ ایک محبوب کی فرمائش ہے۔ اتنا پیار ہے اس میں کہ اسے ادا نہ کرنا شرافت کے خلاف ہے۔ انسانیت کے خلاف ہے ــــ اس ادا سے بات ہو رہی ہے۔ "لا اسئلکم" میں تو نہیں مانگتا ــــ کتنے پیارے انداز میں بات کہی ہے۔ میں تو نہیں مانگتا ــــ میں تم سے کچھ نہیں مانگتا ــــ تم مجھ سے مانگو ــــ تم مانگو جو چاہو ــــ میں تو نہیں مانگتا ــــ میں تم سے کچھ نہیں مانگتا ــــ "لا اسئلکم" ــــ مجھے پتہ ہے کہ "مانگنا" اچھی چیز نہیں ہے ــــ بال جیسی عزت ہے ــــ مانگ سے فرق آجائے گا ــــ لہٰذا میں تم سے کچھ مانگتا ہی نہیں ــــ میں تم سے کیا مانگوں۔

میں تمہیں عطا کرنے آیا ہوں — مانگنے نہیں آیا — " تو اشفاق۔ میں تو نہیں مانگتا۔ ان سے نہیں مانگتا — اللہ گواہ ہے — میں تم سے کچھ نہیں مانگتا — مجھے مانگنا آتا ہی نہیں — میں نے کبھی مانگا ہی نہیں — تم سے میں کیا مانگوں گا ——— میں نے تو اللہ سے بھی کبھی نہیں مانگا — جس سے ساری دنیا مانگتی ہے — میں نے تو اُس سے بھی نہیں مانگا — وہ بھی بار بار مجھے کہتا ہے " ربِّ زدنی علماً " " اور نہیں تو علم ہی مانگ لے — میں کہتا ہوں — " نہیں " — میں تجھ سے بھی نہیں مانگتا — میں تو اللہ سے بھی نہیں مانگتا ———

" قبلہ!

اللہ سے کیوں نہیں مانگتے —؟

" مجھے پتہ ہے۔ اگر میں مانگوں گا تو چاہے کتنی ہی بڑی شے مانگ لوں — وہ بڑی میری حیثیت کی ہوگی — لہٰذا میں کیوں مانگوں — اگر اس میں ذرا سی ادائے محبوبیت شامل کر لو تو — اللہ کا دل چاہتا تھا کہ محمدؐ مجھ سے کچھ مانگے — ہر حبیب کا جی چاہتا ہے کہ محبوب کوئی فرمائش کرے — کچھ مانگے تو سہی — کچھ کہے تو سہی — اللہ سب کچھ دینے کو تیار تھا مگر اتنا غیور محبوب کہ کچھ نہیں مانگتا — ممکن ہے اللہ نے یہ خیال کیا ہو۔ (ان لفظوں پہ قیاس نہ کرنا۔ اللہ کے واسطے کوئی لفظ ہے ہی نہیں دنیا میں۔ یہ تو ہم اپنا مطلب ادا کرنے کے لئے ان لفظوں کا سہارا لیتے ہیں) — ممکن ہے اللہ نے خیال کیا ہو کہ مجمع میں مانگتا ہوا شرماتا ہے — تو ایک رات چپکے سے گھر بلایا اور کہا۔

" اب تو صرف تو اور میں ہوں — اور تو کوئی نہیں۔ پردے کی بات ہے — اب مانگ لے " — پھر اللہ نے سوچا — چلو کتنی ہی تنہائی سہی — میں اللہ! — یہ بندہ! — یہ غیرت "

تو اب بھی بے نا آخر ـــــ اللہ اور بندے کی بات ہے ـــــ
تو اللہ نے اللہ بن کر بات نہیں کی وہاں پردے میں ـــــ بلکہ اس طرح
بول رہا تھا ـــــ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے بھائی بول رہا ہو ـــــ "اب
مانگو ـــــ مانگ کیا مانگتا ہے"

مگر اس غیرت دار بندے نے وہاں بھی کچھ نہ مانگا ـــــــــــــــ جس نے اللہ
سے کچھ نہ مانگا۔ وہ ہم جیسے ذلیل بندوں سے کہہ رہا ہے ـــــ "میں تم سے کچھ نہیں
مانگتا ـــــ "لوا سلکھم" میں نہیں مانگتا ـــــ میں نہیں کہہ رہا ـــــ اللہ نے کہا ہے
"قُل" اب جو تم سے کوئی شے مانگی جا رہی ہے وہ میں نہیں مانگتا ـــــ وہ مانگ رہا ہے
وہ مانگتا ہے تم سے ـــــ میں نہیں مانگتا ـــــ اُس نے کہا ہے "قل" ـــــ میں نہیں
مانگتا ـــــ"

حضرات! پھر فرماؤ نہ کچھ ـــــ کیا مانگتا ہے وہ ـــــ کیا چاہتا ہے۔ وہ ـــــــــ"
جتنے مربعے والے تھے وہ آ گئے اپنی جائیدادیں لے کر ـــــ پیسے والے پیسے لے کر
ـــــ دولت والے دولت لے کر ـــــ رسولؐ نے فرمایا ـــــ "نہیں ـــــ میں
تمہارے مربعے نہیں مانگتا ـــــ میں تمہارے پیسے نہیں مانگتا ـــــ میں تمہاری دولت
نہیں مانگتا ـــــ تمہارا کوئی متاؤ نہیں مانگتا ـــــــــــــــ"

پھر قبلہ کیا مانگتے ہو؟

"میں تم سے "اجر" مانگتا ہوں ـــ میں تم سے اُجرت چاہتا ہوں"

حضرات علمائے کرام!

خدا تمہارے علم و فضل میں برکت عطا فرمائے ـــــ آپ کے علم میں خدا ایسی
طاقت دے کہ آپ میں قوتِ استنباط پیدا ہو جائے ـــــ کبھی کبھی غریب شہر، جاہل
کی گفتگو بھی استنباط کے نکتہ سے غور فرمایا کریں ـــــ مر جاؤں گا تو یاد کرو گے کہ کوئی دیوانہ

ایسی باتیں بھی بتایا کرتا تھا۔) رسولؐ ہم سے یہ کہہ رہا ہے کہ میں تم سے اجر مانگتا ہوں۔ — اجرت مانگتا ہوں — رسولؐ مانگتا ہے اُجرت ہم سے — اتنا بڑا رسولؐ ہم سے اُجرت مانگتا ہے۔۔ — میں تم سے اجرت مانگ رہا ہوں — اور ترجمہ یہ کیا جاتا ہے —

"میں تم سے اُجرت مانگتا ہوں رسالت کی۔" ————————

کیوں صاحبان!

ایک بات بتاؤ کہ ایک شخص کو حکومت نے تحصیلدار بنایا اس تحصیل کا — تھانے دار بنایا اس تھانے کا — اُس تھانیدار کو اپنی تنخواہ مانگنے کا حق کس سے ہے؟ — حکومت سے — اور اگر وہ آپ کو بلا کے کہے — "لاؤ — میری تنخواہ" — تو وہ تھانیدار برخاست ہو جائے گا یا نہیں۔ اگر تحصیلدار اپنی تنخواہ ہم سے مانگے۔ تو ہم کہیں گے — قبلہ! آپ کو ہم نے بنایا تھا تحصیلدار۔ تم تو پہلے ہی ہمارے لئے وبالِ جان ہو — جاؤ گھر — جس نے بنایا ہے اُس سے مانگو ———— گو ہر بنا ہوا اپنے کام کی اُجرت اُس سے مانگ سکتا ہے۔ جس نے اُسے اپنے کام پہ معمور کیا ہے — اگر یہ رسالت کی اُجرت ہے تو جس نے اُسے رسالت پہ معمور کیا ہے اس سے اُجرت مانگ سکتا ہے۔ ہم نے نہیں رسولؐ بنایا اُسے جو ہم سے اُجرت مانگے ———

یہ ایک مغالطۂ ورود العامہ ہے جسے ہمارے ذہنوں میں بٹھا دیا گیا ہے کہ رسولؐ نے رسالت کی اُجرت مانگی تھی — ہم نے کب رسولؐ کو رسولؐ بنایا تھا۔ اُسے ہم سے اُجرت مانگنے کا کوئی حق نہیں — ہم نے [illegible] کر کے کہا تھا "تو رسولؐ ہے" — ہم نے کمیٹی کر کے کہا تھا "تو رسولؐ ہے"! — جن جیتوں کو ہم نبی

بناتے ہیں — وہ ہم سے اپنی اُجرت مانگتے ہیں۔ کہ ہمیں اپنی کمائی کا دسواں حصّہ
بھیج دیا کرو۔ کیوں کہ تم نے ہمیں نبی بنایا ہے — اور جنہیں اللہ نبی بنائے وہ صاف
کہتے ہیں"۔ ان اجری الا علی اللہ — " ہمیں تم سے کیا واسطہ ہے۔ جس نے
ہمیں رسولؐ بنایا ہے، وہ ہمیں اجر دے گا — اور تم کہتے ہو کہ اُس نے رسالتؐ
کی اُجرت مانگی تھی — یہ بہت بڑی جہالت ہے — رسولؐ، ہم سے اپنی
رسالتؐ کی اُجرت مانگ سکتا ہی نہیں — اور رسالت میں اُس نے سکھایا کیا
ہمیں — نماز پڑھو۔ روزہ رکھو۔ حج کرو — یہی باتیں ہیں نا جو ہمیں سکھائی رسالت
نے —

کیوں علمائے کرام! کیوں فقہائے عظام!
نماز سکھانے کی اُجرت لینا جائز ہے؟ — ناجائز ہے — ہمارے لئے
تو کہہ دیا — ناجائز — اور خود یہی چیزیں سکھا کے کہتا ہے کہ "مجھے اُجرت
دو" — یہ کیسے ہو سکتا ہے — ان چیزوں کی کوئی اُجرت نہیں دیتا — رسالتؐ
کی کوئی اُجرت نہیں — مگر مانگی اُجرت ہے — پھر اُجرت کس بات کی —؟
قرآن میں لفظ "اُجر" موجود ہے — مانگی ہے اُجرت ہی — کیا آدمی کے ذہن
میں یہ بات نہیں آسکتی — کہ رسالت کی اُجرت اگر نہیں ہے تو پھر رسولؐ
کس بات کی اُجرت مانگتے ہیں۔
پوری توجہ ہے نا صاحبان!
یہ وہ چیزیں ہیں جو نہ تفسیروں میں ہیں نہ کتابوں میں ہیں اور نہ ہی علماء کی زبان پہ
ہیں — یہ صرف مجھ جاہل آدمی کے ذہن میں آگئی تھی بات جو میں آج آپ کی خدمت
عالی میں بیان کر رہا ہوں — ہو سکتا ہے ساری غلط ہوں۔ میں یہ ضد تو نہیں کرتا کہ میری
ہر بات صحیح ہے — مگر ابھی تک کسی نے غلط کیا نہیں — چنانچہ ایک دفعہ ایسا

قصہ بنا۔ میں نے کراچی میں اسی مضمون کو دس دن میں متواتر دس مجلسوں میں بیان کیا۔

مولوی صاحبان کہیں ــــ "واہ ــــ ہماری اب تک کی ساری تفسیریں غلط کرتا ہے" ــــ میں نے کہا ــــ "میں تفسیری بات نہیں کر رہا ــــ لغت کی بات ہے ــــ تفسیر میں میرا کوئی دخل نہیں ــــ تفسیر تو اس کی میں وہی مانوں گا ــــ جو آپ فرمائیں گے ــــ یہ صرف علم ادب کی حیثیت سے معانی و بیان اور صرف و نحو کی حیثیت سے علم لغت میں گفتگو ہو رہی ہے ــــ چنانچہ ایک سیٹھ جیسانی ہیں کراچی میں۔ وہ میری ساری گفتگو لکھ کر "جامعہ ازہر" لے گئے ــــ کہ

ایک شخص لغت کے اعتبار سے اس آیت کے متعلق یہ کہتا ہے ــــ فرمائیے یہ صحیح ہے یا غلط ہے؟ وہاں سے جواب آیا ۔ لغت کے اعتبار سے صرف یہی صحیح ہے ــــ

پھر لوگوں کو کچھ حوصلہ و اطمینان ہوا ــــ زیدی بھی کچھ جانتا ہے ۔ ورنہ میں تو کچھ جانتا ہی نہیں تھا ــــ آپ نے میری ہزاروں تقریریں سنی ہوں گی ــــ عربی میں نہیں پڑھتا ــــ آیتیں میں نہیں پڑھتا ــــ حدیثیں میں نہیں پڑھتا ــــ

سیدھی سادھی لغت کی بات ہے ــــ کہ رسولؐ نے ہم سے مانگی اُجرت ہے۔ بات یہ ہے حضور! رسولؐ کے فرائض میں ہے کہ وہ خدا کے احکام ہم تک پہنچائے اور ادائے فرض میں اُجرت نہیں ہوتی ــــ جس طرح میں آیا ہوں لاہور سے ــــ تاکہ مجلس پڑھوں ۔ گھر سے چلا اسی نیت سے ہوں ۔ بلایا اسی لئے گیا ہوں ــــ اگر کوئی صاحب مجھے یہ کہہ دیں "زیدی صاحب مجلس تو آپ نے پڑھنی ہی ہے ــــ ذرا میرا خط بھی لکھ دیں" تو یہ خط لکھنا میرے فرائض میں نہیں ہے ــــ فرض سے زائد کام مجھ سے لینا چاہیں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ چیز میرے فرائض میں نہیں ہے ــــ لہٰذا احکام الٰہی کا پہنچانا تو یہ رسولؐ کے فرائض میں ہے ــــ بخشش کی راہیں دکھانا یہ رسولؐ کے فرائض میں ہے ــــ نجات کے راستے بتانا یہ رسولؐ

کے فرائض میں ہے ــــ "تمہیں جنّت میں لے جانا" یہ رسولؐ کے فرائض میں نہیں ہے ــــ یہ تمہارے اُوپر بوجھ ہے ــــ جنّت کے سارے راستے بتا دینا رسولؐ کے فرائض میں ہے اور تمہیں جنّت میں لے جانا۔ یہ رسولؐ کے فرائض میں نہیں ہے۔

اب اگر تم کبھی رسولؐ کے سر ہو جاؤ قبلہ!

"جنّت میں لے بھی جاؤ" ــــ تو رسولؐ کہے گا "یہ میرے فرائض میں نہیں ہے"

ہم نے پھر عرض کی "قبلہ ــــ آپ شفیع ہیں ــــ آپ ہماری شفاعت فرمائیں ــــ"

تو رسولؐ نے فرمایا ــــ

"بھائی! میرے فرائض میں تمہاری شفاعت نہیں ہے ــــ جہاں تک میرے فرائض کا تعلق ہے ــــ وہ یہ ہے"

یہ چار کام ہیں ــــ شفاعت اس میں کہاں ہے ــــ ان چار کاموں کی اُجرت نہیں مانگ سکتا۔ یہ میرے فرائض میں ہے۔ شفاعت۔ لا زندہ ہو تم میرے ذمّے لگا رہے ہو ــــ میں نہیں کرتا شفاعت تمہاری ــــ جاؤ ــــ اب ہم تمام رسول سے کہتے "یا رسول اللہ! ہماری شفاعت کرو ــــ رسولؐ فرماتے ہیں ــــ شفاعت کا کام میرے فرائض میں نہیں ہے ــــ میرے حساب سے جاؤ سارے جہنّم میں میں کیا کروں ــــ میں نے تمہیں نجات کا رستہ بتا دیا ہے ــــ شفاعت میرے ذمّے نہیں ہے ــــ آخر جب ہم نے مجبور کیا ــــ تو رسولؐ نے کہا ــــ "دیکھو۔ میں ہوں سرکاری ملازم ــــ مجھے اللہ نے بنایا ہے رسولؐ ــــ اور یہ میرے فرائض میں ہے کہ ایک ذمہ دار افسر اپنی گورنمنٹ سے اجازت لئے بغیر SIDE BUSINESS نہیں کر سکتا ــــ اگر تم مجھ سے یہ (SIDE BUSINESS) شفاعت کا کروانا چاہتے ہو تو اس کی اجازت میں اللہ سے لوں گا۔

"کیوں اللہ! اجازت ہے ـ میں شفاعت کردوں اس کی" ــــ

تو اللہ نے بڑے غصہ میں جواب دیا" مَن ذَا الَّذِی یَشفَعُ عِندَہٗ اِلَّا بِاِذنِہٖ کون ہوتا ہے شفاعت کرنے والا" ـــــ رسولؐ چپ ہو گئے ـــــ مگر عوام سر ہیں۔ آپ رحمت ہیں ـــــ آپ آخری نبی ہیں ـــــ ایک دفعہ پھر کہہ دو نا اللہ سے ـــــ اور رسولؐ نے پھر کہا ـــ اللہ نے اس میں تحقیق کر دی ـــــ کوئی شفاعت نہیں کر سکتا ـــــ مگر وہ رسولؐ جس سے اللہ راضی ہو" ـــــ رسولؐ بھی راضی ہو گئے، چلو اللہ مجھ سے راضی تو ہے ـــ میں شفاعت کر سکتا ہوں ـــــــــــــــــــ

پبلک! تم مجھ سے شفاعت چاہتے ہو ـــ خدا نے مجھے تمہاری شفاعت کا حق دے دیا ہے ـــ اگرچہ یہ میرے فرائض میں نہیں ہے ـــــ یہ فرائض سے زائد کام ہے جو تم مجھ سے لینا چاہتے ہو۔ ـــــــــ اللہ نے کہا محمدؐ! مُفتے بھی ہو: یہ کام مفت نہ کرنا ـــ یہ کام تیرے فرائض میں نہیں ہے ـــــ تو اس کی ان سے اُجرت لے ـــــ جو اُجرت دے دے۔ اس کی شفاعت کر ـــ اور جو اُجرت نہ دے ـــ وہ جائے جہنم میں ـــــ رہ گیا یہ تلاوتِ آیات کرنا۔ نمازیں سکھانا ـــ روزے سکھانا ـــــ پاس بٹھانا ـــ پیار کرنا ـــ محبت کرنا ـــ اپنے ساتھ رکھنا ـــ یہ تیرے فرائض میں ہے یہ ہر ایک کے ساتھ کر ـــــ رہا جنت، جہنم بھیجنا ـــــ جو اس کی اُجرت دے اس کی شفاعت کر ـــ جو نہ دے جائے جہنم میں ـــ یہ SIDE BUSINESS ہے تیرا ـــ اس کی اُجرت مانگ" ـــــ چنانچہ اس نے کہہ دیا ـــــ لا اسئلکم میں تم سے نہیں مانگتا ـــ "علیہ" اس بات پر ـــ "علیہ" کی ضمیر کا کوئی مرجع تو ہونا چاہیئے! ـــــ

رسالت تو کبھی نہیں ـــــ اس بات پر جو تم مجھ سے مانگ رہے ہو ـــ یہ مرجع موافق ضمیر ہے ؟ ـــــ جو تم مجھ سے مانگ رہے ہو شفاعت ـــــ اس بات پر میں تم سے اور کوئی اُجرت نہیں چاہتا ـــ تب شفاعت کروں گا۔ جب تم اُجرت دو گے"!

توجہ ہے نا صاحبان!

شفاعت کے متعلق بھی دو لفظ کہہ دوں — شفاعت کے معانی ہم غلطی سے سمجھ بیٹھے ۔ سفارش — حالانکہ سفارش اور چیز ہے — شفاعت اور چیز ہے — جس حکومت میں سفارش سے کام ہوتا ہو — وہ نااہل حکومت ہے — جس طرح ایک نالائق آدمی کی سفارش ہوئی — وہ افسر بن گیا — ایک قابل بے چارہ رہ گیا — یہ حکومت، کوئی اچھی حکومت ہے دنیا میں؟ — تو اگر اللہ کے یہاں بھی سفارش چلنے لگی — گویا حکومت کیا ہوئی ۔ چوپٹ سکہ کی شاہی ہوئی

رسولؐ نے کہا ۔ میں سفارش کسی کی نہیں کروں گا — میں تو شفاعت کروں گا — اب شفاعت کے کیا معانی ہیں ۔ میری سمجھ میں نہیں آیا ۔ حالانکہ ایک مولوی تھا — مگر اتفاق سے میں ایک زمیندار کے گھر پیدا ہوا تھا — تھوڑی بہت زمینداری بھی جانتا تھا — شفاعت کے معانی سمجھ میں آ گئے — مثلاً

ایک زمین تھی آپ کی — ساتھ بٹا لگتا تھا کسی اور کی زمین کا — اس نے بیچ دی — اب آپ نے کہا میں تو اس پہ شفعہ کرتا ہوں — کیونکہ میرا بٹا لگتا ہے — یہ ہے شفاعت) — جہاں آپ کی حد لگتی ہو ۔ جہاں آپ کا بٹا لگتا ہو ۔ اسے دوسرے تک نہ جانے دیں — اسے شفاعت کہتے ہیں — اب دنیا میں کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جو ساری نیکیاں ہی نیکیاں کرے — ایسا بھی کوئی نہیں جو ساری بدیاں ہی بدیاں کرے — ہزاروں برائیاں کیں ۔ ایک آدھ نیکی بھی — ہزاروں نیکیاں کیں ۔ ایک آدھ برائی بھی — تو جتنی برائیاں کی ہیں ۔ اتنا اس میں حصہ دار ہے شیطان — اور جتنی اچھائیاں کی ہیں ۔ اتنا اس میں حصہ دار ہے رسولؐ — چونکہ رسولؐ کا بٹا لگتا ہے شیطان کے بٹے کے ساتھ — قیامت کے دن شیطان کہے گا — میرا حق ہے — تو رسولؐ حق شفعہ کرے گا — اسے شفاعت کہتے ہیں — اسے کہتے ہیں ۔ "المیزان حق" قیامت میں میزان قائم ہو گی — میزان کے معانی ہیں ۔ تولا جائے گا، کہ کس کا پلڑا بھاری ہے ۔

شیطان والا بھاری ہے یا محمدؐ والا بھاری ہے ــــ اب اُس ترازو میں ہم ٹکے اتفاق سے شیطان نامراد کا پلڑا بھاری نکل آیا ــــ اعمال جو ہمارے ایسے ہی تھے ــــ اس موقع پر رسولؐ نے ہمیں کہا ہے کہ

اگر تم میری شفاعت چاہتے ہو تو:

دیکھنا مجھے شرمندہ نہ کرنا رہاں ـ میرا مقدمہ جتا نا رہاں ـ ہرا نہ دینا ـ گنتا ہوں گا ـ پلڑا کم رکھنا ــــ اور اگر اس کے باوجود بھی کم رہ گیا ــــ

تو پھر فکر نہ کرو ـ پرواہ نہ کرو ــــ

میں نے ایسے بندے کھڑے کر دیے ہیں کہ جن کے اعمال کی اتنی انتہا ہے کہ اُن کو جمع تو کسی نے کیا ہی نہیں ــ نہ اُن کا حساب ہوگا ــ وہ بے حساب بندے ہیں ـ جمع رہاں ہوتا نہیں ـ اگر اُن کی ضرب کو تقسیم کر دیا جائے تو ثقلین کے لئے کافی ہے ـ

بہر نوع ـ رسولؐ نے فرما دیا کہ تمہاری شفاعت میں کروں گا ــ مگر شرط یہ ہے کہ تمہیں اُجرت دینا پڑے گی ـ بغیر اُجرت کے شفاعت ممکن ہی نہیں ہے ــــ اب لوگ حیران ہیں ــ اللہ جانے ــــ لاکھ روپیہ مانگے گا ــ پچاس مربعے مانگے گا ـ

ـ رسولؐ کیا مانگے گا ــ ! ہم غریب کیا کریں گے ! ـ

رسولؐ نے کہا ــ غریبو ـ فکر نہ کرو ــ میرے یہاں امیر و غریب کی کوئی تمیز نہیں ہے ــ میں ایسی چیز مانگوں گا جس میں نہ امارت کی ضرورت ہے ـ نہ غربت کی ضرورت ہے ـ نہ وقت کی ضرورت ہے نہ نیت کی ضرورت ہے ــــ جو ہر شخص ، ہر وقت ادا کر سکتا ہو ـ ایسی اجرت مانگوں گا ـ اور وہ یہ مانگتا ہوں کہ " مودۃ فی القربیٰ " اگر شفاعت کی اُجرت چاہتے ہو تو بس ایک ہے ــ اور وہ ہے " مودۃ فی القربیٰ " ــــ

اب حضرات علمائے کرام مدظلہٗ یہاں میری مدد فرمائیں کہ " مودۃ فی القربیٰ " کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے ؟ ــــ رسولؐ نے ہم سے اُجرت کیا مانگی " مودۃ فی القربیٰ " اس

کا اردو میں کیا ترجمہ ہے ـــــ

میرے سامعین! آج تک اردو زبان نے وہ الفاظ بنائے ہی نہیں جو مودت فی القربیٰ کا ترجمہ کر سکیں۔ جتنے بھی ترجمے ہوتے ہیں۔ وہ لفظ نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً ہم ادھر ادھر سے ہیر پھیر کرکے کہہ دیتے ہیں۔ ورنہ کوئی اردو زبان میں لفظ ہی نہیں جو مودت فی القربیٰ کا ترجمہ کرے ـــــ ـــــ اور جو ترجمہ کیا جاتا ہے وہ ہے "میں تم سے اُجرت چاہتا ہوں قربیٰ کی محبت کی" ـــــ مودت کے معانی محبت کیا جاتا ہے ـــــ اے اہلِ ذوق! تمہارے سننے کی بات ہے ـــــ

نوجوان طبقہ! غور سے سُننا ـ میرے جیسے بڈھو! تم بھی سننا ـــــ کیا اُجرت مانگی رسولؐ نے بقول تمہارے ترجمہ کے ـــ "محبت" ـــ ایمان سے کہو ـ محبت کوئی مانگنے کی شے ہے ـــ محبت کا کہیں مطالبہ ہو سکتا ہے ـــ محبت طلب کی جا سکتی ہے ـــ! اگر میں کہوں۔

پیر عمل کے سیدو! بڈھے، نوجوان، بچو! میں تم سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ مجھ سے محبت کرو ـــ سب کہیں گے ـ بڈھے کا دماغ خراب ہو گیا ہے ـــ بھلا محبت بھی کہیں مانگنے سے ہوتی ہے ـــ بھلا محبت بھی کہیں طلب سے ہوتی ہے ـــ

ـــ اب سب کہیں گے "ہم کیوں کریں آپ سے محبت" ـــ میں کہوں گا "میں بہت سوہنا ہوں۔ اس لئے مجھ سے محبت کرو۔" بچے اور ہنسیں گے۔ تم نے کبھی آئینہ میں شکل بھی دیکھی ہے۔ اپنے آپ کو سوہنا بتا رہے ہو؟ ـــ مگر دلیل کیا ہے۔ میرے پاس بھر میری اماں کہتی ہے ـ میں بہت ہی سوہنا ہوں۔ ـــ اب تم ہنسو گے یا نہیں؟ ـــ تم کہو گے ـــ اماں تو ٹھیک کہتی ہیں۔ پر اماں کی ہر بات بھی ماننے کے قابل نہیں ہوتی ـــ چاہے "اماں" ہی کیوں نہ ہو ـــ اماں تو اپنوں کی طرفداری میں بات کر دیتی ہے۔ ـــ

بہر نوع محبت مانگی نہیں جاتی — محبت کی نہیں جاتی۔ محبت ہو جاتی ہے — اور جو شے ہو جائے۔ اُس کا مطالبہ نہیں ہوتا۔ نہ ہی اُس پر جزا و سزا ہوتی ہے — مطالبہ اُس شے کا ہوتا ہے جو کی جائے۔ اُس کا نہیں ہوتا۔ جو ہو جائے — لہٰذا مودّت کے معانی محبت نہیں ہے — محبت اور چیز ہے — مودّت اور چیز ہے۔ مودّت کی جاتی ہے — محبت ہو جاتی ہے — اور

علم و معانی و بیان — ہر زبان کا یہ فیصلہ کر چکا ہے (عربی کا ہو۔ فارسی کا ہو — اردو کا ہو یا انگریزی کا ہو)۔ ایک ہی زبان کے دو لفظ کبھی ہم معانی نہیں ہو سکتے — مودّت بھی عربی کا لفظ ہے۔ محبت بھی عربی کا لفظ ہے — کبھی ایسا ہو سکتا ہی نہیں کہ مودّت کے وہی معانی ہوں جو محبت کے ہیں۔ محبت کے وہی معنی ہوں جو مودّت کے ہیں — اگر دونوں ہم معنی ہوتے تو دوسرا لفظ بنانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی — کوئی فرق ہے معانی ہیں جو دوسرا لفظ بنانا پڑا۔

میرے محترم سامعین!

اب پوچھو۔ مودّت کیا ہے جب محبت کیا ہے؟

وہ محبت تو وہی ہے جو ہو جاتی ہے — وہ مودّت کی جاتی ہے اگر ہم ذرا لفظوں کو بڑھا کر ان کے معانی بیان کریں تو یہ کہوں گا کہ —

• محبت وہ ہے۔ جس پہ ہر شے قربان ہو جائے — وہاں محبت ہوتی ہے — اور جس پہ محبت قربان ہو جائے۔ وہ مودّت ہے — لہٰذا محبت ہو جاتی ہے۔ مودّت کی جاتی ہے — .... رسولؐ نے ہم سے 'محبت' نہیں مانگی — ہم سے مودّت مانگی ہے: "مودّۃ فی القربیٰ"

اب میں مثال سے اسے سمجھانا چاہتا ہوں کہ اسے اصطلاح میں 'تاویل بالمعنیٰ' کہتے ہیں (ترجمہ چونکہ نہیں آتا مجھے مودّت کا — اس لئے مثال سے سمجھاتا ہوں)

:

سب سے اعلیٰ قسم محبت کی۔ سب سے بڑھیا
قسم محبت کی — سب سے بہترین قسم محبت کی، وہ ہے جو ماں کو ہوتی ہے اپنے بچے
سے محبت — توجہ فرمائیں صاحبان! — اسی لئے ہندی میں، بھاشا زبان میں جو دنیا کی
حسین ترین زبان ہے۔ اس میں ماں کی محبت کے لئے لفظ "ممتا" رکھا ہے۔ اور کسی محبت
کو یہ نہیں کہا گیا — ماں کی ممتا — باقی کسی محبت کو یہ نہیں کہا گیا۔ ممتا — اگر
محبت کی سب سے اونچی قسم کوئی ہے دنیا میں تو وہ ہے ماں کی محبت — اور اس کی
مثال رہی ہے جو میں ہزاروں دفعہ سُنا چکا ہوں۔ اب پھر سُنا دوں۔

مولانا میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ ان سے میں نے سُنی ہے یہ بات کہ جب مدرسے
میں پڑھتے تھے (ذکر تو اس بات کا ہے کہ میں کبھی پڑھا ہی نہیں کسی مدرسے میں — ایسا
"اُمی" کا اُمتی بنا ہوں کہ پڑھا ہی نہیں۔ بہتیرا کہا استادوں نے۔ کتاب پڑھ لو۔ میں نے کہا
کتاب کافی ہے — کتاب کا وجود ہی کافی ہے۔ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے) —
مولانا کہتے ہیں کہ انہوں نے پڑھا تھا پرائمری کی کتابوں میں کہ ایک بچہ تھا — اور دو
عورتوں میں جھگڑا ہو گیا — ایک کہے میرا بچہ ہے — دوسری کہے میرا بچہ ہے — دونوں
لڑتی لڑتی پہنچیں حاکم وقت کے پاس — حاکم کوئی بڑا ہی سمجھدار قابل تھا۔ اس نے کہا کہ اس
کا فیصلہ یوں کرو۔ اس بچے کو کاٹ کے دو حصے کر کے — ان میں آدھا آدھا بانٹ دو
جب یہ فیصلہ ہوا جو جھوٹی ماں تھی۔ وہ تو چُپ رہی — اور جو سچی تھی اُس نے کہا
ٹھہرو — اس بچے کو کچھ نہ کہنا — یہ اسی کو دے دو — میں دعوےٰ واپس لیتی
ہوں۔ — — یہاں سے پتہ چلا اصل ماں کا — اور پھر مولانا نے جو بات
مجھے سکھائی۔ وہ یہ ہے کہ اس کہانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ —
جب چیز ہو ایک۔ اور دعویدار ہوں دو — ایک ہو جھوٹا۔ ایک ہو سچا —
اگر اس شے کے بگڑنے کا اندیشہ ہو تو سچا گھر بیٹھ جاتا ہے۔

—— گویا ماں کی محبت۔ سب سے بڑی محبت ہے

۔۔ اگر مودت کے معنی "محبت" ہوتے تو زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے تھے۔

"ماں والی محبت" مانگی ہوگی —— مگر ماں والی محبت بھی نہیں مانگی —— بلکہ مودت

مانگی ہے۔ "مودت" وہ ہے جس میں "محبت" قربان ہوجائے ——

اب بتاؤ ماں کی محبت یہ برداشت کر سکتی ہے کہ وہ زندہ رہے اور بیٹا مر

جائے؟ —— مجبوری اور بات ہے کہ ماں زندہ ہے اور بیٹا مرجاتا ہے ۔۔۔

مگر کوئی ماں چاہتی ہے ایسا؟ کسی ماں کی خواہش ہے کہ بیٹا مرجائے ۔۔ کوئی ماں خواہش

کرے گی کہ میرا بیٹا بیمار ہوجائے۔ کسی ماں کی تمنا ہے کہ میرا بیٹا زخمی ہوجائے

— ہے؟ نہیں —— مگر جب "مودت" جاتے تو مائیں — رات بھر منتیں

مانتی ہیں — کل کو پہلے میرے بیٹے کی لاش آئے "— پہلے میرے بیٹے کی میت

آئے "— جو ماں سے تمنا کروا دے "مودت" کی "— یہ مودت ہے "— یہاں

محبت قربان ہوجاتی ہے۔ مودت پر ۔۔۔

لہٰذا رسولؐ نے تم سے "مودت" مانگی ہے "قربانی" کی — افسوس اس بات کا ہے

کہ اردو زبان میں لفظ نہیں ملتے "مودت" کا ترجمہ کرنے کے لئے ۔ اس لئے

لفظوں کی ہیر پھیر سے کوشش کی ہے کہ مودت کا مطلب آپ کی سمجھ میں آجائے۔

بہرنوع۔ جس پر ہر شے قربان ہوجائے۔ وہ محبت ہے — اور جس پہ محبت

قربان ہوجائے ۔۔ وہ مودت ہے — لہٰذا رسولؐ مودت کا مطالبہ کرتے ہیں — اور

مودۃ اجرت ہے شفاعت کی — اگر رسولؐ سے شفاعت چاہتے ہو۔ تو مودت

کرو —— اب سوال پیدا ہوتا ہے ——

مودت کس سے کریں۔ کون ہے اس قابل جس سے مودت کریں — اس کے

لئے قرآن نے کہہ دیا۔ ذی القربیٰ

تمام دنیا کے اہلِ لغت سے خطاب ہے قبلہ!

مودت فی القربیٰ" کا ترجمہ کیا بنا — ؟ "مودت کرو" کس سے "قربیٰ" سے "
— یہ "سے" کون سے لفظ کے معانی سے بنا ہے — لفظ "سے" کس لفظ کے
معانی سے بنا ہے — ؟ عربی میں "سے" کے لئے لفظ ہے "مِن" —
— اور آپ نے ترجمہ کیا ہے "سے"

اگر ہوتا "مودت من القربیٰ" — تو آپ کا ترجمہ صحیح ہوتا — "قربیٰ" سے مودت
کرو — مگر یہاں ہے "مودت فی القربیٰ" — "فی" کے معانی "سے" آپ
نے کیسے کر دیا — "فی" کس لغت میں "سے" کے معانی ہے؟ — یہیں سے
یہ محاورہ بنا ہے کہ — "اس بات میں کوئی "فی" ہے" — یعنی کوئی نکتہ ہے —
کوئی خاص بات ہے — جب ہی تو یہاں "فی" کہا گیا ہے — تو یہاں "مِن"
نہیں کہا — "فی" کہا ہے — اور "فی" کے معانی ہیں "میں" — تو یہاں "میں"
بھی مناسب نہیں بیٹھتا — اب مجھے "فی" کے معانی بھی سمجھانے کے لئے وہی
"تاویل المعنی" کر کے ذرا لمبی سی گفتگو کرنی پڑی —

عربی زبان میں "فی" سمجھانے کے لئے ایک محاورہ ہے "اَلسَّمَكُ فِي الْمَاءِ"
یعنی مچھلی پانی میں" — اگر مچھلی پانی میں نہ ہو تو وہ مچھلی نہیں رہتی — اگر ہم اُسے
پکڑ کر گھر لے آئیں تو وہ مچھلی نہیں رہتی — مچھلی تو جب بھی مچھلی ہے — مگر —
السمك فی الماء کیا مطلب ہے — ؟ یہاں "فی" آپ کی سمجھ میں آنے کا —
مچھلی پیدا کہاں ہوتی ہے — ؟ پانی میں — پلتی بڑھتی کہاں ہے — ؟ پانی میں —
اس کی غذا خوراک کہاں ہے — ؟ پانی میں — اس کا مرکزِ حیات کہاں ہے — ؟
پانی میں — اس کا سو فیصدی تعلق کس چیز سے ہے — ؟ پانی میں — اُس کا کنبہ،
قبیلہ، رشتہ ناطہ سب کہاں ہے ؟ پانی میں — پانی سے اُسے جدا کر دو۔ تو وہ

تڑپے گی ـــــ ماہی بے آب۔ آپ نے سنا ہی ہوگا ـــــ اور پانی کی یاد میں تڑپ
تڑپ کر جان دے دیتی ہے ـــــ پھر آپ نے اس کی کھال کھینچ لی ـــــ اُس کے
ٹکڑے کر دیئے ـــــ اُس میں نمک مرچ ملاکر اُسے بھون ڈالا ـــــ اور بھون کے
کھالیا ـــــ آپ نے تو ختم کر دیا نا مچھلی کو۔ کھا کے آ بیٹھے مجلس میں۔ تھوڑی
دیر ہوئی تھی ـــــ پیاس لگی ـــــ پانی پیا ـــــ پھر پیاس لگی ـــــ پھر پانی پیا ـــــ اور جب پوچھا
"آج بہت پانی پی رہے ہو" ـــــ تو کہا "صاحب مچھلی کھائی ہے" ـــــ یہ ہے رشتہ
پانی سے مچھلی کا ـــــ اگر پیٹ میں ایک ریزہ بھی اس کا باقی رہے گا ـــــ پانی۔ پانی
کہے گا ـــــ اس رشتے کو لفظ "فی" سے ادا کیا جاتا ہے ـــــ تم مودت کرو
"فی" والی ـــــ یعنی دنیا ٹکڑے کر دے ـــــ بھون ڈالے۔ جلا دے۔ نگل لے
ـــــ اگر ایک ریزہ بھی باقی ہے ـــــ تو "قربیٰ" ہی کو پکارتے رہنا۔ دوسرے
کا نام نہ لینا ـــــ یہ مطلب لفظِ "فی" نے ادا کیا ہے ـــــ "بِن" میں یہ لطافت
کہاں تھی جو "فی" میں لطافت ہے ـــــ

بہر نوع۔ قربیٰ سے مودت کرو "فی" والی۔ جس طرح مچھلی کو ہے پانی سے
محبت ـــــ

میرے سامعین! اب میں اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتا ہوں۔ کہ رسول نے
ہم سے یہ کہا ہے کہ میرے "قربیٰ" سے مودت کرو ـــــ اور "قربیٰ" کے ہجے ہیں ـــــ
ق۔ ر۔ ب۔ ی اور الف ـــــ "ی" والا ـــــ جیسے موسیٰ کا الف ـــــ عیسیٰ کا الف
ـــــ وہی ہے۔ مگر "قربیٰ" کا ترجمہ کر دیا جاتا ہے "قرابت داروں" ـــــ یہ ہمارے
ذہن کو الجھانے کی ایک چال ہے ـــــ عربی میں "عزیز" کو "قریب" کہتے ہیں۔
اور اگر بہت سے عزیز ہوں تو انہیں "اقرباء" کہتے ہیں۔ جس طرح عالم کی جمع علماء ـــــ

حکیم کی جمع حکماء - طالب علم کی جمع طلباء اور قریب کی جمع قرباء —— مگر یہاں سے "قربٰی"
قرباء نہیں بلکہ "قربٰی" ہے — اگر "الف" ہو سیدھا اور "ء" پیچھے ہوتا تو یہ ہوتا
قرباء" —— پھر ہوتے قرابت دار —— مگر یہاں تو "ب" ساکت اور "الف"
ہے "ی" والا —— یہ ہے "قربٰی"

اب ان لغت والوں سے پوچھو — ان عربی دانوں سے پوچھو — بتاؤ
"قربٰی" کیا شے ہے — "قربٰی" کیا چیز ہے؟ —— "قربٰی" کے معنی علم لغت
میں صرف اور صرف یہ ہیں: "افعل و تفضیل مؤنث واحد" —— اب یہ ترجمہ ہو گیا
— "قربٰی" والی صورت "کر دو اس ایک 'خاتون' سے جو ساری کائنات میں مجھے
سب سے زیادہ قریب ہے" بس یہ لفظی ترجمہ ہے اس کا —— اس کے علاوہ
اگر کوئی شخص اس کا ترجمہ پیش کر دے تو میں ساری عربی چھوڑ دوں —— تمام دنیا
کے عربی دانوں سے پوچھ لو — سوائے اس کے کوئی اور ترجمہ ہو سکتا ہی نہیں ——
"اس خاتون سے جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ قریب ہے" —— قربٰی
کا مطلب ایک خاتون ——————

اب اگر میں کہوں "بیوی" تھی —— تو وہاں اتفاق سے نو تھیں —— ایک
نہیں بنتی —— اور اگر کہوں —— "ماں" تھی —— وہ اس آیت کے ظہور
بلکہ اعلان رسالت سے پہلے فوت ہو چکی تھیں —— اب ایک خاتون تلاش
کرو - جو نزول آیت کے وقت ہو، اور "ایک" ہو —— یاد رکھو ایک کے بغیر کام
نہیں چلے گا —— چاروں طرف نظر دیکھو —— "قربٰی" ہو - ایک ہو ——
ہم کہتے ہیں "اللہ میاں - یہ ایک معمہ بن گیا —— تو ہمیں اس معمے کو توڑ کے
بتا کہ "قربٰی" بھی بن جائے —— اور ایک بھی رہے ——

اللہ نے کہا۔ "نہیں اسے ابھی حل کرتا ہوں۔"

"محمد!

ذرا سی تکلیف کرو۔ یہ عقدہ حل کرو۔"

"کیسے ؟"

"گھر میں جاؤ۔"

"کس کے گھر میں ؟"

"اپنے گھر میں۔" ازواج کے گھر مت جانا۔ ازواج کے گھر ازواج کے گھر نہیں ہیں۔ وہ ہے "بیوت النبیؐ۔"

ازواج جن گھروں میں بستی تھیں وہ نبیؐ کے گھر تھے۔ اُن کے گھر نہیں تھے۔ وہاں جو یہ کہا گیا ہے۔ "وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ" اس کا مطلب یہ ہے کہ جن گھروں میں تمہیں نبیؐ نے بٹھا دیا ہے اُس سے باہر مت جاؤ۔ وہ نبیؐ کے گھر آئی ہیں یہ کہنا کہ نبیؐ فلاں بیوی کے گھر میں دفن ہے۔ رسولؐ اپنے گھر میں دفن ہے۔

آخر اللہ نے رسولؐ سے کہا

"محمدؐ! جاؤ اُس بیت میں۔ جو جس بیت میں بیٹھ جائے۔ تو بیت میں اتنی اہلبیت آ جائے۔ کہ وہ اہلبیت ہوں۔ اور یہ بیت ہو۔"

بہرنوع رسولؐ اُس بیت میں آئے "قربیٰ" سمجھانے کے لئے حبیب "قربیٰ" سمجھنے بیٹھے تو پہلے سے خدا اور رسولؐ کا یہ فیصلہ تھا کہ آج "قربیٰ" کا معمہ حل ہوگا۔ آج "قربیٰ" سمجھایا جائے گا اللہ نے کہا!

"رسولؐ ایک کام کرو گھر کافی لمبا چوڑا ہے۔ ایک چھوٹا سا کپڑے کا گھر اور بناؤ۔ چنانچہ یمانی چادر کا ڈیرہ بنا دیا اب اس میں اکٹھے ہوتے

شروع ہوئے — قریب — قریب —

رسولؐ نے کہا۔

"حسنؑ تم آؤ۔ تم میرے قریب ہو۔

حسینؑ تم آؤ۔ تم میرے قریب ہو۔

علیؑ تم آؤ۔ تم میرے قریب ہو۔

اور سیّدہؑ تم بھی آجاؤ — تم میرے قریب ہو —"

سیّدہؑ کے آتے ہی یہ فقرہ آتا ہے۔ "اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰؤُلَاۤءِ اَھْلُبَیْتِیْ"

اب پورے ہوگئے۔ جب یہ چاروں بیٹھ گئے آکے قریب تو —

ان چاروں کو رسولؐ کے پاس دیکھ کر، اعلیٰ حضرت نے مجلس پڑھنا شروع کردی —

اللہ نے اعلان کیا مجلس کا —

"یٰمَلَاۤئِکَتِیْ وَ سُکَّانَ سَمٰوٰتِیْ" خدا کی مجلس کا اعلان ہو رہا ہے — "آؤ —

اے فرشتو! — آؤ — اے آسمانی مخلوق! آج تمہیں مجلس سنائی جائے گی۔ — چنانچہ

فرشتے بھی آگئے — آسمانی مخلوق بھی آگئی — اللہ نے بادل کے سائبان لگا دیئے

قوسِ قزح کی قناتیں لگا دیں — شفق کے پردے لٹکا دیئے — نسرین و چنبیلی کے

گلدستے سجا دیئے۔ سُنبل کی بیلیں پھیلا دیں — اعلیٰ حضرت کرسیٔ وحدت پہ تشریف

فرما ہوئے — ملائکہ اور سکان سمٰوات سامعین بن کے بیٹھ گئے — ہر ایک

اپنے اپنے قدم سے تشریف فرما ہے — اعلیٰ حضرت نے پہلے گلا صاف کیا —

"ہم آج مجلس پڑھیں گے" — "ہم آج تقریر کریں گے۔ نہ مولویوں والا قال تھا —

نہ گلے سے آواز نکل رہی تھی — بالکل شاہانہ شان سے۔

سنو! اے مخلوق ہماری۔

عَزَّ وَجَلَّ یَا مَلَاۤئِکَتِیْ وَ سُکَّانَ سَمٰوٰتِیْ اِنِّیْ مَا خَلَقْتُ سَمَاۤءً

مَّبْنِیَّةً وَّلَا اَرْضًا مَّدْحِیَّةً وَّلَا قَمَرًا مُّنِیْرًا وَّلَا شَمْسًا مُّضِیْئَةً وَّلَا

مَلٰئِکَۃُ السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ اِلَّا فِیْ مَحَبَّۃِ هٰؤُلَاءِ الْخَمْسَۃِ الَّذِیْنَ هُمْ تَحْتَ الْکِسَاءِ۔

پوری شاعری میں مجلس پڑھی — مجمع بالکل محو ہو گیا — مست ہو گیا — اور اعلیٰ حضرت جھوم جھوم کے پڑھ رہے تھے — جب ٹیپ کا بند پڑھا۔"

"میں نے دنیا کی ہر شے ان کے لئے بنائی ہے جو اس چادر میں بیٹھے ہیں" — اس کے لئے لفظ بولا ہے۔" هٰؤُلَاءِ"

(یہ بھی اہلِ لغت سے خطاب ہے) — بس هٰؤُلَاءِ کا لفظ کہنا تھا کہ فرشتے چونکے — اور چونک کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے — کیوں فرشتو!

"تم کیوں چونک پڑے" — تو فرشتوں نے کہا۔

" اس سے پہلے بھی سُن چکے ہیں — آج پھر سُن رہے ہیں — اس لفظ سے ہمارا پہلے بھی واسطہ پڑ چکا ہے — آج پھر ہم نے سُنا ہے ——— کب پڑھا تھا؟

"جب آدمؑ پیدا ہوئے تھے — یہی کہا تھا اللہ نے " هٰؤُلَاءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ

"ان کے نام بتاؤ — جن کے ہم بتا نہیں سکے تھے —

اللہ نے آج پھر کہا ہے: هٰؤُلَاءِ

جبرئیلؑ کھڑے ہو گئے اور عرض کی۔

"جان کی امان پاؤں تو عرض کروں — اگر اجازت ہو تو پوچھوں — اللہ نے کہا "اجازت ہے" — جبرئیلؑ نے عرض کی۔

"میرے اللہ ... دن تو ہم نام بتا نہیں سکے تھے — آج تو بتا دو — یہ ہیں کون جبرئیلؑ تیرا احسان ہے — تو نے نام پوچھ کے " قرآن" کا تعارف کروا۔

ہمیں نے قربیٰ سمجھا دیا گیا۔ ——

اب اعلیٰ حضرت نے چادر کی طرف دیکھا —— مسکرایا۔

ان کے نام پوچھتا ہے: — بھلا تو بوجھ۔ یہ کون ہیں؟ ——

——

"میرے پالنے والے! جب چادر سے باہر آئیں جب پتہ چلتا ہے — یہ کون ہے — وہ کون ہے — اور جب پردے میں پہنچ جائیں۔ تو چونکہ نورِ واحد ہیں اندازہ نہیں ہوتا —" اب اعلیٰ حضرت نے نام بتائے — پہلے کوثر سے وضو کروایا سامعین کو — پھر ایمان کی تسبیحیں پڑھوائیں۔ اللہ اکبر۔ الحمد للہ اور سبحان اللہ کی تسبیح پڑھوائی — جب قلب و دل سامعین کے پاک ہو گئے — تو اعلیٰ حضرت نے پہلے خود درود پڑھا —— پھر سامعین و ملائکہ سے درود پڑھوایا۔ جب درود بھی پڑھا گیا۔ اب اعلیٰ حضرت نام لیتے ہیں۔ سر جھکا کے — پورے ادب و احترام سے اللہ نام لیتا ہے — اللہ تعارف کروا رہا ہے۔ قربیٰ کا ——

تعارف تھا قربیٰ کا — نہ محمد کا نام لیا — نہ علی کا نام لیا — نہ حسن کا نام لیا۔ نہ حسین کا نام لیا —— لیا تو کس کا نام لیا ——" ھُمْ فَاطِمَةُ وَاَبُوْھَا وَبَعْلُھَا وَبَنُوْھَا" — چادر کے نیچے خود فاطمہ بیٹھی ہیں —— اُن کے ساتھ اُن کے والد بیٹھے ہیں —— اور — اُن کے شوہر نامدار بیٹھے ہیں — اور ان کے بیٹے بیٹھے ہیں:

کیوں قبلہ! لفظ "بنو" جمع ہے یا تثنیہ؟ —— "بنو" جمع ہے —— بیٹے تو دو تھے — یہ جمع کیوں آگیا — اس سے معلوم ہوا — جمع کا لفظ کم سے کم گیارہ پہ بولا گیا — اس میں گیارہ بیٹے شامل ہیں — "بنو" میں —— بس نام لیتے ہی دنیا سمجھ گئی۔ یہ ہیں "قربیٰ" —— اب اعلیٰ حضرت نے جھوم کے یہ آیت پڑھی کہ ——

محمدؐ کہدو!

قُل لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی

بس یہ ہے میری قربیٰ —— جن کا نام اللہ لے رہا ہے ——

(اللہ نے ایمان سے کمال کر دیا۔ اگر کہہ دیتا۔ محمدؐ بیٹھے ہیں۔ اُن کے ساتھ اُن کی بیٹی ہیں —— تو اللہ جانے —— دنیا کتنی بیٹیاں اُن کے ساتھ اور بٹھا دیتی —— محمدؐ کے ساتھ اُن کے داماد ہیں —— اللہ جانے۔ دنیا اور کتنے داماد بٹھا دیتی محمدؐ کے ساتھ اُن کے بیٹے ہیں —— اللہ جانے۔ دنیا اور کتنے بیٹے بٹھا دیتی)

فاطمہؑ کا نام لے کر یہ نفس کی کہ ——

محمدؐ کے عزیزوں کے ساتھ میرا کوئی واسطہ نہیں ——

محمدؐ کی رشتہ داریوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ——

یہ آیۂ تطہیر آرہی ہے۔ صرف فاطمہؑ کے قرابت داروں کے لئے —— اور جب یہ آیت آگئی —— قربیٰ کا تعین ہو گیا —— تو پھر

قَالَ عَلِیٌّ —— علی نے پوچھا ——

"یا رسولؐ اللہ —— ہم جو یہاں بیٹھے ہیں۔ اس کی کیا فضیلت ہے ——"

رسولؐ نے اُس کی فضیلت بیان کی

جب یہ واقعہ ہوا، جو خدا جنت نازل کرے گا —— فرشتے آئیں گے دعائیں قبول ہوں گی۔ —— علیؑ نے کہا

یا رسولؐ اللہ! آپ کی بدولت ہمیں بڑی سعادت حاصل ہوئی۔

چونکہ علیؑ نے رسولؐ کا شکریہ ادا کیا —— رسولؐ کو پیار آگیا —— پیارے علیؑ کا منہ چوما —— فاطمہؑ کو سینے سے لگایا —— حسنینؑ کو گود میں بٹھایا —— اور فرمایا ——

"بچو۔ بیٹو۔ عزیزو!

میرا شکریہ نہ ادا کرو ــــــ"

کیوں ـــــــ" ؟ ـــــــــــــــــــــــ

"میری وجہ سے تمہیں فضیلت نہیں حاصل ہوئی"

پھر کیا ہے؟"

"اَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ" میں بھی تمہارے جیسا بشر ہوں"

یہ آیت صرف اسی موقع کے لئے ہے۔ اور کسی سے رسولؐ نے کہا ہی نہیں کہ "میں تم جیسا بشر ہوں" اَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ ـــ بہرنوع "قربیٰ" کا تعین ہو گیا ـــ جس سے مودت، شفاعت، بنے گی ـــــ

اب جاؤ گر قیامت میں شفاعت چاہتے ہو۔ تو بغیر قیمت کے نہیں ملے گی۔ نمازوں سے شفاعت نہیں ملے گی۔ روزوں سے شفاعت نہیں ملے گی ـــ اگر تم نے ناک کا چارآنہ ہفتہ بچالیا۔ اس سے شفاعت نہیں ملے گی ـــ یہ وردی ہے مسلمان کی ـــ داڑھی ہونا یہ وردی ہے ـــ بے وردی سپاہی پکڑا جائے تو سزا ہو جاتی ہے یہ وردی ضرور چاہیئے ـــــ مگر تم اس سے شفاعت چاہو ـــ یہ نہیں ہوگا ـــ اللہ نہ تمہارے بالوں سے مرعوب ہوتا ہے ـــ نہ تمہاری جماعتوں سے مرعوب ہوتا ہے ـ نہ تمہاری جیتوں سے مرعوب ہوتا ہے ـــ نہ تمہاری کثرت سے مرعوب ہوتا ہے ـــــ اللہ پر ان چیزوں کا کوئی رعب نہیں ہے

اگر شفاعت چاہتے ہو قیامت میں ـــ تو "قربیٰ" کی مودت دینا پڑے گی ـ اس کے بغیر شفاعت نہیں ہوگی ـــــ اب اگر اس "قربیٰ" کی شفاعت چاہتے ہو ـــ تو اللہ کے احکام کی تعمیل کرنا پڑے گی ـــــ

نماز میں اس لئے پڑھتا ہوں کہ "قربیٰ" کا ہو جاؤں ـــــ

روزہ ہمیں اس لئے رکھنا پڑتا ہے کہ قربیٰ کے ہو جائیں ـــــ

ہمیں سچ اس لئے بولنا پڑتا ہے کہ "قربیٰ" کے ہوجائیں —

ہمیں آپس میں محبت اس لئے کرنا پڑتی ہے کہ "قربیٰ" کے ہوجائیں —

اتحاد و اتفاق اس لئے رکھنا پڑتا ہے کہ ہم "قربیٰ" کے ہوجائیں —

شفاعت جب ہوگی جب ہم "قربیٰ" سے "مودت" کریں گے —

صاحبان! بات ختم کرتا ہوں۔ انشاء اللہ قیامت کے دن ہم جائیں گے قیامت میں — "ایک دوسرے کو ہم پہچانیں گے — وعدہ کرو مجھ سے —: اگر مجھے فرشتے ہتھکڑی ڈالے ہوئے جا رہے ہوں جہنم کی طرف۔ تو تم شور مچا دینا —

"ٹھہرو — کہاں لے جا رہے ہو — ہم آگئے پیر محل والے۔ پہلے ہمیں مجلس کر لینے دو —" بس مجلس کا لفظ آیا نہیں۔ — اور فرشتوں کی مجال نہیں جو مجھے چھوڑ نہ دیں — " قیامت کے دن دیکھنا۔ تم منظر شفاعت کا — وہاں نہ رسولؐ شفاعت کریں گے — نہ انبیاء شفاعت کریں گے — وہاں شفیع روز جزا بھی "قربیٰ" ہوگی — اس کی تم مودت کرو — یہ وہاں تمہاری شفاعت کرے گی — بلکہ سنا تو میں نے یہ بھی تھا علماء سے۔ پڑھا بھی ہے کتابوں میں۔ کہ قیامت میں زلزلہ آجائے گا — دہل جائیں گے قیامت والے — ابراہیمؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جائیں گے — یہ ہولناکی ہوگی قیامت کی — کب — ؟ جب شور مچے گا — قیامت والو! خبردار۔ ہشیار — فاطمہؑ اپنا مقدمہ لے کر آئی ہے — خدا کی کچہری میں — اللہ کی عدالت میں سیّدہ آئی ہیں — مقدمہ لے کر — اور سیّدہ جھجکتی ہوئی — سنبھلتی ہوئی ڈرتی ہوئی آئیں گی — آواز آئے گی —

"بی بی — جھجکتی کیوں ہو — ؟ تو آپ فرمائیں گی۔

"مجھے عدالت کا بڑا سخت تجربہ ہے۔ مجھے مقدمے کا بڑا تلخ تجربہ ہے —"

خداوندا - آج میں اپیل لے کر آئی ہوں۔ تو نے قیامت تاریخ رکھی تھی اپیل کے لئے

آج میں اپیل کر رہی ہوں ——

خداوندا —— پہلا تو میرا دعوےٰ یہ ہے کہ بھرے مجمع میں مجھے جھوٹا کہہ دیا —— اور

خداوندا —— دوسرا دعوےٰ یہ ہے کہ میرے گھر میں ایک دن میں بہتّر قتل ہوگئے ——"

خداوندا میرا جو مقدمۂ قتل ہے —— اُس قتل کے مقدمے کے لئے ایک عینی گواہ پیش

کرنا چاہتی ہوں ——" آواز آئے گی —— وہ کون ہے؟ ——" بی بی فرمائیں گی:

"خداوندا —— وہ میری بیٹی زینبؑ ہے —— وہ چشم دید گواہ ہے۔ میرے بہتّر

کے قتل کا ——" اب عدالتِ الٰہی کی طرف سے گواہ کی طرف سمن جاری ہوں گے

اور عدالت کا سمن لے کر حورانِ جنّت شام جائیں گی ——"

"بی بی زینبؑ! تمہیں اللہ کی عدالت نے بلایا ہے —— اماں کے مقدمے کی گواہی دو ——

اٹھو زینبؑ یہ کہہ دے۔

"میں اُسی طرح آنا چاہتی ہوں قیامت میں جس طرح شام کے بازار میں گئی تھی۔"

اس شکل سے زینبؑ آجائے گی —— اونٹ پہ بیٹھی ہوئی —— زین العابدینؑ مہار پکڑے

ہوئے۔ شہیدوں کے سر ساتھ ساتھ —— اور ہم سب گرد اکٹھے ہو جائیں گے ——

بی بی: ساری عمر روتے رہے۔ آج تو آئی ہے —— ہمارا پُرسا لے ——

بی بی کہیں گی ——

"بس آج مقدمے کا فیصلہ یہی ہے کہ میں تمہاری شفاعت کروں گی۔"

بی بی! تو عورت کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں —— اتنا ثبوت ہم دیتے ہیں

کہ تیرے غم میں غم کیا تھا —— تیری خوشی میں خوشی کی تھی —— جس دن تمہارا غم کا دن تھا

اُس دن ہمارے گھروں میں آگ نہیں جلی تھی —— اُس دن ہمارے بچوں تک نے فاقہ

کیا تھا —— آپ دیکھ رہی تھیں ——

ہماری عورتیں ننگے سر زمین پہ بیٹھی تھیں — ہم نے ماتم ماتم کر کر کے خون بہا دیا تھا — اور جس دن آپ کے گھر خوشی تھی — جس دن آپ کے گھر ولادت تھی اُس دن ہم نے شاندار جلسے کئے تھے — اُس دن ہم نے روشنیاں کی تھیں — اُس دن ہم گلے ملے تھے — اُس دن ہم نے ایک دوسرے سے مصافحے کئے تھے۔ اُس دن ہم نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی تھی۔ جس کا ثبوت آج گلستانِ رضو یہ۔ (ڈُرآباد) میں امام رضاؑ کی ولادت ہے۔ آج ہمارا عید کا دن ہے — آج ہماری خوشی کا دن ہے —

آج ہماری بڑی مسرت کا دن ہے

ہمیں رونے کا طعنہ دینے والے! کبھی ہمارا ہنسنا بھی دیکھ جایا کر — آج ہمارا خوشی کرنے کا دن ہے — آج ہمارا مبارک باد کا دن ہے —

آج ہم ساری عمر قید میں زندگی بسر کرنے والے باپ کو اُس کے بیٹے کی مبارکباد دینے جا رہے ہیں — آج ہم نے رسولؐ و آلِ رسولؐ کو مبارک باد دینی ہے امام رضاؑ کی ولادت پر تہنیت کرنی ہے — اللہ کا ہم شکر ادا کرتے ہیں۔ رسولؐ کو ہم مبارک باد پیش کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ

مولا! — نیز زمانے کا دستور ہے۔ کہ جب شہنشاہوں کے گھر کوئی ولادت ہو تو وہ اپنی رعایہ پر دو قسم کے انعام فرماتے ہیں۔

۱۔ قیدیوں کو رہا کیا جاتا ہے۔ اور

۲۔ رعایا میں انعام تقسیم کیا جاتا ہے —

ہم میں سے جو گناہوں کی قید میں قید ہیں — آج کے صدقے میں اللہ انہیں آزاد کر دے — اور

دوسرا انعام ہمیں کیا ملے گا؟ — ہم نہیں مانگتے —

اس لئے کہ اگر ہم نے بڑی سے بڑی شے بھی مانگ لی تو وہ ہماری حیثیت کی بڑی ہوگی —— اور تو اگر چھوٹی سے چھوٹی شے بھی عطا کرے گا — تو وہ تیری حیثیت کی چھوٹی ہوگی ——

یہ انعام ہم تمہاری مرضی پر چھوڑتے ہیں ——

جو مناسب سمجھو — ہمیں دے دو ——

اللہ ! ہمارے دلوں میں مودت محمدؐ و آلِ محمدؐ پیدا کرے۔

اُن کی مودت کے ساتھ زندہ رہیں۔ اور اُن کی مودت کے ساتھ دم نکلے۔

• بحقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

——— (۵) ———

جب چیزیں ہوں دو

ایک "ہو ٹوٹنے" والی ایک "ہو نہ ٹوٹنے" والی

تو

بُت پرستی کی عادت یہ کہلوا دے گی

کہ

"ہمیں "نہ ٹوٹنے" والی کافی ہے"۔

(خطیب آلِ محمدؐ)

آنکھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوند عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمد و آل محمد پر درود و سلام۔

حضرات گرامی قدر! گرمی بڑی شدید ہے۔ آپ صاحبان اس گرمی میں یہاں تشریف لائے ہیں۔ میں آپ کو دو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ پہلی مبارک تو اس بات کی کہ سیّد الشہداء کے دربار میں آپ لوگوں کو حاضری دینے کا شرف ملا ہے دوسری مبارک اس بات کی کہ آپ جبرئیل کے پروں کی طرح ذوالفقار کی زد میں آئے ہوئے تھے اللہ نے آپ کو بچا لیا۔

میرے سامعین! مجھ سے پہلے حضرت علامہ حافظ سیّد ذوالفقار علی شاہ مدظلہ العالی یہاں وعظ فرما رہے تھے۔ میں بھی پیچھے بیٹھا ہوا سن رہا تھا۔ زیادہ کچھ تو مجھے یاد نہیں رہا۔ صرف اتنا یاد ہے کہ قبلہ حافظ صاحب کچھ آنکھوں کے بارے میں خطاب فرما رہے تھے۔ لہٰذا میں بھی چاہتا ہوں کہ آنکھوں کی بات ہی کی جائے تو بہتر ہے۔ لطف یہ ہے کہ آنکھ سے آنکھ لڑے تو بات کا لطف آئے گا۔ . . .

اللہ نے بڑی نعمت عطا فرما دی ہے۔ یہ آنکھ۔ آنکھ کے بغیر دنیا آباد ہی نہیں۔ جس کی آنکھ نہیں، اُس کے لئے دنیا آباد ہی نہیں۔ دانت گئے کھانے کا سواد گیا۔ آنکھیں گئیں دنیا کا لطف گیا۔ یہ آنکھ بڑی عجیب شے ہے۔ جو خدا نے بنائی ہے۔ اب میں اپنے نوجوان عزیزوں کو جو کالجوں میں پڑھتے ہیں۔ آج کل کی فضا میں پرورش پاتے ہیں۔ سیاست کے میدان میں رہتے ہیں۔ چوبیس گھنٹے سیاسی گفتگو کرتے ہیں۔ اور خدا جانے کیا کیا باتیں کرتے ہیں۔ جو ہم جیسے بڈھوں کی سمجھ میں نہیں آتیں اُن کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ''انسان'' بدن ایک ملک ہے سر سے پیر تک جتنا بھی بدن ہے۔ یہ ایک ملک ہے۔ اس ملک میں جنگل بھی ہے اس ملک میں صحرا بھی ہے۔ اس ملک میں دریا بھی

ہیں۔ اس میں ہڈیوں کے پہاڑ بھی ہیں۔ غرض ہر شے اس ملک میں موجود ہے۔ پورا بدن انسان کا یک ملک ہے۔

اب اس ملک میں بہت سی قومیں آباد ہیں۔ ایک قوم کا نام ہاتھ ہے۔ ایک قوم کا نام پاؤں ہے۔ ایک قوم کا نام تالو ہے۔ ایک قوم کا نام سر ہے۔ مختلف قومیں ہیں جو بدن کے ملک میں آباد ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتی ہیں۔ تو ملک آباد رہتا ہے۔ ہاتھ پیر کی مدد کرتا ہے، ہونٹ ہونٹ کی مدد کرتا ہے۔ یہ مدد کرتے ہیں تو ملک آباد رہتا ہے۔ اور اس مدد کرنے میں کبھی کبھی لڑائی بھی ہو جاتی ہے۔ لڑائی ہونا بھی ملک کے لئے ضروری ہے۔ لڑائی کے بغیر بھی گذارا نہیں۔ لڑائی بھی زندگی کی علامت ہے۔ دیکھو نا۔ اگر پیر زمین سے نہ لڑیں تو راستہ کیسے طے ہو۔ راستہ جب ہی طے ہوتا ہے۔ جب پیروں کی زمین سے لڑائی ہوتی ہے۔ روٹی سے لڑائی ہو جائے تو پیٹ بھرتا ہے۔ پانی سے لڑائی ہو جائے تو پیاس بجھتی ہے۔ کھیت میں ہل چلا دو تو فصل آتی ہے۔ لب سے لب لڑے تو بات بنتی ہے۔ تالو سے زبان لڑے تو الفاظ نکلتے ہیں۔ پلک سے پلک لڑے تو آنکھ دیکھتی ہے اور آنکھ سے آنکھ لڑے تو سودا آتا ہے۔ لڑائی بھی ضروری ہے۔

ہر نوع انسان کا بدن ایک ملک ہے۔ اس میں بہت سی قومیں آباد ہیں۔ کوئی قوم آنکھ ہے۔ کوئی قوم پیر ہے کوئی قوم سر ہے کوئی قوم ہاتھ ہے۔ کوئی قوم ناک ہے۔ اور پاؤں اس لئے اکڑتے ہیں کہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں۔ قسمت میں جوتے ہیں۔ تعداد تو ان کی بہت زیادہ ہے سارے ملک میں۔ بدن کے سارے ملک میں سب سے زیادہ تعداد جو موجود ہے وہ پیروں کی ہے۔ مگر ان کی قسمت میں جوتے ہیں۔ ان سے کم تعداد ہاتھوں کی ہے۔ مگر یہ اپنے کاموں سے اتنے شرمندہ ہیں کہ اگر انہوں نے صحیح صحیح کام کئے ہوں تو اپنے مالک کے سامنے بالکل صحیح حالت میں جاتے ہیں۔ ورنہ کوئی برے کام کئے ہوں اس قوم نے۔ تو مالک کے سامنے شرم کے مارے بغلوں میں منہ چھپا لیتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس قوم نے کوئی بری حرکت کی ہے۔ ہاتھوں سے کوئی ناقابل عمل عمل ہوا ہے۔ جب ہی تو مالک کے سامنے شرم کے مارے بغلوں میں منہ چھپائے

ہوئے ہیں۔ نیک ہوتے تو صاف سامنے کھڑے ہوئے ہوتے۔

بندہ پرور! اس ملک میں ایک صُوبہ ہے۔ جو سینہ کہلاتا ہے۔ اس سینے کے اندر اس ملک کا پایۂ تخت ہے۔ اس پایۂ تخت میں اس ملک کا بادشاہ رہتا ہے۔ ساری رعایا آرام کرتی ہے۔۔ وہ دھڑکتا رہتا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اُس نے اپنا دھڑکنا بند کیا ہو۔ جس دن بادشاہ حرکت بند کردے گا۔ ساری رعایا ختم ہو جائے گی۔ نہ اندھیرے میں آتا ہے۔ نہ دیکھنے میں آتا ہے۔ ہے تو غائب۔ مگر ہے بادشاہ۔ اُس کی بدولت تمام رعایا زندہ ہے۔ ہاتھ کام کرتا ہے دل کی بدولت۔ زبان بولتی ہے دل کی بدولت۔ آتا ہے دل۔ جاتا ہے دل۔ پسند کرتا ہے دل۔ ناپسند کرتا ہے دل۔ زندگی ہے دل۔ جبھی تو زندگی کو اُردو زبان میں "جی" کہتے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے۔ دل بادشاہ ہے اس ملک کا۔ اور اس کا وزیر ہے دماغ۔ دماغ مشورے بتاتا ہے۔ بادشاہ اُسے منظور کرتا ہے پھر ساری قوتیں کام کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ اب لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں۔ زیدی صاحب! یہ غلط کہہ دیا تم نے دل بادشاہ ہے۔ دماغ وزیر ہے۔ وزیر بیٹھا ہے اوپر، بادشاہ بیٹھا ہے نیچے۔ دماغ کو نیچے بیٹھنا چاہئے تھا۔ تو اب انہیں کون سمجھائے۔ کہ یہ دل خدا کا بنایا ہوا بادشاہ ہے۔ دماغ اللہ کا بنایا ہوا وزیر ہے۔ اور اللہ کے بنائے ہوئے وزیر، بادشاہوں سے اوپر رہتے ہیں کسی کو یقین نہ آئے تو کعبے میں جا کے دیکھ لو۔

یہ تو ہے دل ہمارا بادشاہ ہے۔ دماغ ہمارا وزیر ہے۔ ہاتھ پاؤں جو ہیں یہ قوتیں ہیں۔ اور ان کے درمیان معدہ شریف ہیں۔ یہ وزیر خزانہ ہے تمام خوراک وہاں جو باہر سے آتی ہے۔ ان میں آتی ہے یہ پھر اُسے تقسیم کرتے ہیں۔ جتنی آپ نے روٹی کھائی نا آج۔ اُس روٹی سے بدن میں چار چیزیں بنتی ہیں۔ ایک کا نام ہے بلغم۔ ایک کا نام صفرا۔ ایک کا نام سودا۔ اور ایک کا نام ہے خون۔ یہ چار چیزیں بنتی ہیں تمہاری غذا سے۔

اب میں تم سے نہیں پوچھتا کسی ڈاکٹر سے پوچھ لو۔ کسی حکیم سے پوچھ لو۔ کہ تمہاری غذا سے بنتی تو ہیں یہ چار چیزیں مگر۔ میاں سے بتا دو چار دن ایسے جیسے بلغم۔ تھوکنے کے قابل۔ صفرا۔ نکال دینے کے قابل۔ سودا جلا دینے کے قابل۔ اور آ گئیں خون بدن میں۔ رکھنے کے قابل۔ یہ تو خون کی نشانی ہوا اور ہے۔ نشانیاں ہمارے گھر میں ہیں۔ اسی جگہ سے بتاتا ہوں۔ یہیں تو خون ہے۔ بلغم بلغم ہے۔ جگر جگر ہے۔ دل دل ہے

اور یاد رکھو بزرگو! انسان کی عادت میں، سیرت میں، مزاج میں اثر کرتا ہے خون!

آپ نے وہ لطیفہ سنا ہوگا کہ ایک بے چارہ مولوی تھا۔

مسجد اذان دیا کرتا تھا۔ وہ ہو گیا بیمار۔ داخل ہوا ہسپتال میں۔ اُسے ضرورت پڑی خون کی۔ اتفاق سے وقتی طور پر خون نہ مل سکا۔ اور وہ آ گیا جو شادی بیاہ میں بن بلائے آجاتے ہیں۔ (اب اُسے آ گیا کہوں یا آ گئی کہوں بہرنوع وہ آ گیا) تو ڈاکٹر نے اُسی کا خون دے دیا۔ مولوی صاحب اچھے ہو گئے۔ اب چونکہ اُس کا خون آیا تھا بدن میں۔ اُس کی تاثیر کیا ہوئی۔ کہ جب مولوی صاحب نے "مسجد میں جا کر کہی اذان۔ اور جب "حی علی الصلوٰۃ" پر پہنچے تو تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ خون کا اثر تھا۔ اگر آدھ پاؤ خون کا اثر بدن میں اگر ایک مولوی سے تالیاں بجوا سکتا ہے تو بتاؤ اُس کے خون کی کیا تاثیر ہوگی۔ جس سے رسول یہ کہے "تیرا سارا خون میرا خون ہے"۔

بہرنوع غذا سے چار چیزیں بنتی ہیں۔ بلغم، صفرا، سودا اور خون۔ اور ہمارا معدہ وہ ذخیرہ خانہ ہے۔ یہ غذا کو تقسیم کرتا رہتا ہے۔ خون کی جگہ خون بھیج دیا۔ بلغم کی جگہ بلغم بھیج دی۔ جہاں جہاں جس کا ٹھکانہ ہے اُسے بھیج دیا۔ اور

اسی ملک میں جہاں سر بھی آباد ہے۔ جہاں ہاتھ بھی آباد ہیں۔ جہاں پیر بھی آباد ہیں۔ جہاں ساری قومیں آباد ہیں۔ اسی ملک میں آنکھ بھی آباد ہے۔ یہ بھی ایک قوم ہے۔ ہاتھوں سے چھوٹی ہے پیروں سے چھوٹی ہے۔ تعداد میں سب سے کم ہے گویا آنکھیں ملک کی اقلیت ہیں۔ مگر کیا علاج کیا جائے کہ اکثریت کی قسمت میں وہ بات نہیں ہے۔ جو اقلیت کی قسمت میں ہے۔ یہ پیر، ہاتھ اکثریت میں ہیں۔ ان کی قسمت میں وہ چیز نہیں جو اقلیت والی قوم آنکھ کی قسمت میں ہے۔ اور وہ کیا۔ نور اور رونا۔ جو کسی ملک میں اقلیت ہو۔ اللہ اُسے نور بھی دیتا ہے اُسے رونا بھی دیتا ہے۔ اور جہاں نور نہ ہو۔ وہاں رونا آتا ہی نہیں ہے۔ تو اقلیت گھر ہے نور کا مرکز۔ اکثریت کو راستہ دکھاتی ہے۔ پاؤں چل نہیں سکتے اگر اقلیت رہبری نہ کرے۔ ہاتھ کام نہیں کرتے اگر اقلیت رہبری نہ کرتے۔ جب تک اقلیت کو قائداعظم نہ بناؤ۔ قومیں کام نہیں کرتیں۔ آنکھ رہبری کرتی ہے۔ پورے ملک میں کہیں بھی چوٹ لگ جائے آنکھ فوراً پہنچ جاتی ہے۔ اور جا کر اُس کی مدد کرتی ہے کہیں کوئی گستاخ ہو تو بھی خفا ہو جاتی ہے اسے اپنی حفاظت

کا اللہ نے یہ انتظام کیا ہے کہ سات پردوں کے پیچھے معشوقہ نور کو آرام سے بٹھا کر سامنے اس کی
مسہری کے پردے لگا دیئے۔ پردوں کے بعد پلکوں کی چلمن لٹکائی۔ اس کے اوپر چھجا لگا دیا تاکہ آنکھ
دیکھنا چاہے تو پلکیں جھپک کے پہلے آئینے کو صاف کر دیں۔ پھر معشوقہ چشم آنکھ سے نکلنے کا ارادہ کرے۔
بڑی ادا سے نکلتا ہے نور آنکھ سے۔ آنکھ میں خراش نہیں آتا۔ دروازہ نہیں کھلتا، کھڑکی نہیں کھلتی۔
نور سات پردوں سے باہر آیا۔ آسمان تک پہنچا۔ پھر آیا۔ نور کی رفتار ہے کہ پلکوں کی زنجیریں ہلتی
رہیں اور نور آسمان پہ جا کے ہو بھی آیا۔

جہاں آنکھوں میں نور رہتا ہے۔ وہاں نور کے ساتھ کالے رنگ کی پتلیاں بھی ہیں۔ نور کے گھر میں
کالے رنگ کی پتلیاں۔ ساری عمر ہو گئی نور کے گھر میں رہتے ہوئے۔ مگر یہ نامراد ویسی کالی کی کالی ہیں۔ سیکھا
کیا انہوں نے اپنی فطرت سے کہ وقت پڑے تو پھر جائیں۔ اور ان پتلیوں کے اندر اللہ نے پانی کا حوض رکھا
ہے۔ اگر باہر سے ذرا سا بھی کوئی ذرہ آ جائے تو فوراً حوض سے پانی بہا کے صاف کر دیا جائے۔ چونکہ
آنکھ نازک ہے اس لئے باہر کی چیز کو برداشت نہیں کر سکتی۔ بُرے سے نفرت کرتی ہے اچھے سے رغبت کرتی
ہے۔ سبزہ ہو تو خوشی سے دیکھے گی۔ گندگی ہو تو منہ پھیرے گی۔ آنکھ میں یہ کمال ہے کہ برائی سے نفرت
کرتی ہے اچھائیوں کو پسند کرتی ہے اور یہ اقلیت کا ورثہ ہے کیونکہ اس میں نور ہے۔ پھر اللہ نے
ایک اور کام کیا ہے کہ آنکھیں دو بنا دیں۔ اگر ایک ہوتی دو کی بجائے۔ تو اللہ کو کوئی نقصان تھا۔ نہ
کوئی اعتراض تھا۔۔۔۔ مگر اللہ نے کہا۔ نہیں دو بناتی ہیں۔ چونکہ نور ہے اور نور میں نہیں بھیجتا۔
جب تک دو نہ ہوں۔ ایک نور کبھی آج تک بھیجا ہی نہیں۔ جب بھی نور بھیجا دو کر کے بھیجا۔ تاکہ اگر ایک نور
چلا جائے تو دوسرا نور اس کی جگہ کام دے۔ گویا اللہ جب کوئی نور دنیا میں بھیجتا ہے۔ تو اس کا وصی بھی
ساتھ ہی بھیجتا ہے بغیر وصی کے نور کے پہلا نور آ ہی نہیں سکتا۔

اب اگر ضد کر بیٹھو عزیزو۔ اگر خدانخواستہ آنکھ چلی جائے گی تو ہم ناک سے دیکھ لیا کریں گے
ہم کہتے ہیں "دیکھو ناک سے" اور تم کہتے ہو "ناک کی توہین کرتے ہیں ہم" ۔۔۔ میں تو کہتا ہوں۔ مجلس میں
نہ جایا کرو۔ یہ ناک کو برا لگتا ہے ہیں۔ ناک نہیں دیکھ سکتی ہو۔۔۔ ویسے ناک چہرے کی ناک ہے۔ ناک

کی خاطر گھر اُجڑ جاتے ہیں۔ ناک کی خاطر کنبے تباہ ہو جاتے ہیں۔ ناک کی خاطر قتل و غارت ہو جاتی ہے۔
ناک بڑی عزت کی چیز ہے۔ پھر اس کا کیا علاج کیا جائے۔ ناک چاہے جتنی ہی عزت کی تھے سہی مگر نور کی جگہ
تو نہیں لے سکتی۔ بس اتنی بات کہتے ہیں کہ ناک نور کی جگہ نہیں لے سکتی۔ اسے تم کہتے ہو "بُرا کہتے ہیں"
میرے سامعین! آنکھیں ہیں تو دو۔ مگر جب بھی دیکھتی ہیں ایک۔ کوئی فرق بیان کر سکتا ہے۔ یہاں
تک ایک آنکھ نے دیکھا۔ یہاں تک دوسری آنکھ نے دیکھا۔ دو ہونے کے باوجود نظر ایک ہے یہ نُور کا کمال
کہ ہو دو مگر نظر ایک ہو۔ جو دائیں دیکھ رہی ہو۔ وہی بائیں دیکھ رہی ہو۔ کیا مجال جو ان دونوں میں فرق آ جائے۔
یہ بھی آنکھ کا کمال ہے ... اور میرے محترم بزرگو!

یہ بھی سن لو میری تقریر کا آخری فقرہ۔ کہ آنکھ نازک اتنی کہ ذرا سا ریزہ بھی برداشت نہیں کر سکتی
اور طاقتور اتنی کہ خدا نہ کرے جو نہیں ٹوٹ جائے ___ اگر پڑ جائے تنکا ہیں۔ تو تب ہی مچا دیتی ہے اور یہ نُور کی
صفت ہے کہ نزاکت دکھانے پہ آئے۔ تو تنکے کی روئی گفتا لگانے سے ٹوٹے۔ اور اگر اڑ جانے تو خیبر
کے در نہ رو سکیں۔ پہلوانوں کے سر نہ روکیں۔ حد یہ کہ جبرئیل کے پر نہ روکیں۔ نہ اُس کی نزاکت کی کوئی حد ہے
نہ اُس کے طاقت کی کوئی حد ہے ___ اور اللہ تعالیٰ نہیں۔ مجھے سب کو اس نور کی نعمت سے محروم نہ کرے یہ بڑی
عجیب شے ہے۔ یہ بڑی نعمت کی چیز ہے ... اور

مومن کی آنکھوں کی تو شان ہی اور ہے۔ اس آنکھ کی قیمت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہی نہیں۔ خدا
اسے کئی ہزار نعمت تمہاری آنکھ سیدہ کے رومال سے صاف ہوئی ہے۔ اور سیدہ
رومال کو کرتی کیا ہیں۔ آنکھ صاف کی اور رومال اپنی بیٹی زینب کو دے اور فرمایا۔ بیٹی زینب! میں
تیرے بھائی کا مرہم لائی ہوں" اور زینب اپنے بھائی کے زخموں کا مرہم بنا لیتی ہے۔ اور یہی بھائی
کہ اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ خداوندا ___ دیکھ لے۔ یہ قوم اپنے گھروں کو چھوڑ کر اپنی آسائش
و آرام کو چھوڑ کر یہاں ماتم کر رہی ہے" ___ تمہاری آنکھوں کی بڑی عزت ہے۔
تمہاری آنکھوں کی بڑی قدر ہے۔

بس جائیو۔ میرا بیان ختم ہوا۔ ———— قیامت کو ہر ایک کو حکم ہوگا۔ آنکھیں بند کرو۔ ——— مگر مومن اپنی آنکھیں کھلی رہنے دے گا۔ اس لئے کہ مومن کی آنکھوں سے سیدہ مانوس ہے۔ وہ مومن کی آنکھوں کو دیکھتی رہی ہے۔ اور ایک موقعہ ایسا آئے گا جب خود بخود مومن کی آنکھیں بند ہو جائیں گی۔ اور وہ موقعہ جب آئے گا۔ جب قیامت میں اعلان ہوگا ————

قیامت والو۔ باادب باملاحظہ ہشیار!

محمدؐ کی بیٹی کی سواری آرہی ہے۔ ———— مگر زینبؑ کہے گی میں اسی طرح آؤں گی جس طرح شام کے بازاروں میں گئی تھی۔ تاکہ قیامت والے بھی دیکھ لیں کہ زینبؑ کس شان سے شام کے بازاروں میں گئی تھی۔ ——— انبیاءؑ تھر تھر کانپتے ہوں گے۔ اولیاء لرزتے ہوں گے اور زین العابدینؑ کے ہاتھ میں مہار ہوگی۔ علیؑ سر جھکائے زین العابدینؑ کے ساتھ ہوں گے۔ حسینؑ ناقے کے دائیں بائیں ہوں گے اور زینبؑ سر برہنہ، بال کھلے ہوئے۔ ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوئے۔ بالکل اسی طرح آنے گی جس طرح شام کے بازاروں میں آئی تھی۔ اور کہے گی۔ "خداوندا! میں آگئی ہوں۔" اس وقت حکم ہوگا خدا کی طرف سے۔ "زینبؑ کے غلام کہاں ہیں۔" تو کروڑوں کی تعداد میں لوگ اکٹھے ہو جائیں گے۔ زینبؑ کے ناقے کے گرد ماتم شروع کر دیں گے

قیامت میں ماتم کی آواز بلند ہو جائے گی۔ تو اللہ کہے گا۔

"بس قیامت ہو گئی۔ اب قیامت نہیں کرنی۔ ماتم داروں کو ایک طرف کرو۔ تماشائیوں کو ایک طرف کرو۔" ———— ادھر زینبؑ اپنے چھوٹے بھائی کو حکم دے گی ———— عباسؑ بھائی! اپنے علم کا پھریرا کھول دو۔ ان ماتم کرنے والوں کو اپنے علم کے زیر سایہ میرے محل کے سامنے لے آؤ میں ایک ایک کا مزاج پوچھوں گی۔ ایک ایک سے زینبؑ بات کرے گی۔ ——— ... "برخوردار تو نے حسینؑ کا ماتم کیا تھا۔" ———— عورتوں سے زینبؑ کہے گی۔ "آؤ بہنو۔ میرے گلے ملو۔ میرا حسینؑ کربلا میں ذبح ہو گیا۔" . . نوجوانو۔ تم سے علی اکبرؑ پوچھیں گے۔ "میرے ہم سن نوجوانو! تم نے ماتم کیا تھا۔ ادھر آؤ۔ تمہارے کوئی زخم تو نہیں۔" ———— اور تب ہم اپنے زخم دکھا سکیں گے۔ تو ہم عرض کریں گے۔ "شہزادۂ عالم! اگر مناسب ہو تو ذرا اپنا زخم بھی دکھا دو۔" علی اکبرؑ کہیں گے۔

"میرے زخموں کا مرہم بن گیا ہے تمہارا ماتم۔"

تحیۃ محمدؐ و آل محمدؐ۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ..

جہادِ اکبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

"خداوند عالم کی حمد وثناء کے بعد حضرات محمد وآلِ محمدؐ پر درود وسلام"

حضراتِ محترم! معاف کرنا۔ آج مجھے معمول سے دیر ہوگئی۔ اور وہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہم دنیا میں معصوم تو آئے نہیں۔ معصوم تو وہی لوگ تھے جنہیں خداوندِ عالم نے معصوم پیدا کیا تھا ــــ کوئی بننے سے تو معصوم بنتا نہیں۔ جسے اللہ معصوم پیدا کرے وہی معصوم ہے۔ اور اگر کوئی معصوم بنا چاہے۔ تو یہ ہماری معصومیت ہے جو ہم معصوم بنائیں گے۔ یہ نہ سوچیں کہ یہ آدمی ہمیں بنا رہا ہے۔

بہر نوع۔ معصوم وہی ہے جسے اللہ نے معصوم پیدا کیا ہے ــــ لفظ "معصوم" جو ہے۔ یہ لفظ "عصمت" سے بنا ہے ــــ عصمت کے معنی ہیں پاک ــــ جو جتنا زیادہ برائیوں سے پاک ہوتا جائے گا۔ اتنا ہی زیادہ وہ معصوم ہوتا چلا جائے گا ــــ اور یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ جہاں "عصمت" کا لفظ بولا جائے۔ وہاں اس کے معنی یکساں ہوں۔ معصوم کا لفظ جہاں بھی بولا جائے، اس میں سارے معصوم یکساں ہوں ــــ یہ نہیں ہوگا۔ معصوم ہونا اور بات ہے اور ہر معصوم یکساں ہو ــــ یہ نہیں ہو سکتا ــــ آدمؑ کی معصومیت اور بات ہے۔ خاتمؐ کی معصومیت اور بات ہے۔ چونکہ ہم چودہ معصومؑ کی معصومیت میں رہتے ہیں ہر وقت ــــ اس لئے ہمارے سامنے جب لفظِ معصوم آئے۔ ہم ہر معصوم کو اسی میزان سے ناپتے ہیں جو ہم نے سنا ہے ــــ حالانکہ اُن کی معصومیت اور ہے ــــ ان کی معصومیت اور ہے ــــ فرق کیا ہے ــــ؟

باقی معصوم جو ہیں۔ وہ وہی کام کرتے ہیں جو ٹھیک ہو ــــ وہ کبھی غلط کام نہیں کرتے ــــ ہمیشہ وہی کام کرتے ہیں جو درست ہو ــــ اور یہ چودہ جو ہیں۔ یہ پہلے ٹھیک نہیں سوچتے۔ بلکہ یہ جو بھی کر دیتے ہیں۔ وہ ٹھیک ہے ــــ یہ فرق ہے اِن کی معصومیت میں اور اُن کی معصومیت میں ــــ پہلے وہ حق کو تلاش کرتے ہیں۔ پھر حق کے پیچھے چلتے ہیں ــــ اور حق انہیں تلاش کرتا ہے۔ حق ان کے پیچھے چلتا ہے ــــ اِن کی معصومیت کی شان اور ہے۔ اُن کی معصومیت کی شان اور ہے۔

بہرنوع۔ اللہ جنہیں معصوم پیدا کر دے۔ وہ پیدا ہی معصوم ہوتا ہے۔ اور پھر اُسی وقت سے معصوم کی پرورش۔ اس کی خوراک، اور اس کی ضروریات۔ عصمت کے لحاظ سے ہوتی ہیں۔ اس لئے ہر معصوم پر صدقہ حرام ہے ــــ

حالانکہ صدقہ پاک ہے۔ صدقہ کوئی نجس چیز تو ہے نہیں۔ مگر معصوم کی معصومیت کے لئے نامناسب ہے ــــ اسی لئے یہ حدیثیں مشہور ہیں مسلمانوں میں۔ کہ مسلمان جب کوئی کھانے پینے کی چیز حضورؐ کی خدمت میں لاتے تھے۔ کوئی فروٹ لاتے ہوں گے۔ اور وہی عرب کا فروٹ کھجور وغیرہ وہی تو ایسا فروٹ ہے جو عرب میں ہوتا ہے۔ میں نے [illegible] جا کر خیال کیا۔ یا اللہ۔ یہاں سنگترہ، مالٹا کیوں نہیں پیدا کیا۔ بعد میں خیال آیا۔ [illegible] ٹھیک کیا ہے کہ یہاں سنگترہ مالٹا وغیرہ پیدا نہیں کیا۔ کیونکہ جانوروں میں اونٹ پیدا ہوا تھا۔ اگر یہ [illegible] وہاں ہوتے تو سارا پھل اونٹ کھا جاتے۔ اللہ نے ایسا پھل پیدا کیا جہاں اونٹ [illegible] بہرنوع۔ عرب کا فروٹ یہ کھجور ہے ــــ اور جب لوگ یہ کھجورے کر [illegible] [illegible] جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں۔ تو رسولؐ اُن سے پوچھتے تھے ــــ [illegible] واسطے [illegible] ہو۔ تحفہ [illegible] یا صدقہ لائے ہو؟ اگر وہ کہتے حضورؐ تحفہ [illegible] ہیں۔ تو آپؐ فرماتے حسنؑ بیٹا۔ او [illegible] حسینؑ بیٹا۔ اِدھر آؤ۔ علیؑ تم بھی آؤ۔ یہ تحفہ ہے۔ کھا کر بیٹھو [illegible] ــــ اور اگر لانے والا کہہ دیتا۔ حضورؐ یہ صدقہ ہے ــــ تو حضورؐ انہیں [illegible]

دیتے۔ اور اصحابؓ سے فرماتے ـــــ "بسم اللہ۔ نوش فرمائیں ـــــ" اور وہ نوش فرماتے تھے ـــــ یہ فرق رکھا تھا اللہ نے۔ معصوم کی پرورش و تربیت کا امتیازی اور ہے۔ اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ ہم تم سے امتیازی شان رکھتے ہیں۔ رسول ہمیں سبق دیتے تھے ـــــ ایک دن امام حسنؑ مجتبیٰ ایک خرما اٹھا کر امام حسینؑ کی طرف سے گئے ـــــ قریب تھا کہ حسینؑ خرما کھا لیتے۔ اُدھر سے رسالتمآبؐ نے کہا "دو بیٹا۔ نہ کھانا ـــــ "تمہیں معلوم نہیں یہ بات کہ صدقہ ہم پہ حرام ہے ـــــ" بات ختم ہوئی۔ پوچھنے والے پوچھ بیٹھے ـــــ قبلہ! آپ نے بچے سے اس طرح کہا جیسے بچہ سے یہ بات جانتا ہو۔ حالانکہ یہ بچہ ڈیڑھ سال کا ہے ـــــ" تو حضورؐ نے فرمایا ـــــ "ہاں مجھے معلوم ہے۔ یہ ہر مسئلہ جانتا ہے ـــــ" "اسے کس نے سکھایا؟ ـــــ"

"جس نے مجھے سکھایا ـــــ اور یہ میرا بچہ لوحِ محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے۔ دیکھو ہم معصوم ہیں ـــــ ہم یہاں آ کر نہیں پڑھتے۔ ہم پڑھانے کے لئے آئے ہیں۔ ہم بتانے آئے ہیں۔ ہم سیکھنے نہیں آئے۔ ہم سکھانے آئے ہیں ـــــ" بات کو مختصر کرتا ہوں ـــــ

میں آیا ہوں لاہور سے۔ اور مجھے پتہ ہے کہ کراچی کے مومنین کو مجھ سے بڑا پیار ہے۔ بڑی محبت ہے۔ مجھے محسوس یہ ہوتا ہے کہ مجھ سے بڑا پیار ہے کراچی والوں کو ـــــ میں آ گیا یہاں ـــــ "آو زیدی صاحب۔ آپ نے یہاں مجلس پڑھنا ہے۔ تشریف رکھیئے ـــــ" سامنے بڑے بڑے بزرگ سامعین بیٹھے ہیں۔ جب میں آ کے بیٹھ گیا منبر پہ۔ تو آپ نے درود پڑھا۔ میں نے جیب سے ایک کتاب نکالی۔ اور مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ اور اب آپ اس انتظار میں ہیں کہ یہ شروع کرے۔ اب آپ درود پڑھ رہے ہیں ـــــ اور میں نے کہا ـــــ "ٹھہرو بھئی۔ میں ذرا کتاب پڑھ لوں۔ پھر مجلس سناؤں گا ـــــ" تو لوگوں نے کہا "زیدی صاحب اگر یہیں آ کے پڑھنا تھا تو پھر آپ نے تکلیف کیوں فرمائی ـــــ" جب ایسے مولوی کو آپ برداشت نہیں کر سکتے۔ جو یہاں آ کے پڑھے۔ تو ایسے رسول کو کون برداشت کرے جو یہاں آ کے پڑھے۔ آخر یہیں کہیں گے نا "قبلہ۔ پڑھنا تھا۔ تو وہیں سے پڑھ کے

آتا تھا جہاں سے آئے ہو" ــــــ

بہر کیف۔ یہ معصوم ہیں۔ یہ پڑھانے آتے ہیں۔ پڑھنے نہیں آتے۔ یہ دنیا کو سبق سکھانے آتے ہیں۔ سیکھنے نہیں آتے۔ ان کا ہر قول، ہر فعل، ہر عمل غیر معصوموں کے لئے انسان بنانے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے ــــ اور پھر اس میں لطف یہ ہے کہ کسی کو مجبور نہیں کرتے۔ وہ خدا کی عطا کی ہوئی طاقت خارجی سے نہیں منواتے۔ وہ اسے سمجھا دیتے ہیں اپنے قول سے۔ اپنے عمل سے کہ بن جا ــ جو بن جائے، وہ بن جائے۔ اور جو نہ بنے وہ نہ بنے ــــ بہر نوع کسی سے نہیں بگاڑتے۔ ان کی سب سے بن جاتی ہے۔ چاہے کوئی بنائے یا نہ بنائے۔ "تم بنو، نہ بنو، ہم تمہیں سمجھاتے رہیں گے۔" یہ ان کا سمجھانے کا طریقہ ہے۔ خواہ عمل سے سمجھانا پڑے یا قول سے سمجھانا پڑے۔

اور ان معصومینؑ نے جو سب سے بڑا سبق دیا۔ جو طریقہ ابتداء سے شروع ہوا ہے۔ یعنی آدمؑ سے لے کر آج تک ــــ آج یکم محرم ہے اور سنہ ۱۳۹۰ھ تک۔ انسانوں کو انسان بنانے کے لئے ایسا عملی سبق کسی معصوم نے تجویز نہیں کیا۔ جیسا کہ ان معصوموں نے ان دس دنوں میں دیا ہے۔ جو آج سے شروع ہو رہا ہے ــــــ دس دن درس ہوگا ــــــ اس کے بعد ہم اسے بیٹھ کے دہرائیں گے ــ پھر اس کے بعد یاد کرنے کی کوشش کریں گے ــــــ ورنہ خدا گواہ ہے کسی مذہبی عقیدت یا تعصب کی بنا پر نہیں کہہ رہا۔ عام بات کہہ رہا ہوں کہ اگر انسانوں کی زندگی میں یہ دس دن رات باقی ہیں۔ اگر کوئی شرافت و انسانیت کا نام دنیا میں باقی ہے۔ تو صرف ان دس دن کی بدولت باقی ہے۔

دیکھو نا ــ دنیا کو سبق دے دیا جاتا ہے۔ شرافت اسے کہتے ہیں۔ انسانیت اسے کہتے ہیں ــ دنیا کے شریف ترین خاندان کا آغاز یہ ہوا تھا۔ انجام یہ ہوا تھا ــ یہ ان دس دن میں بتایا جاتا ہے ــــــ اور اس کو سن کر انسانی شرافت بیدار ہوتی ہے ــــــ

آج ایسا وقت بھی آگیا تھا کہ دنیا کو سبق دینے والوں کو مجبور ہونا پڑ گیا تھا۔

یہ مجبوری آج کی نئی بات نہیں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے بھی ہجرت کی۔ حضرت اسماعیلؑ نے بھی ہجرت کی۔ اُن کی ماں کا تو زم زم ہی آگیا ہے ہجرت کی یادگار — انہوں نے بھی ہجرت کی —— تمام انبیاءؑ کو مجبور ہو کر اپنے وطن سے ہجرت کرنا پڑی —— مگر ان کی ہجرتیں ایسی تھیں —— آج ہجرت مگر دس دن کے بعد واپس وطن آ گئے —— ور آلِ محمد کو بھی ہجرت کرنا پڑ گئی —— محمدؐ نے تو پہلے ہجرت کی تھی۔ جہاں سے سن ہجری کا آغاز ہوا —— یہ آلِ محمد کی ہجرت ہے —— وہ دشمنوں کے خوف سے رات کے وقت ڈرتے ہوئے گئے تھے۔ اور غار میں جا کر پناہ لی تھی —— یہاں وہ بات نہیں تھی۔ آلِ محمد نے اس شان سے ہجرت کی کہ دن کا وقت تھا۔ تمام اہلِ مدینہ دیکھ رہے تھے۔ اور مدینہ کی رُوح اہلِ مدینہ سے یہ کہہ رہی تھی ——

"خدا حافظ۔ میں واپس نہیں آؤں گا۔ مدینہ والو! میں اب تمہارے شہر میں نہیں آؤں گا۔ مجھے اس شہر کی ایک ایک اینٹ سے محبت ہے۔ میں یہیں پیدا ہوا تھا۔ میری پرورش یہیں ہوئی تھی —— اور

مدینے والو۔ تمہیں یاد ہوگا —— مدینے کی دیوارو! تمہیں بھی یاد ہے نا۔ کہ میرے ناناؐ نے کاندھے پہ مجھے سوار کیا تھا —— مدینے کے بازارو۔ تمہیں یاد ہے نا۔ کہ خدا کے رسولؐ نے مجھے کاندھے پہ سوار کیا تھا —— میں کسی کو اپنے ساتھ جانے کے لئے مجبور نہیں کرتا —— میں کوئی لڑنے نہیں جا رہا ہوں —— کوئی مالِ غنیمت نہیں ملے گا —— میں مرنے جا رہا ہوں —— میرے ساتھ جو جانا چاہے چلے —— جو جانا چاہے۔ اعلانِ عام ہے —— میں کسی کو روکوں گا نہیں ——"

اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے قبلہ! جب آپؑ نے فرمایا "جو جانا چاہے میرے ساتھ چلے ——" تو پہلا انسان جو حضورؑ کی خدمت میں آیا ہے یہ کہنے کے لئے کہ قبلہ! میں چلوں گا" —— پہلا شخص جس نے آپؑ سے کہا کہ "مولاؑ۔ میں ساتھ چلوں گا" ——

وہ تھے حضور امام زین العابدینؑ ——— اور امامؑ نے سر سے پاؤں تک شہزادے کو دیکھا ——— اور فرمایا "تمہارے منہ پہ بھی سجتا ہے۔ تمہاری یہی شان ہے بڑا بیٹا — برابر کا بھائی ہوتا ہے۔ تو میرا قوتِ بازو ہے۔ تم میرے ساتھ چلو گے ——— مگر مجھے خیال آتا ہے ——— تم ہی شاہی خون ہے۔ تمہاری ماں شہنشاہ کی بیٹی تھی۔ تمہارا مزاج شہنشاہی مزاج ہے سفر بڑا تکلیف دہ ہے — بیٹا! کہیں تمہارا شہنشاہی مزاج اس تکلیف کو برداشت نہ کر سکے ——— " ——— مگر امام زین العابدینؑ نے جواب دیا

"بابا حضورؑ! میں حضورؑ کا بیٹا ہوں۔ میں ساتھ چلوں گا ———"

ایک بات مولاؑ نے اور پوچھی

"سجاد بیٹا — تم میرے ولدِ اکبر ہو۔ اس لئے تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ میں سفر میں جہاد کروں گا یہ جہاد دو قسم کا ہو گا — ایک جہادِ اصغر — ایک جہادِ اکبر ——— تم کون سا جہاد کرو گے؟"

امام زین العابدینؑ نے جواب دیا

"قبلہ۔ میں چونکہ ولدِ اکبر ہوں۔ اس لئے میرے سپرد جہادِ اکبر فرمائیں ——" مگر اپنی زبان سے تشریح فرمائیں۔ ان دونوں جہادوں کی ———"

امامؑ نے فرمایا۔ "سفر بیٹا — ایک بیابان میں ایک وحشی فوج کے بیچ میں گھر کے تین دن بھوکا پیاسا رہ کے بیدردی سے قتل ہو جانا — قبر نہ ملنا — کفن نہ ملنا — یہ جہادِ اصغر ہے — اور ایک جہادِ اکبر بیٹے میرے لال — وہ یہ ہے کہ ماں۔ بہن، پھوپھی۔ بچوں کو ساتھ لے کر — اُن کے سر کھلے ہوئے ہوں گے۔ بال کھلے ہوئے ہوں گے۔ اور بازاروں میں پھرائی جائیں گی — اور باوجود طاقت کے کچھ نہ کہنا ——— یہ جہادِ اکبر ہے ——— تم کون سا جہاد کرو گے —"؟

بس یہاں آکر میں نے اپنی مجلس ختم کر دی ہے — اور اتنی بات کہہ کے ختم کرتا ہوں کہ

جنابِ ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں — یہ خواب

نہیں دیکھا کہ ذبح ہوگیا ہے ــــ بلکہ ذبح کر رہا ہوں ــــــ اور جب آنکھ کھلی تو بیٹے کو جگایا ــــــــ "

" بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ بیٹے نے جواب دیا

" ابا جان۔ کچھ اور تو نہیں ــ"

ابراہیمؑ نے فرمایا ــ نہیں

" ابا جان۔ آپ اپنے خالق کے حکم کی تعمیل کریں۔ آپ مجھے صابر پائیں گے" ــــ اس بیان کے بعد اب میں اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں۔ کہ جب امامؑ نے جہادوں کی تشریح فرما دی کہ بیٹا ۔ ــ جہادِ اصغر یہ ہے کہ کسی بن میں بھوکا پیاسا مرجانا ــــ اور جہادِ اکبر یہ ہے کہ باوجود طاقت ہونے کے اپنی ماؤں، پھوپھیوں اور بہنوں کو لے کر بازاروں سے گذرنا اور درباروں میں لے جانا ــ ــ اور باوجود طاقت کے کچھ نہ کہنا ــــ یہ جہادِ اکبر ہے ــــــ

اور اس جہادِ اکبر کے لئے تیار ہو بیٹا" ــــ بالکل اسی طرح پوچھا حسینؑ نے جس طرح ابراہیمؑ نے اسماعیلؑ سے پوچھا تھا ــ کہ "بیٹا تیار ہو" ــــ اسی طرح حسینؑ اپنے بیٹے سے پوچھ رہے ہیں ــ کہ "بیٹا تیار ہو" ــــ مگر بیٹا کیا جواب دیتا ہے ــ

" بابا جان ــ مگر فرق یہ ہے

" آپ انشاءاللہ مجھے شاکر پائیں گے "

اسماعیلؑ کہہ رہے تھے ــ "آپ انشاءاللہ مجھے صابر پائیں گے" اور یہاں کہہ رہے ہیں ــ " آپ انشاءاللہ مجھے شاکر پائیں گے" ــــ صبر ہوتا ہے مصیبت پر ــ اور شکر ہوتا ہے نعمت پر ــ جس چیز کو وہ مصیبت سمجھتے تھے ــــ وہ چیز ان کے لئے امانت بن گئی ... ــ اور اس بیٹے نے کہا ــ " آپ مجھے شاکر پائیں گے ــ " آپ مجھے شکر گذار پائیں گے ۔ ہر قدم شکر بجا لاؤں گا ــ میں تیار ہوں اس جہاد کے لئے۔

" میں حاضر ہوں ــ ــ ۔ ۔ دراں ذوق!

یہ میرے اعتقاد کی بات ہے۔ کہ جب محرم کا چاند طلوع ہوتا ہے پہلی رات کو ــ اور آپ لوگ مجلس کرتے ہیں تو معصومینؑ تشریف لاتے ہیں ان مجلسوں میں ـــــ اور معصومینؑ کے متعلق تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا ــ دو معصوموں کے متعلق تو میرا ایمان ہے ــ کہ وہ تشریف لاتے ہیں ــ آپ کی مجلس کا وقت دیکھا۔ اور امام زین العابدینؑ نے کہا

"پھوپھی اماں ــ چلو مجلس ہو گئی"

ان مجلسوں میں امام زین العابدینؑ بھی ہوں گے ـــــ اور خوردوں کے ساتھ جناب زینبؑ بھی تشریف فرما ہوں گی ـــــ اور

آج آلِ محمدؐ سفر کرنے کے لئے گھر سے روانہ ہو گئے ــ اور چلتے وقت جب محمل میں عصمتِ کبریٰ سوار ہونے لگیں ــ اور ناقہ جب لایا گیا دروازہ پر ــ امام علیہ السلام خود اٹھے اور اٹھ کے فرمایا

"چچا جیو ــ ذرا ایک طرف بیٹھ جاؤ ــ میں خود زینبؑ کو سوار کرتا ہوں"

امامؑ تشریف لائے دروازے پر ــــ اور زینبؑ چادریں، برقعہ میں سر جھکائے خاموش برآمد ہوئیں ــــ ایک بازو علی اکبرؑ کے ہاتھ میں ــــ ایک بازو سید الشہداءؑ کے ہاتھ میں ــــ اور امامؑ نے محمل کا پردہ اٹھایا ــــ جناب غازیؑ نے بلند آواز سے آواز دی

"محلے والو ــ خبردار ــ کوئی بچہ بھی ادھر سے گذرنے نہ پائے ...... کوئی سوار یہاں سے گذرنے نہ پائے ... کوئی آواز نہ بلند ہونے پائے ..... زینبؑ سوار ہو رہی ہیں ــــ"

اور جب محمل کے بالکل قریب پہنچیں ــــ سوار ہونے کا وقت آیا ــــ تو فرماتی ہیں "حسینؑ۔ ذرا ٹھہرو ــ اکبرؑ بیٹا تم بھی ٹھہرو ــــ تمہارا بہت بہت شکریہ ــــ تم سوار کرنے آئے ہو ــــ تم نے بہت تکلیف کی ــــ میں خود سوار ہو جاؤں گی ــــ کسی اور منزل پر

مجھے کون سوار کرے گا ———— " جب بی بی نے یہ فقرے کہے — تو امام زین العابدینؑ آگے بڑھے۔ اور عرض کی

" پھوپھی اماں — میں سوار کراتا ہوں ———— " اور قافلۂ آلِ محمدؐ روانہ ہو گیا ———— ہمیں انسانیت کا درس دینے کے لئے ————

خدا ہمیں بصدقۂ محمدؐ و آلِ محمدؐ توفیق دے۔ کہ ہم اتنا سیکھ جائیں۔ کہ ہم انسان ہیں۔ اور انسانیت کا وہ درس جو محمدؐ و آلِ محمدؐ نے ہمیں دیا ہے اس میں پورا اتریں۔ خدا ان مجلسوں کو قبول و منظور فرمائے۔ آمین

" بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم "

" اللھم صلی علی محمدٍ و آلِ محمد "

— ⁂ —

جب آلِ محمدؐ آمریت کی تلواروں سے نہ کٹ سکے تو اُن کے پروردہ مورخین نے اپنے زہر آلود قلم سے آلِ محمدؐ کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

(خطیبِ آلِ محمدؐ)

معصومؑ — کا فیصلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوندِ عالم کی حمد و ثناء کے بعد حضراتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

حضراتِ گرامی!

خداوندِ عالم بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ آپ حضرات کی توفیقات میں اور اضافہ کرے۔ اور آپ کی اس عبادتِ عظمیٰ کو جو آپ اس زمانے میں کرتے ہیں، خدا قبول فرمائے ——

محترم بزرگان!

انسان کو ہر وقت ہر لحظہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی نصرت کی ضرورت ہے اور نہ ہی اُن کے بغیر زندگی میں انسان کا گذارا ہو سکتا ہے ——

میرے سامعین!

"زندگی" کا لفظ میں بول دیتا ہوں۔ اور اس لفظِ زندگی سے زندہ دلوں کے ذہن میں صرف یہی زندگی آتی ہوگی۔ جو اس دنیا میں ہماری زندگی گذر رہی ہے —— حالانکہ اس زندگی کو زندگی کہنا، زندگی کے ساتھ مذاق کرنا ہے —— یہ بھی کوئی زندگی ہوئی۔ جس میں نہ آنے میں بس نہ جانے میں بس۔ نہ یہاں آنے میں اختیار، نہ یہاں سے جانے میں اختیار —— آتی ہے بس زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔ ایک زبردست نے حکم دیا —— "جاؤ" —— ہمیں آنا پڑ گیا —— اور جب وہ حکم دے گا "واپس آؤ" —— چاہے ہم مر جائیں ہمیں جانا پڑے گا —— جب تک حکم ہوگا "یہاں رہو" —— ہمیں رہنا پڑے گا —— اگر خود جانے کی

کوشش کی بھی ــــ اور مر گئے ــــ چلے گئے ــــ تو وہ بھیجنے والا پکڑ لیگا ــــ کہ حرام موت تھی۔ اگر بچ گئے تو حکومت پکڑے گی۔ خودکشی میں چالان کر دے گی ــــــــ

بہرطرح۔ نہ جانے میں بس ہے ــــ نہ یہاں رہنے میں بس ہے ــــ ایک زبردست طاقت نے یہاں بھیج دیا ــــ آنا پڑا ــــ اور جب بلائے گا ــــ تو جانا پڑے گا ــــــــ

اور سچی بات تو یہ ہے ــــــ اس وقت اگر ہم سے پوچھا جاتا کہ "تم جانا چاہتے ہو ــــــــ ؟ اس وقت کا تو مجھے پتہ نہیں ــــ اب میں شاید یہی جواب دیتا ــــــ "نہیں" ــــــ اور غالباً جب بھی میں راضی نہیں تھا آنے پر ــــ بھیج دیا زبردستی بھیجا چلا آرہا تھا۔ ــــــ ثبوت یہ ہے ــــــ کہ اگر میں ہنسی خوشی آتا ــــــ تو آتے ہی ہنستا ــــــ لیکن میں راضی نہیں تھا آنے پر ــــ جب ہی تو میں آتے ہی رویا ــــــ اور لطف کی بات یہ ہے کہ گھر میں خوشیاں تھیں میرے آنے پر ــــــ مگر خوشی جب ہوئی تھی ــــــ جب میں رویا تھا ــــــ جب تک میں رویا نہیں تھا ــــــ نہ ماں خوش تھی ــــــ نہ باپ خوش تھا ــــــ نہ بہن خوش تھی ــــــ نہ بھائی خوش تھا ــــــ کسی کو میری زندگی کا یقین نہیں تھا۔ جب تک میں رویا نہیں تھا ــــــــــ گویا انسان نے آتے ہی زندہ رہنے کا ثبوت دیا رونے سے ــــــ زندہ وہ رہے گا جو روئے گا ــــ رونا زندگی کی علامت ہے ــــــــ

بہرطرح ــــ بچہ پیدا ہوتے ہی روتا ہے ــــ اور پھر بھی نہیں کہ بغیر بات روتا نہیں ــــــ بلکہ جب کوئی ضرورت پیش آتی ۔ وہ اُسے حل کرتا ہے رونے سے ــــــ بھوک لگی۔ جب رونے لگا ــــــ سردی لگی جب رونے لگا ــــــ گرمی لگی جب رونے لگا ــــــ نیند آئی جب رونے لگا ــــــ گویا زبان ہی رونا تھی ــــــ گفتگو ہی رونا تھی ــــــ ساری زندگی ہی رونا تھی ــــــ جب سوائے رونے کے کچھ کام نہ تھا۔ تو ساری کائنات کہتی تھی ــــــــ وہ یہ معصوم ہے۔ پوری کائنات کا فیصلہ تھا کہ معصوم ہے ــــــ اور جب رونا کم ہوتا چلا گیا۔

معصومیت بھی کم ہوتی چلی گئی ـــــــــ

پیارے سامعین!

آپ کو یاد نہیں ـــ مجھے یاد ہے اپنا رونا ـــ بڑے خوش تھے گھر والے کہ بچہ اب جیئے گا کیا ثبوت ـــ "کہ رو رہا ہے" ـــ رونے سے سب خوش تھے۔ میری مرحومہ والدہ بھی بڑی خوش تھیں کہ بچہ رو رہا ہے ـــ وہ سارا دن مجھے گود میں لیے پھرتی ـــ میں روتا رہتا ـــ وہ گھر کا کام کرتی ـــ میں روتا رہتا ـــ اور جب رات کو وہ سوتی تو مجھے ساتھ سُلاتی ـــ ماں جو تھی ـــ میں اس وقت بھی رونے لگا ـــ تو ماں نے مجھے سمجھایا

"بیٹا ـــ اب نہ رُو ـــ"

"اب کیوں نہ روؤں ـــ؟"

کہ ایک چارپائی تھی ـــ میری ماں میرے ساتھ لیٹی تھیں ـــ اب میں اس کا ساتھی تھا ـــ ساتھی ہو کے رُونا اُسے پسند نہ آیا ـــ اور مجھے تھپکایا، بہلایا ـــ

"اللہ! اللہ!"

یہ میرے کانوں میں اب تک گونج رہا ہے ـــ کہ جب ماں نے رونا روکنے کے لئے مجھے کہا "اللہ۔ اللہ!" ـــ یعنی اللہ کو یاد کرو ـــ اللہ ساتھ ہے ـــ اور میں نے ماں سے کہہ دیا

"اماں۔ اُس وقت کا رونا تو اتنا پسند ـــ اور اس وقت کا رونا اتنا ناپسند ـــ"

تو ماں نے کہا

"برخوردار! ہر چیز کا وقت ہوتا ہے ـــ ہر چیز کا محل ہوتا ہے ـــ بامحل روؤ ـــ تو ٹھیک ہے ـــ اور بے محل روؤ ـــ تو غلط ہے ـــ اچھے بچے ایسا نہیں کیا کرتے ـــ"

پھر تو صاحب یوں ہوا کرتا تھا ——— پھر زندگی اور بڑھتی گئی ——— اور معاملہ ہوتا گیا ——— بچپن آیا ——— بچپن رخصت ہوا تو شباب آیا ——— آنکھ جھپکی، شباب رخصت ہوا ——— تو یہ بڑھاپا آگیا ——— ہم نے کہا، چلو یہی غنیمت ہے ——— تو یہ حضرت بھی چلے گئے ——— اور اس کے بعد وہ آخری منزل ہے۔ جسے موت کہتے ہیں ——— موت آگئی ——— موت آئی تو زندگی ہماری جو یہ گذر رہی تھی ——— ختم ہوگئی ——— مگر یہ علم نہیں کہ موت کب آئے گی ——— یہ کسی کو معلوم نہیں کہ موت کب آئے گی ——— لیکن موت نے آنا ضرور ہے ——— یہ پتہ ہے آئے گی ——— مگر یہ پتہ نہیں کب آئے گی ——— اور موت انسان کو روز یہ سبق دیتی ہے ——— کہ جس کا آنا ضروری ہو، اس کے آنے کا وقت معین نہیں ہوتا ——— چاہے وہ امام ہو یا موت ——— آئے گا ضرور ——— وقت معین نہیں ہوتا ——— آنا ضرور ہے ——— ضرور آئے گا ——————————————

بچپن ہم نے دیکھا ——— شباب ہم نے دیکھا ——— بڑھاپا ہم نے دیکھا ——— اور موت بھی آئی ——— ضرور آنا تھا ——— مگر کسی دانشور نے یہ نہ کہا کہ

بچپن برحق ہے ——— کسی نے یہ نہ کہا کہ شباب برحق ہے ——— کسی نے یہ نہ کہا کہ بڑھاپا برحق ہے ——— جس نے کہا ——— یہی کہا ——— "موت برحق ہے" ——— جس کا آنا ضروری ہو ——— بس وہی برحق ہے ——— چاہے امام ہو یا موت ———

حضور!

یہ ہماری زندگی ہے ——— موت کی ہچکی آئی اور یہ زندگی ختم ہوگئی ———

اس زندگی کے لئے کیا کیا کچھ کرتا ہے آدمی ——— خدا کی پناہ ——— انسان کو اس زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے ——— خوشامدیں، خدمتیں، اطاعتیں، بیعتیں، محنتیں اور جو کچھ بھی ہے وہ اس زندگی کے لئے کر رہا ہے۔ جس نے ایک دن ختم ہو جانا ہے ——— اس کے بعد جو زندگی شروع ہوگی ——— اس میں اور اس زندگی میں یہ فرق ہے ———

کہ اس زندگی نے ختم نہیں ہونا ـــــــ اس زندگی میں موت ضروری ہے ـــــــ اس زندگی میں جینا ضروری ہے ـــــــ یہاں جی نہیں سکتے ـــــــ وہاں مر نہیں سکتے ـــــــ یہاں مجبور ہیں مرنے پر ـــــــ وہاں مجبور رہیں جینے پر۔

اب اس چھوٹی سی زندگی کو بچانے کے لئے کتنی احتیاط ہے انسان کو ـــــــ نزلہ ہوگیا ـــــــ بخار ہوگیا ـــــــ طبیعت خراب ہوگئی ـــــــ کیا کرنا ہے ـــــــ زندگی بچ جائے۔ کسی ڈاکٹر کو بلاؤ ـــــــ حکیم کو بلاؤ ـــــــ ڈاکٹر آگئے ـــــــ اب ڈاکٹر کے ہم محتاج ہیں ـــــــ اس نے نبض دیکھی ـــــــ حالات دیکھے ـــــــ قیاس سے اندازہ کیا ـــــــ اور کڑوی سے کڑوی دوا دے دی ـــــــ مگر اس زندگی کو بچانے کے لئے ہم نے پی لی۔ (INJECTION) انجکشن کیا ـــــــ وہ تکلیف برداشت کر لی ـــــــ اس زندگی کے لئے (OPERATION) آپریشن کروایا ـــــــ ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے ـــــــ ہر طرح۔ اس زندگی کے لئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے ـــــــ اور

محترم سامعین!

بیماری میں مریض کی یہ خواہش ہوتی ہے۔ کہ کوئی قابل ڈاکٹر مل جائے ـــــــ جس سے بیماری جاتی رہے ـــــــ زندگی محفوظ ہو جائے ـــــــ اب ہم مشورہ کر کے ایک بڑے اچھے ڈاکٹر کے پاس پہنچے ـــــــ تاکہ علاج کروائیں ـــــــ اور لوگوں نے کہا وہ بہترین ڈاکٹر ہے ـــــــ اس سے بہتر ڈاکٹر تو شہر میں ہے ہی نہیں ـــــــ مگر ایک ذرا سا نقص ہے ـــــــ اور وہ یہ ہے کہ یہ جان کے نہیں ـــــــ اپنے اختیار سے نہیں ـــــــ بلکہ کبھی کبھی بھولے سے ـــــــ سہواً نسخے میں کوئی ایسی دوا لکھ دیتا ہے۔ جو مضر ہوتی ہے ـــــــ آپ ایمان سے بتائیں۔ ایسے ڈاکٹر کے نسخے پر اعتماد کریں گے ـــــــ؟ جو غلطی سے کبھی کبھار کوئی غلط دوا لکھ دیتا ہو ـــــــ؟ نہیں ـــــــ اس کے ہر نسخے پہ شک ہوگا ـــــــ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں بھی کوئی غلط دوا لکھ دی ہو ـــــــ جب

اس ذراسی زندگی کے لئے کسی ایسے ڈاکٹر پر ہمیں اعتماد نہیں۔ جو کبھی کبھی بھولتا ہو۔ تو اس ہمیشہ کی
ندگی کے لئے کسی ایسے کا دامن کیسے پکڑ لیں جو بھولتا ہو ـــــ جس سے غلطی ہو سکتی ہو ـــــ

اب تلاش کرنا پڑتی ہے اس زندگی کے لئے ان ڈاکٹروں کی، ان طبیبوں کی، ان بچانے
وں کی جن کے متعلق یہ یقین ہو جائے ـــــ کہ نہ سہواً، نہ عمداً، نہ ارادتاً۔ ان سے کبھی غلطی ہو
سکتی ہی نہیں ـــــ اور ذرا سا شک ہو جائے کہ ان سے غلطی ہو سکتی ہے ـــــ تو نہ اس
ندگی میں پسند کریں۔ نہ اس زندگی میں پسند کریں گے ـــــ جس طرح ایک مقدمہ ہو جاتا ہے
لت میں اور کسی وکیل پر اگر یہ شبہ ہو جائے۔ کہ قابل تو ہے، لائق تو بڑا ہے ـــــ قانون
ھی بہترین جانتا ہے ـــــ ساری باتیں ٹھیک ہیں ـــــ مگر کبھی کبھی غلطی سے غلط بحث کر دیتا ہے۔
یسے وکیل کو کون وکیل کرے جو کبھی بھی غلطی کر سکتا ہو ـــــ اور جب اس عدالت میں ہم
سے وکیل کو وکیل کرنا پسند نہیں کرتے ـــــ تو عاقبت کی عدالت کے لئے کون ایسے وکیل بنائے
ے سہواً غلطی ہو سکتی ہو۔

اگر اس بار دُوم میں ہم اُس وکیل کو تلاش کریں گے جس سے کبھی غلطی نہ ہو ـــــ تو
دُوم میں وہ کیوں نہ تلاش کریں جس سے غلطی ہو سکتی ہی نہیں ـــــ جو کبھی غلطی نہ کر سکتا ہو
سے کو تلاش کرو ـــــ

یاد رکھو میرے سامعین!

ساری دنیا میں صرف محمد و آلِ محمدؐ ہی وہ ہیں جن سے نہ کبھی غلطی ہوئی۔ نہ ہو سکتی
ان سے نہ کبھی بھول ہوئی نہ کبھی سہواً ہوا ـــــ اور جب وہ ہیں موجود
لے والے؛ تو ہر ایک کے ہاتھ میں اُن ہی کا دامن ہو ـــــ اور
ونہ بھولنے والو!

ہم بھولنے والوں کا تم سہارا ہو ـــــ ہم بھٹکنے والوں کا تم سہارا ہو ـــــ ہم،
میں محمد و آلِ محمد کو کیوں نہ یاد کریں" ـــــ چونکہ وہ اس دنیا کے بھی ماہر ہیں ـــــ

اور اس دنیا کے بھی عالم میں ـــــ وہ جو نسخہ بتائیں گے۔ جو طریقہ بتائیں گے ـــــ وہ بہتر
گویا محمد و آلِ محمد خود غلطی سے مبرا ہیں ـــــ اور صاحبان!
اسی کو مذہب کی اصطلاح میں "معصوم" کہتے ہیں ـــــ معصوم کے معنی ہی یہی ہیں کہ جو
سہواً، عمداً، علم میں، عمل میں، جاننے میں، کرنے میں، قدم اٹھانے میں، چلنے میں، پھرنے میں، بیٹھنے
اٹھنے میں، سونے میں، جاگنے میں، بیماری میں، آزاری میں، کسی عالم میں بھی غلطی کا احتمال ہو سکتا
ـــــ بس وہی معصوم ہے ـــــ اور جس سے ذرا سی غلطی ہو سکتی ہو
صاحب! یہ معصوم تو ہے ـــــ تندرستی میں تو معصوم رہتا ہے مگر جب بیمار ہو جائے تو
میں ذرا سا نسیان کا مرض ---------) معلوم ہوا وہ معصوم ہی نہیں ـــــ
اُسے معصوم ہی نہیں مانتے ـــــ اور معصوم کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ ـــــ
کیا مجال جو کبھی غلطی ہو ـــــ کیا مجال جو کبھی نقص آجائے ـــــ
بہر نوع ۔ وہ ایک طریقِ زندگی ہے جس نے کبھی ختم ہی نہیں ہونا ـــــ
یہاں تو یہ بھی ہے ـــــ اگر ایک ڈاکٹر کی غلط دوا پی لی ۔ آج اُس سے تکلیف بڑھ
شام کو دوسرا ڈاکٹر بلایا ـــــ اُس نے دوا دی ۔ کل ٹھیک ہو گئے ـــــ چلو ایک دن کی تکلیف
برداشت کر لی ـــــ اور وہاں اگر غلط دوا مل گئی ـــــ اور وہاں اگر ایک دن
تکلیف ہو گئی ـــــ تو وہاں کا ایک دن ہے پچاس ہزار سال کا ـــــ وہاں ایک دن کی تکلیف
بڑی مصیبت ہو گی ـــــ اس لئے پورے غور سے ان طبیبوں کو تلاش کرنا پڑے گا۔ جن
احتمال ہی غلطی کا نہ ہو ـــــ جن سے شبہ ہی غلطی کا نہ ہو
بات یہ ہے حضور!
کہ معصوم، معصوم میں فرق ہے۔ ہر معصوم یکساں نہیں ہوتا ـــــ ایک معصوم
وہ ہے ـــــ جو وہی کرتا ہے جو ٹھیک ہو ـــــ کبھی غلطی کرتا ہی نہیں ـــــ وہ کرنے سے پہلے
دیکھ لیتا ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے ـــــ وہ عمل سے پہلے دیکھ لیتا ہے کہ میں جو کر رہا ہوں ۔

ٹھیک ہے ــــــ مگر میں جن چودہ[۱۴] معصومین کا ذکر کر رہا ہوں ــــ ان معصوم ہونے میں اور باقی انبیاء کے معصوم ہونے میں میرے نزدیک فرق یہ ہے کہ ــــ باقی وہی کرتے تھے جو ٹھیک ہوتا تھا۔ اور یہ ٹھیک نہیں تلاش کرتے ــــ بلکہ چودہ جو کر دیتے ہیں ــــ وہ ٹھیک ہوتا ہے ــــ اُن معصوموں کو پہلے تلاش کرنا پڑتا تھا۔ ٹھیک ہے کہ نہیں ــــ درست ہے کہ نہیں ــــ وہ حق کو تلاش کرتے تھے ــــ اور حق چودہ معصومین کو تلاش کرتا ہے ــــ وہ حق کے پیچھے چلتے تھے ــــ حق اِن کے پیچھے ہے ــــ جدھر ان چودہ[۱۴] نے رُخ کر دیا ــــ حق ہو گیا ــــ جو بات اِنہوں نے کہہ دی، ہو گئی۔۔۔ جو اِن کے منہ سے نکل گیا، حق ہو گیا ــــ اِن کی معصومیت اور ہے ــــ اُن کی معصومیت اور ہے ــــ

یہ چودہ معصوم، وہ معصوم ہیں۔ یہ حق تلاش نہیں کرتے۔ حق انہیں تلاش کرتا ہے ــــ ہنس دیئے تو ہنسنا حق ہو گیا ــــ کہیں بیٹھ گئے تو بیٹھنا حق ہو گیا ــــ کہیں کھڑے ہو گئے تو کھڑا ہونا حق ہو گیا ــــ جس طرح نماز پڑھ لی۔ وہی نماز حق ہو گئی ــــ جس طرح روزہ رکھ لیا ــــ وہی روزہ حق ہو گیا ــــ کہیں جاگتے رہے تو جاگنا حق ہو گیا ــــ اور کہیں چادر تان کے سو گئے تو سونا حق ہو گیا ــــ

اب اس محفل میں علماء بھی ہیں، دانشور بھی ہیں، وکلاء بھی ہیں۔ میں بے پڑھا لکھا سا آدمی آپ کے بیچ میں آکے پھنس گیا ہوں ــــ اللہ جانے۔ آپ کیا کہیں گے۔ کیا نہیں کہیں گے ــــ منہ کی ہوئی بات ہے ــــ وہ کہتا چلوں آپ سے ــــ

کہ جس انسان کی زندگی، ساری رات سنت نمازیں پڑھنے میں گذری ہے ــــ نمازِ شب قضا ہو ــــ وہ اگر ساری رات سوتا رہے اور میں جا کے اُسے نمازِ شب کے لئے جگا دوں۔ ــــ "اُٹھو۔ نمازِ شب کا وقت ہے ــــ" اور وہ کہے ــــ "آج میں نہیں اُٹھتا۔ آج مجھے حکم ہے سونے کا ــــ" تو بتاؤ جس رات اُسے

سونے کا حکم تھا ــــ اُس رات اگر اُٹھ کے نماز پڑھنے لگتا ــــ یہ مناسب تھا یا نامناسب ــــ ؟ "نامناسب" ــــ معلوم ہوا - کہ کہیں ان کی نماز بہتر ہو گئی ــــ کہیں ان کی نیند بہتر ہو گئی ــــ گویا آج کی رات اس عابد کے لئے "نیند نماز سے بہتر ہے" ــــ تو یہ وہ معصوم ہیں جن کا ہر عمل صحیح ہوتا ہے ــــ یہ چاہتے ہی وہ ہیں جو اللہ چاہتا ہے ــــ اور جن کی نیت ہی وہ ہو جو اللہ چاہے ــــ اُن کے عمل میں کہیں غلطی ہو سکتی ہی نہیں ــــ کی مشیت و خواہش ہی وہ ہے جو اللہ چاہتا ہے ــــ

میں آپ سے پھر جملۂ معترضہ کہتا چلوں کہ

یاد رکھو میرے سامعین!

محمد و آلِ محمد کی ان اداؤں پہ دنیا مرتی ہے ــــ کہ آپ نے ساری زندگی وہی کیا جو خدا نے چاہا ــــ اپنا چاہا، کیا ہی نہیں ــــ بس - جو خدا نے چاہا، وہ آپ نے چاہا!

خدا نے چاہا۔ "فاقہ کرو" ــــ "بہت اچھا" ــــ

خدا نے چاہا "کھانا کھاؤ" ــــ "بہت اچھا" ــــ

خدا نے چاہا۔ "سوؤ" ــــ "بہت اچھا" ــــ

خدا نے چاہا۔ "جاگو" ــــ "بہت اچھا" ــــ

جب ساری زندگی آپ وہی کرتے رہے - جو خدا نے چاہا ــــ تو خدا کے عدل کا تقاضا یہ ہے کہ ــــ

اگر تم زندگی بھر وہی کرتے رہے جو خدا نے چاہا ــــ تو قیامت کے دن - اگر عدل کرے گا ــــ تو عدل کا تقاضا یہ ہے کہ ــــ

یہاں تم نے وہی کیا جو اللہ نے چاہا ــــ وہاں اللہ وہی کرے گا ــــ جو تم چاہو گے ــــ یہاں تم وہی کرتے رہے جو اللہ نے چاہا ــــ وہاں ــــ اللہ وہی کرے گا ــــ جو محمد و آلِ محمد چاہیں گے ــــ عدل

تقاضا یہی ہے ـــــــــــ اس لئے محمد و آلِ محمد میں کوئی بھول یا غلطی ہو سکتی ہی نہیں ـــــــــــ مشیت اللہ کی ـــ ارادہ اللہ کا ـــ اور عمل ان کا ـــــ اسی لئے اللہ ان کے ہاتھوں کو اپنا ہاتھ کہتا ہے ـــ ان کے کام کو اپنا کام کہتا ہے ـــــ ان کی آنکھ کو اپنی آنکھ کہتا ہے ـــ کیونکہ ان کی آنکھ دیکھتی ہی وہی ہے ۔ جو اللہ دیکھے ـــ چاہتا ہے اللہ ـــــ عمل یہ کرتے ہیں ـــــ یہ صرف محمد و آلِ محمد تھے ـــ جن کے عمل کو اللہ اپنا عمل کہتا ہے ـــــ جن کا ارادہ وہ تھا جو خدا کا ارادہ تھا ـــ جن کی مشیت وہ تھی جو خدا کی مشیت تھی ـــ وہ چاہتے وہی تھے ۔ جو خدا چاہتا تھا ـــ وہ کرتے وہی تھے جو ارادۂ الٰہی تھا ـــ اس کے بغیر وہ عمل کوئی کرتے ہی نہیں تھے ـــــ خواہ دنیا نے انہیں قید بھی کیا ۔ انہیں گھروں میں محفوظ بھی رکھا ـــ انہیں سب کچھ کیا ـــ مگر کوئی یہ نہ کہہ سکا ۔ کہ اُن میں فلاں غلطی تھی" ـــــــــــ وہ دشمنوں کے مجمع میں کھڑے ہو کے کہتے تھے ـــــ "ہم محبت خدا ہیں ـــ " "ہم اللہ کی مشیت ہیں" ـــــ "ہم اللہ کا ارادہ ہیں ـــــ " ـــــ اور دشمنانِ آلِ محمد، آلِ رسولؐ کی زبان ڈوبنے کے لئے تیار تو انہیں کر دیتے تھے ـــــ مگر اُن کی یہ طاقت نہیں تھی ـــ کہ وہ یہ کہہ دیں ـــ کہ یہ غلط کہتے تھے ـــ " ـــــ وہ جو کرتے تھے ـــ بالکل صحیح کرتے تھے ـــ کیا مجال جو ان کے کسی عمل میں خرابی آ جائے ـــــ اپنی اپنی عقل کے مطابق لوگ مشورے ضرور دیتے تھے ـــ اور وہ آلِ رسولؐ ان کا شکریہ ادا کرتے تھے ـــــ مگر کرتے وہی تھے جو اللہ چاہتا تھا ـــــــــــــــــــــــ

سامعین !

یہ بتاؤ ۔ نہیں آلِ محمد کی فردِ اعلیٰ حضرت سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کو بہت سے آدمیوں نے اپنی عقل کے مطابق مشورے نہیں دیئے تھے ـــــــــــ ؟ "حسینؑ بیعت کرو" ـــ "حسینؑ کہیں دُور چلے جاؤ" ـــــ مگر حسینؑ ہر ایک کا شکریہ ادا کرتے ہیں ـــــــ لیکن حسینؑ کرتا وہ ہے جو اللہ چاہتا تھا ـــــ اور

حضراتِ گرامی!

میں اپنی بات کو مختصر کرتا ہوں ــــ اور یہ عرض کرتا ہوں کہ گورنرِ مدینہ نے حسینؑ کو بلایا ــــ مولاؑ تشریف لے گئے ــــ ولید نے پہلے تو امیرِ شام معاویہ کی موت کی خبر سنائی ــــ اور ــــ مولاؑ نے جواب دیا ــــ اگر خاموش رہتے تو یہ اُن کے خُلقِ عظیم کے خلاف تھا ــــــــــــ

مولاؑ نے فرمایا

"ولید ــــ معاویہ کی موت تم لوگوں کے لئے ایک صدمہ ہے"

واہ مولاؑ۔ اپنے سارے جذبات کی ترجمانی اپنے اس فقرے میں بیان کر دی ــــ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہم جیسے نہ تھے ــــــــــــــــــــ

بہر نوع۔ ولید نے جھجکتے ہوئے مولاؑ سے یزید کی بیعت کا تقاضا کیا ــــ

"حسینؑ! یزید نے لکھا ہے ــــ "تم میری بیعت کرو ــــ ورنہ لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ ــــ"

مگر جو جواب دیا ہے حسینؑ نے ــــ خدا کی قسم!

وہی جواب تھا ــــ جو معصوم ہی کی زبان سے سجتا تھا ــــ کوئی اور ہوتا تو اللہ جانے کیا جواب دیتا ــــ مگر حسینؑ کا جواب حسینؑ ہی کا جرات تھا ــــ

"کہا ولید ــــ!

تو مجھ حسینؑ سے بیعت مانگتا ہے ــــــــــــ؟

"انا ابن علیؑ ابن ابی طالبؑ"

تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ "میں علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کا بیٹا ہوں ــــ" اور علیؑ کا بیٹا بیعت نہیں کر سکتا ــــ"

حسینؑ نے یہ نہیں کہا ــــ "میں محمدؐ کا بیٹا ہوں ــــ "میں فاطمہؑ کا بیٹا ہوں"

بلکہ فرمایا ـــــــــ "میں علیؑ کا بیٹا ہوں ، اور بیعت نہیں کروں گا ـــــ " ـــــ مگر یہ فرمایا
ان لوگوں کے سامنے جو علیؑ کو دیکھے ہوئے تھے ـــــ جو علیؑ کے ساتھ رہے ہوئے تھے ـــــ
جن کے سامنے علیؑ کی ساری زندگی تھی ـــــــ اُن کے سامنے اپنے کو علیؑ کا بیٹا کہہ کے انکار
کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ ـــــــــــــ

"وہ اُس نے یہ کام کبھی کیا تھا نہ میں کروں گا ـــــ " میں یہ کام نہیں کروں گا ـــــ "
اب "نہیں" کہہ کے حسینؑ گھر آگئے ـــــ دنیا حیران ہو گئی کہ اتنی بڑی سلطنت کے
سامنے حسینؑ ـــــ "نہیں" کہہ رہے ہیں ـــــ اللہ جانے ارادہ کیا ہے ـــــــــ کیا
کریں گے ـــــــــــــــ ؟ ـــــــــــــــــــــــــــــــ

حسینؑ گھر آئے تو بہن ملی
"حسینؑ ! کیا بات ہوئی تھی ـــــ " ـــــ تو مولاؑ نے فرمایا
"بہن ! کیا بتاؤں ـــــ مجھ سے یزید کی بیعت مانگی گئی تھی ـــــ "
"تم نے کیا جواب دیا حسینؑ !" زینبؑ نے پوچھا
بہن ! میں تم مشورہ چاہتا ہوں"
"حسینؑ ! تم امامِ وقت ہو ـــــ معصوم ہو ـــــ تمہیں مشورے کی کیا ضرورت ہے ؟"
بہن ! بات یہ ہے کہ تم عمر میں تو مجھ سے چھوٹی ہو ـــــــــــ مگر تم ہی گواہ
ہو اس بات کی کہ اماں کے بعد ہم نے تمہاری عزت اماں کی طرح کی ہے ـــــــــــــ
باوجود بڑا بھائی ہونے کے ہر معاملہ میں تم سے مشورہ لیا ہے ـــــــــــــ اور
آج بیعتِ یزید کا سوال ہے زینبؑ ! بولو ۔ کیا جواب دوں ـــــ " ؟
تو بی بی نے فرمایا !
"حسینؑ ! میرا امتحان لے رہے ہو ـــــ سنو حسینؑ ! جو خون تمہاری رگوں میں ہے ۔
وہی میری رگوں میں ہے ـــــ جو دودھ تم نے پیا ہے ـــــ وہی میں نے پیا ہے ـــــ

جو تمہارا نانا ہے۔ وہی میرا نانا ہے ـــــ جو تمہارا باپؑ ہے ـــــ وہی میرا باپؑ ہے ـــــ
جو تمہاری ماںؑ ہے وہی میری ماںؑ ہے ـــــــــــــــــــــــــــــ
بس فرق اتنا ہے حسینؑ!
تیرے سر پہ آیاؑ کا عمامہ ہے ـــــــــــــ مگر
دیکھ حسینؑ!
میرے سر پہ اماںؑ کی چادر ہے ـــــ میرا امتحان نہ لو حسینؑ!
تو امامؑ نے فرمایا!
"زینبؑ!
میں امتحان نہیں لے رہا ـــــ مشورہ چاہتا ہوں ـــــ"
حسینؑ!
اگر تُو نے مجھے یہ عزت بخشی ہے مشورے کی تو پھر سُن میرا جواب!"
"کیا جواب ہے زینبؑ تمہارا۔۔؟"
اگر مجھ سے پوچھتے ہو حسینؑ!
تو کہدو "نہیں"
اب جو زینبؑ نے کہا ـــــ "نہیں" ـــــ تو حسینؑ نے اپنا سر فوراً سجدے میں رکھ دیا ـــــ اور کہنے لگے
"خدایا!
تیرا شکر ہے ـــــ میری بہن کی "نہیں" بھی میرے ساتھ شامل ہو گئی ـــــ
اب دنیا کی کوئی طاقت ہماری "نہیں" کو "ہاں" سے نہیں بدل سکتی ـــــ" ـــــ مگر
زینبؑ ایک بات سنو ـــــ میں بھی "نہیں" کہہ کے آیا ہوں ـــــ تم بھی نہیں کہہ رہی ہو ـــــ ہم بہن بھائیوں کو اس "نہیں" کی قیمت دینا پڑے گی ـــــــــ مگر

"زینبؑ!

میری قیمت اور ہے تمہاری قیمت اور ہے ——" اب بی بی بولیؑ

"حسینؑ! —— مجھے کوئی پرواہ نہیں —— فکر نہ کر —— میں اپنی مدد نہیں" پھ تمام رہوں گی ——"

"زینبؑ!

دو میدان سر کرنے پڑیں گے —— ایک کربلا کا میدان —— ایک شام کا میدان ——"

تو زینبؑ نے پوری شان سے کہا

"میں بھی فاتح اعظم کی بیٹی ہوں —— ایک میدان حسینؑ! تو اپنے حصے میں رکھ ——

ایک میدان میرے سپرد کر ————

حسینؑ!

کربلا تیرے سپرد —— شام میرے سپرد ———— کربلا

تو فتح کر دینا —— —— شام میں فتح کروں گی ———— اگر دنیا کے سب سے

بڑے ستم گر کے نام کو گالی نہ بنا دوں تو زینبؑ نہ کہنا ———— اور ——

سن حسینؑ!

شام تو میں تب فتح کروں گی ———— مگر ————

کربلا میں تیرے ساتھ شریک رہوں گی

یوں کام کریں گے حسینؑ! کربلا کر —— کہ میں خاتون ہوں —— میں گھر میں بیٹھوں گی ——

تو مرد ہے تو باہر رہنا - - - - ———— باہر کے سارے کام تیرے سپرد ——

گھر کے اندر کے سارے کام میرے سپرد —— گھر میں عورتیں ہیں —— عورتوں کی سرداری میں

کروں گی —— مردوں کی سرداری تو کرنا ———— اور

سن حسینؑ!

شہیدوں کا سردار تو بنا

اسیروں کی سردار میں بنوں گی ——— اور

کسی شہید کو گھر میں کپڑے پہنانا میرے ذمے

میدان سے لاشیں لانا تیرے ذمے ——— اور

دیکھنا حسینؑ!

تو بھی بھائی قربان کرے گا میں بھی بھائی قربان کروں گی ——— تیرا بھائی قربان ہوگا عباسؑ جیسا ——— میرے دو بھائی قربان ہوں گے ——— ایک حسینؑ جیسا ——— ایک عباسؑ جیسا ——— تیرا ایک بھتیجا قربان ہوگا ——— قاسمؑ جیسا ——— میرے دو بھتیجے قربان ہوں گے ایک اکبرؑ جیسا ——— ایک قاسمؑ جیسا ———

رہا بیٹوں کا معاملہ حسینؑ!

دو بیٹے تو قربان کرے گا ——— ایک اکبرؑ ——— ایک اصغرؑ ——— دو میں بھی قربان کروں گی ——— مگر میرے بچوں کا تیرے بچوں سے کوئی مقابلہ نہیں حسینؑ! ——— تیرے بچے شہزادے ہیں ——— میرے بچے ان کے غلام ہیں ——— مگر ایک وعدہ کرتی ہوں حسینؑ!

دو بیٹے قربان کرنے کے بعد بھی تیری نسل قیامت تک باقی رہے گی ——— اور میں جب دو بیٹے قربان کروں گی ——— میری نسل ختم ہو جائے گی ——— اب تیرا ہی کوئی بچہ مجھے اماں کہہ دے تو کہہ دے ——— ورنہ میرا کوئی بیٹا نہیں رہے گا جو مجھے اماں کہہ کے پکارے ———

——— اور

سن حسینؑ!

کربلا تیرا علاقہ ہے ——— شام میرا علاقہ ——— کربلا فتح کرنے کے بعد تو قیامت تک اپنے مفتوحہ علاقے میں رہنا ——— اور میں قیامت تک اپنے مفتوحہ علاقے میں رہوں گی ——— کربلا میں تیرے زائر آئیں گے حسینؑ! میری روح خوش ہوگی تیرے

زائروں کو دیکھ کے ـــــــ مگر خدا کوئی ایسا بھی پیدا کر دے گا جو میرا روضہ بنا دے گا ـــ میرے ان بھی کوئی آجایا کرے گا ـــــــ اور

آخری فیصلہ یہ ہے حسینؑ!

جتنے بچے ہیں ہمارے ساتھ ـــ اُن میں جتنے لڑکے ہیں ـــ وہ تیرے سپرد

ـــــ اور جتنی لڑکیاں ہیں وہ میرے سپرد "

سنو گے یہ فقرہ صاحبان! فیصلہ بہن بھائی کا

" لڑکے حسینؑ تیرے سپرد ـــ لڑکیاں میرے سپرد

علی اصغرؑ لڑکا ہے ـــــ وہ تیرے سپرد

سکینہؑ لڑکی ہے ـــــ وہ میرے سپرد

حسینؑ! اصغرؑ تیرے حصے میں ـــــ سکینہؑ میرے حصے میں ـــ اور سن حسینؑ!

اگر اصغرؑ کا گلا زخمی ہوگا تو تیری گود میں ـــ وہ تیرے حصے کا ہے ـــــــ اور

سکینہؑ کے کان زخمی ہوں گے تو وہ میری گود میں ـــــ وہ میرا حصہ ہے ـــــــ

دونوں بہن بھائی مل کے اس میدان کو سر کریں گے ـــــــــــ ـــ اور

حسینؑ!

میں تجھے اکیلا نہیں چھوڑوں گی ـــــ ہر مقام پہ، ہر مشکل میں تیرے

ساتھ رہوں گی حسینؑ! ـــــــــ "

دنیا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا ـــ کہ کیا کرنا ہے ـــــ کربلا جا کر پتہ چلا کہ کیا ہو گیا

ہے ـــــ ـــــ اور میری گفتگو ختم ہو گئی ـــــ میرا بیان ختم ہو

گیا ـــــــ ـــــــ ـــ ـــ ـــــــــ ـــــــ مگر

یاد رکھو سامعین!

آج دنیا میں جتنی مجلسیں ہو رہی ہیں ـــــ یہ سب زینبؑ کا صدقہ ہے ـــــ

ورنہ ایک غیر آباد بَن میں لُٹ جانے اور مر جانے والے قافلے کو کوئی جان بھی نہ سکتا ـــــ جو زینبؑ اونٹ کے منبر پہ بیٹھ کر ـ ننگے سر ـ بازاروں میں جاکر مجلسیں نہ پڑھتی ـــــ

"لوگو ـــــ میرا حسینؑ مارا گیا ـــــ"

یہ زینبؑ کی مجلسیں ہیں جو ساری دنیا میں ہو رہی ہیں ـــــ یہ زینبؑ کے صدقے میں ہو رہا ہے جو کچھ ہو رہا ہے ـــــ اور اللہ کا کوئی نام نہ لیتا (اللہ تو ہے اور ہو گا) اللہ کا کوئی نام نہ لیتا ـــــ اگر محمدؐ نہ ہوتے ـــــ اور محمدؐ کا کوئی کلمہ نہ پڑھتا ـــــ اگر حسینؑ نہ ہوتے ـــــ اور حسینؑ کا کوئی نام نہ لیتا ـــــ اگر زینبؑ نہ ہوتی ـــــ آج زینبؑ کی بدولت سارے نام لئے جا رہے ہیں ـــــ اور میرے سامعین!

ہر باپ کو بیٹی سے اور ہر بھائی کو بہن سے محبت ہوتی ہے ـــــ میں تو سمجھتا یہ ہوں کہ جب ہم مصیبت میں پکارتے ہیں "یا علیؑ مدد" تو علیؑ زینبؑ سے کہتے ہیں ـــــ

"بیٹی زینبؑ!

فلاں نے مجھے مدد کے لئے پکارا ہے ـــــ تیری اجازت ہو تو جاؤں ـــــ" ـــــ یہ زینبؑ کا کارنامہ ہے۔

اللہ ہمیں مودت محمدؐ و آل محمدؐ عطا فرمائے۔ بحقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ

"ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم"

~ ـ ـ ـ ~

"لاریب" کتاب کا ـــــ "مقسم" وہی ہو گا ... ـــــ جو "لاعیب" ہو گا ـــــ

(خطیبِ آلِ محمدؐ)

محبت

(حبیب ابن مظاہرؓ)

"خداوند عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرت محمدؐ و آل محمدؐ پہ درود و سلام"

حضرات گرامی!

دنیا میں سب سے بڑی کشش جس شے کی ہے۔ جو انسان کا دل کھینچتی ہے۔ جو انسان کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ تو وہ ہے ہی "محبت" ——— اگر محبت ختم ہو جائے تو یہ دنیا ہی ختم ہو جائے ——— دنیا قائم ہی محبت کے بل بوتے پر ہے ———————

میری صاحبان! قرآن پڑھ پڑھ کے ہمیں بتاتے ہیں۔ کہ "قیامت کا دن جو ہوگا۔ اس دن بھائی سے بھائی بچتا ہوگا ——— بیٹا باپ سے بچتا ہوگا ——— اور باپ بیٹے سے اور عزیز عزیز سے نفرت کرے گا اور ایک دوسرے سے بھاگیں گے ———————" اس سے میں یہ سمجھا ہوں۔ کہ اس دن "محبت" نہیں رہے گی۔ لہٰذا اس محبت نہ ہونے کے معنیٰ قیامت ہے ——— جس دن محبت نہیں ہوگی ——— کیا بتاؤں ——— کیا ہوگا ——— ؟ بس قیامت ہوگی ———

اور "محبت" کا ایک ایسا عظیم رشتہ ہے۔ جو انسانوں تک ہی محدود نہیں ——— دنیا کی ہر شے میں اس کی حیثیت کے مطابق "محبت" ہے ——— پتھروں میں بھی محبت ہے ——— نباتات میں بھی محبت ہے ——— [illegible] انوں میں بھی محبت ہے ——— اور انسانوں میں بھی محبت ہے ——— آپ نہ سمجھیں۔ کہ پتھر کوئی ناسمجھ شے ہے ——— پتھر بھی سمجھدار ہے ——— اس

بھی محبت ہے ___ پتھر میں بھی جان ہے۔ زندگی ہے۔ حیات ہے ___ اگر پتھر میں جان نہ ہوتی ___ تو پھر پتھر کو مار کر اُسے کُشتہ نہ کہتے ___ لفظ "کُشتہ" اس بات کی دلیل ہے ___ کہ "زندہ تھا ___ اب کُشتہ ہوا ___" بہر نوع پتھر میں بھی زندگی ہے۔ پتھر میں بھی محبت ہے۔

جب کوئی پتھر معدن کے اندر کچھ اور بننا چاہتا ہے ___ فیروزہ، عقیق، ہیرا یا کوئی اور شے۔ تو آس پاس کے ذرّے اُسے چمٹے رہتے ہیں ___ اور وہ ہیرا بنتا رہتا ہے ___ اور جن "ذرّوں" میں اس "ہیرا" کے ساتھ "ہیرا" بننے کی "صلاحیت" ہے ___ وہ ہر حالت میں اس کے ساتھ "وابستہ" رہتے ہیں ___ اور جن ذرّوں میں ہیرا بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی ___ وہ چمٹے تو رہتے ہیں اُس کے ساتھ ___ مگر ذرا سی حرکت ہوئی تو ___ وہ گئے

اسی طرح درختوں کی حالت ہے جناب!

درختوں کو بھی محبت ہے ___ نفرت بھی ہے ___ آپ دیکھتے ہیں ___ کیسے ہرے بھرے سرسبز و شاداب درخت ہیں ___ ان کے پتے، شاخیں، پھول، پھل کتنے اچھے ہیں ___ ان میں زندگی ہے ___ حیات ہے ___ مگر ان کو زندگی بخشتی ہیں ان کی وہ شاخیں جو زمین کے اندر غائب ہیں ___ اگر درخت کا تعلق ان شاخوں سے منقطع ہو جائے۔ جو زمین کے اندر شاخیں ہیں ___ تو درخت ختم ہو جائے۔

گویا باہر کا حصہ زندہ ہے اس کی بدولت جو زمین میں غائب ہے ___ اگر اس غائب سے سلسلہ منقطع ہو جائے۔ تو یہ درخت بھی مردہ ہو جائے ___

اب جو شاخیں زمین میں ہیں۔ وہ بڑی نرم و نازک ہیں ___

تلاشِ غذا میں چلتی ہیں زمین میں ــــــ جہاں تک نرم زمین ملتی رہتی

ہے ــــــ وہ چلتی رہتی ہیں ــــــ اگر کوئی پتھر سامنے آگیا ــــــ

تو وہیں سے منہ موڑ لیا ــــــ لہٰذا ان میں بھی "نفرت و محبت" کا مادہ

موجود ہے ــــــ۔ جو شے پسند ہے "سبحان اللہ" ــــــ اور

جو ناپسند ہے ــــ "چھوڑو بھی ــــ دفع کرو ــــ جانے دو ــــ"۔

بہر نوع درختوں میں بھی محبت و نفرت کا مادہ موجود ہے ۔۔

اور حیوان کی نفرت و محبت تو ظاہر ہی ہے ــــــ اگر آپ اس کے سامنے اچھا سا

چارہ رکھ دیں ــــ تو کیسے چاؤ سے کھائے گا ــــ اور اگر لکڑی لے کر مارنے کو جائیں ــــــ

وہ بھاگ جائے گا" ــــــ بچتا بھی ہے ــــ محبت بھی کرتا ہے

پھر لطف یہ ہے۔ کہ حیوان میں حیوانیت کے باوجود ــــ انسان سے خصوصیت ہے۔

کہ لوگ اس کے ہمدرد بڑے ہو جاتے ہیں۔ حیوان سے لوگوں کو ہمدردی بڑی ہو جاتی ہے ــــ حالانکہ

اتنی ہمدردی انسان سے نہیں ہوتی ــــ جتنی حیوان سے ہوتی ہے ــــــ

سامعین!

اگر میں کسی کی غذا، کسی کی شے، اس کی مرضی کے بغیر کھاؤں ــــ تو عمر بھر بے ایمان

کہلاؤں ــــــ مگر آپ کا گھوڑا، آپ کی بکری، آپ کا جانور، میرے جانور کی گھاس کھا گیا

ــــ سارا چارہ کھا گیا بغیر اجازت کے ــــــ اب میں اُسے مارنے لگا ــــــ تو

دیکھنے والے اس کے حامی بن گئے ــــــ

"زیدی صاحب!

جانے بھی دو ــــ حیوان ہے "بیچارہ" ــــــ لو سارا

چارہ کھا گیا ــــــ پھر بھی بیچارہ ــ ساری گھاس کھا گیا ــــــ پھر بھی

بیچارہ ــ پورا باغ کھا گیا ــــــ پھر بھی بیچارہ۔

بہر نوع ۔ لوگ ایسے حیوان کے عاشق بن جاتے ہیں ـــــــــ لہذا حیوان میں بھی "نفرت و محبت" کا مادہ ہوتا ہے ـــــــــ

اور انسان کی زندگی کا تو دار و مدار ہی "محبت" پر ہے ـــــ اسے محبت بھی ہے اور نفرت بھی ہے ـــــ یہ چاہتا بھی ہے ـــــ بچتا بھی ہے ـــــ محبت نہ کرنا بھی خلاف فطرت ہے ـــــ محبت کرنا بھی فطرت ہے ـــــ

سامعین!

"محبت" خود "نفرت" کی خالق ہے ـــــ جب کسی سے آپ کو "محبت" ہو جائے گی ـــــ تو خود بخود اس کے مخالف سے "نفرت" ہو جائے گی ـــــ لہذا محبت خود خالق نفرت ہے ـــــ ـــــ مگر شرط یہ ہے ـــــ کہ ہو "محبت" ـــــ

مصیبت یہ بن گئی ہے ـــــ کہ آج کل کے زمانے میں ـــــ جس میں ہم ہیں ـــــ اس میں محبت ہے ہی نہیں ـــــ بلکہ "محبت نامی" ـــــ ایک شے ہے ـــــ جس طرح گھی کی جگہ گھی نامی چیز بکتی ہے ـــــ ـ ـ ـ دودھ کی جگہ دودھ شے بکتی ہے ـــــ اسی طرح محبت نہیں ـــــ محبت جیسی ایک شے ہے ـــــ جس کا نام لوگوں نے "محبت" رکھ دیا ہے ـــــ

میں بیٹھا ہوا تھا اپنے کمرے میں ـــــ ادھر سے ایک صاحب ملنے آئے ـــــ دور سے میں نے انہیں دیکھا کہ وہ آ رہے ہیں ۔

میں نے کہا

"لاحول ولا قوۃ ـــــ" یہ بلا ۔ اب کہاں سے آ گئی ہے ـــــ خواہ مخواہ کو میرا سر کھائے گا ـــــ اسے چائے پلانا پڑے گی ـــــ"

اور میں نے بہت سی برائیاں کیں ۔

اور جب وہ حضرت آ گئے کمرے میں بالکل قریب ـــــ تو میں

فوراً کھڑا ہو گیا

"بسم اللہ تشریف لائیے۔ آنکھیں ترس گئیں آپ کے

دیکھنے کو ۔۔۔ بڑی خوشی ہوئی ہے ۔۔۔"

اس "تفاق" کے معنی لوگوں نے "محبت" رکھ دیا ۔۔۔ حالانکہ ہے یہ "نفاق" ۔۔۔

مگر اس کے معنی ہیں "محبت" ۔۔۔ "جناب! بڑا اخلاق ہے ۔۔۔" یہ "نفاق"

ہے جس کو لوگ "محبت" کہتے ہیں۔

بعض اوقات دھوکا بھی لگ جاتا ہے آدمی کو ۔۔۔ محبت نہیں ہوتی ۔۔۔ مگر سمجھتا

ہے کہ محبت ہے ۔۔۔ حالانکہ محبت نہیں ہوتی ۔۔۔ نسلیں گزر جاتی ہیں آدمی کی ۔۔۔

مگر وہ دھوکا ختم ہی نہیں ہوتا ۔۔۔ جس طرح ہمارے شاعروں کی نسلیں گزر

گئیں ۔۔۔ اور وہ آج تک اسی دھوکا میں مبتلا ہیں ۔۔۔ کہ "پروانے کو شمع سے

محبت ہے ۔۔۔" یہ نرا دھوکا ہے۔ اور کچھ بھی نہیں ۔۔۔ دیوان کے دیوان بھر دیئے

انہوں نے ۔۔۔ ہزاروں، لاکھوں شعر لکھ دیئے انہوں نے اس مضمون پر ۔۔۔ کہ وہ جو

پروانہ ہوتا ہے نا ۔۔۔ جانور، پتنگا سا ۔۔۔ "اسے شمع سے محبت ہے ۔۔۔" وہ وہ

شمع پہ عاشق ہے ۔۔۔"

اب ان سے کوئی پوچھے

"پروانے نے تمہیں کہا تھا ۔۔۔ "مجھے محبت ہے شمع سے ۔۔۔"!

اس نے تم سے مشورہ کیا تھا ۔۔۔ "مجھے شمع سے محبت ہے ۔۔۔"

تم کیسے سمجھے محبت ہے ۔۔۔؟

"کہ ہم نے شمع کے قریب بیٹھا دیکھ کے یہ سمجھ لیا ہے ۔۔۔ کہ

پروانے کو شمع سے محبت ہے ۔۔۔"

تو میں عرض کرتا ہوں

"شاعرو!

قریب سے ہونا اور بات ہے ـــــ محبت ہونا اور

بات ہے ـــــ"

کوئی شمع نے انہیں چٹھی لکھی تھی کہ ـــــ آجاؤ ـــــ"

کوئی شمع نے آدمی بھیجا تھا ـــ کہ ـــ آجاؤ ـــ"

شمع یہاں روشن ہوئی ـــــ وہ خود آگئے ـــــ شمع کا یہ اخلاق تھا ـــ کہ

اُس نے جھڑکا نہیں ـــــ بہرحال وہ آگئے ـــــ اور آکے اس کے گرد اکٹھے ہوگئے

ـــــ اب اُس کے گرد اکٹھے ہونے سے آپ سمجھے محبت ہے ـــــ اور آپ کو دھوکا

لگنے کا سبب یہ ہوا ـــــ کہ شمع یہاں روشن تھی ـــــ پروانے بھی یہیں موجود تھے ـــ

اب شمع ہم اُٹھا کر یہاں سے کہیں اور لے گئے ـــــ تو وہ بھی ساتھ ہی "ہجرت" کر کے

چلے گئے ـــــ اس سے ہمیں یہ دھوکا ہوا ـــــ کہ انہیں بڑی محبت ہے ـــــ

حالانکہ ایمان سے پروانہ جلتا ہے شمع سے ـــ اور جلنے کے بعد فخر

کرتا ہے ـــــ کہ شمع میں روشنی ہے ـــــ اور اس کی "دیت"

کوئی "دائیں" پڑی ہے ـــــ کوئی "بائیں" پڑی ہے۔

اب ان شاعروں کو کون سمجھائے ـــــ اور اگر میں سمجھاؤں بھی تو میری بات ان کی

سمجھ میں کہاں آئے گی ـــــ سینکڑوں برس کی دماغ میں بیٹھی ہوئی بات ـــ میرے کہنے

سے تھوڑا نکل سکتی ہے۔

بھائی شاعرو! عزیزو!

تمہارا غلط خیال ہے ـــــ

کہ پروانے کو شمع سے محبت ہے ـــــ "

بالکل محبت نہیں ہے ـــــ اُسے بڑی سخت عداوت ہے شمع

ہے ـــــ پروانہ تو عاشق ہے اندھیرے کا۔ اُسے تو محبت

ہے اندھیرے سے ـــــــــ ـــــ۔ اور

شمع چونکہ اس کے محبوب کو، اندھیرے کو فنا کرتی ہے ـــــ یہ نامراد

اُس سے لڑنے آجاتا ہے ـــــ اندھیرے کی حمایت میں شمع سے

لڑنے آجاتا ہے ـــــ

تمہیں کیا خبر۔ کہ اس کی نیت کیا ہے ـــــــ؟

تمہیں کیا خبر۔ کہ اس کے دل میں کیا ہے ـــــــ؟

اگر تمہیں اس کی نیت کا، دل کا پتہ چل جائے ــــــ تو پھر پتہ چلے

کہ حقیقت کیا ہے ـــــ

اب یہ سارے اکٹھے ہو کے کہتے ہیں

حذیدی صاحب!

آپ بحیثیت مولوی، ہم پر رعب ڈال رہے ہیں ـــ۔

کہ ”میری بات مان لو ـــ“ ـــــ یہ بھی کوئی قرآن و حدیث ہے۔

جو ہم مان لیں ـــــ یہ تو شاعری کی بات ہے ـــــ اس معاملے

میں مولوی کو کیا دخل ـــــ مولوی اور شاعر تو ایک دوسرے

کی ضد ہوتے ہیں ـــــ یہ تو ہمارا مسئلہ ہے۔ ہم بہتر

جانتے ہیں ـــ“

بھائیو!

تم بہتر جانتے ہو گے ـــــــ مگر تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ــــ کہ

”شمع سے پروانے کو محبت ہے ـــــ“

اور میرے پاس دلیل ہے ـــ کہ ”پروانے کو شمع سے نفرت ہے ـــ“

دلیل میری سُن لو ـــــ اس کی تردید تم کر دو ـــ تو میں قائل ہو جاؤں گا ـــــــ

شمع روشن ہے ـ ـ پروانہ نثار ہے ـــ قربان ہے ـــ موجود ہے ـــ اور جب بجھ گئی ـــــــــ پھر گھر چلا گیا ـــــ

اگر محبت ہوتی ـــ تو میت چھوڑ کر چلا نہ جاتا ـــــ عمر بھر قربان رہنا ـــ اور میت چھوڑ کے چلے جانا ـــــ یہ کوئی محبت کی باتیں ہیں ـــــــــــــ

مگر اب آپ لوگ کہتے جو ہیں ـــ کہ وہ محبت ہے ، ــــ اتنے کہنے والوں کی بات کو کون ٹال سکتا ہے ــــ ہزاروں آدمی مل کے جو کہہ رہے ہیں ــــ اب اس بات کو کون روک سکتا ہے ـــ اور یہ شاعر صاحبان ! مجھے گھور رہے ہیں کہ

وہ دلیل سے تو ہم قائل ہو گئے ـــ مگر باہر نکل ــــ پھر پوچھتے ہیں ــــ

اس بات کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے ـــ محض اپنی تعداد زیادہ ہونے پر اکڑتے ہیں ـــ اور مجھے تنہا سمجھ کر ڈرا لیتے ہیں ــــ

بہر نوع ـــ شمع سے پروانے کو بالکل محبت نہیں ہے ـــ

سامعین !

محبت چیز ہی اور ہے ـــ محبت شے ہی اور ہے ـــ محبت کا انداز ہی اور ہے ـــ محبت ، ایک ایسی شے ہے جو بیان نہیں ہو سکتی ـــ یہ ذوق کی شے

ہے ـــــ محبت بیان نہیں ہو سکتی ـــــــــــــــــــــــــــ اور

"محبت" وہی جانتا ہے ـ جسے اس کا ـ واسطہ پڑا ہو ـــــ کہ اس میں کیا لطف ہے ـــ ؟

ـ محبت میں جو دیوانگی ہے ـــ اس پر شاہیں قربان ہو جاتی ہیں ـــــ محبت میں جو

دیوانے کو لطف آتا ہے ـــــ وہ شاہی میں لطف نہیں آتا ـــــ

میرے محترم سامعین!

اگر دنیا میں اصلی، واقعی اور حقیقی "محبت" کی مثال ہے ـــــ تو وہ ایک اور

صرف ایک محبت ہے ـ اور وہ ہے "ماں کی محبت" ـــــ "ماں" جو بیٹے سے "محبت" کرتی

ہے ـــــ وہ ہے "واقعی" اور "حقیقی" محبت ـــــــ بس اس سے بہتر محبت کوئی دنیا

میں ہے ہی نہیں ـــــ

بچو! آپ کو یاد ہوگا ـــــ کہ جب تم دوسری تیسری کلاس میں

پڑھتے تھے ـــــ اس وقت ایک کہانی پڑھی تھی ـ "ماں کی محبت"

سے متعلق ـــــ

ایک بچہ تھا ـــــ اس پہ دو عورتوں کا جھگڑا ہو گیا ـــــ ایک

کہے ـــــ "میرا بچہ ہے ـــــ" ایک کہے "میرا بچہ ہے ـــــ"

دو عورتیں ایک بچے کی ماں ہونے کی مدعی ہو گئیں ـــــ ـــــ

حاکم کے سامنے جب فیصلے کے لئے گئیں ـــــ اور حاکم تھا کوئی بڑا ہی

قابل انسان ـــــ اس نے فیصلہ یہ کیا ـــــ کہ

"بچے کے دو ٹکڑے کر کے آدھا آدھا بانٹ دو ـــــ"

اب جو جھوٹی ماں تھی ـــــ وہ تو راضی ہو گئی ـــــ اور جو سچی ماں تھی

اُس نے کہا

"نا ـــــ یہ بچہ میرا نہیں ہے ـــــ اسی کو دے دیں ـ"

اس بچے کو کچھ نہ کہیں ——— "

حضور والا!

یہ ہے "ماں کی محبت" کی ایک مثال —— اس سے پتہ یہ چلتا ہے ——— کہ

جب چیز ہو ایک ——— اور اس کے دعویدار ہوں دو —— ایک ہو جھوٹا —— ایک

ہو سچا ——— اور اگر اس چیز کے بگڑنے کا اندیشہ ہو جائے ——— تو سچا گھر

بیٹھ جاتا ہے

میرے محترم بزرگو!

مصیبت کے وقت انسان کے کام نہ پیسہ آتا ہے ——— نہ کوئی اور شے آتی ہے

اگر مصیبت میں کوئی شے یاد آتی ہے تو وہ صرف "محبت" ہے —— محبت ہی کام

آتی ہے ——— اگر بڑے بڑے بزرگان دین اور انبیاء کرام نے بھی کوئی مطالبہ کیا ہے ———

تو وہ "محبت" ہے ——— وہ بھی یہی چاہتے تھے کہ "محبت" ہو۔

دیکھو نا!

سینکڑوں کی تعداد میں آدمی کربلا میں حسینؑ کے ساتھ آ رہے تھے ——— اور ہر منزل

پر حسینؑ! اُن سے کہہ رہے تھے ———

"بھائیو!

میں لڑنے نہیں جا رہا ہوں —— کوئی ملک فتح کرنے نہیں جا رہا

ہوں ——— کوئی مالِ غنیمت نہیں ملے گا ——— میں

مرنے جا رہا ہوں ——— میں تباہ و برباد ہو جاؤں گا ——— میرا

گھر لُٹ جائے گا ——— میرے بچے ذبح ہو جائیں گے ———

ہمیں قبر نہیں ملے گی —— ہمیں کفن نہیں ملے گا —— جو میرے ساتھ چلیں

گے —— ان پر بھی یہی گذرے گی ——— تم واپس چلے جاؤ ———"

چنانچہ ___ بڑے اچھے لڑنے والے جوان، واپس چلے گئے ___ اور جاتے جاتے چھوٹ کے صرف بہتّر رہ گئے ___ اب چونکہ امامؑ نہیں چاہتے تھے۔ اُن کی ضرورت نہیں تھی ___ اس لیے انہیں رُخصت کر دیا ___ اس سے کہ انہیں محبت نہیں تھی ___ ساتھ تو ہو لیئے تھے ___ مگر محبت نہیں تھی ___ اس لئے اُن ساتھ آنیوں کو رُخصت کر دیا ___ اور جس سے محبت تھی ___ اُسے گھر بیٹھے کو خط بھیج کر بُلا لیا ___

ورنہ بتایئے ___

اگر ضرورت تھی ___ تو انہیں کیوں جانے دیا ___ اور اگر ضرورت نہیں تھی ___ تو اُس بوڑھے آدمی کو کیوں بُلایا!___ مگر حسینؑ خود لکھ رہے ہیں ___ اور خط کی صرف دو سطریں لکھیں ___

ایسا معلوم ہوتا ہے ___ کہ اس وقت بہت ہی پریشانی کا عالم ہوگا ___ اس لیے طویل خط نہیں لکھ سکے ___ بڑی پریشانی کے عالم میں مختصر سا خط لکھا ___ اور خط کی عبارت کیا تھی

"بھائی حبیبؓ!

یا اخی حبیبؓ!"

حبیبؓ کا دل تو "بھائی" کا لفظ پڑھ کے ایک دم الٹ پلٹ ہو گیا ___

"حسینؑ! ___ اور مجھے بھائی کہے ___"

"بھائی حبیبؓ!

میں تمہارے علاقے میں آگیا ہوں ___ بڑی سخت مصیبت میں پھنس گیا ہوں ___ اگر مناسب سمجھو ___ تو میری مدد کو آؤ ___"

اور آخری "فقرہ" جس نے حبیبؓ کے کلیجے کے ٹکڑے کر دیئے ___ وہ یہ تھا۔

"حبیبؓ!

میں تمہیں کبھی تکلیف نہ دیتا ـــــ مگر مجبوری یہ بن گئی ہے کہ

میرے ساتھ زینبؑ بھی ہے ـــــ "

پھر تو عزیزو، مولاؑ نے خط لکھا ـــــ اور حبیبؓ آ گئے ـــــ پھر حسینؑ کی

چھوٹی سی فوج کی روح بن گیا ـــــ حبیبؓ روح تھا حسینؑ کی چھوٹی سی فوج کا ـــــ

اور میں اپنے بیان کو یہاں آ کر ختم کرتا ہوں ـــــ کہ بی بی زینبؑ کو حبیبؓ سے اتنی

محبت تھی ـــــ اپنے بھائی کے دوست سے ـــــ بی بی کو اتنا اعتبار تھا حبیبؓ پر ـــــ کہ

جب شامِ عاشور خیمے جلنے لگے ـــــ اور زینبؑ پریشان ہوئی ہے ـــــ تو

بی بی نے پریشان ہو کے حسینؑ کو نہیں پکارا ـــــ عباسؑ کو نہیں پکارا ـــــ

ایک دم گھبرا کے فرماتی ہیں

"بھائی حبیبؓ!

آؤ نا ـــــ دیکھو!

ـــــ مجھ پہ کیا گذری ـــــ "

اور بزرگانِ من!

جب قافلۂ آلِ محمد کوفے میں داخل ہوا ـــــ آگے آگے مہار پکڑے ہوئے امام

زین العابدینؑ چلتے چلتے ٹھہر گئے ـــــ وہ ٹھہرے تو ناقہ ٹھہرا ـــــ اور

جب ناقہ ٹھہرا ـــــ تو اس پر سوار بی بی نے یہ سمجھا ـــــ کہ شاید بھتیجے کو کوئی تکلیف ہو گئی

ہے ـــــ گھبرا کے پوچھتی ہیں

"بیٹا ـ زین العابدینؑ! ـــــ کیا بات ہے ـــــ؟"

امامؑ فرماتے ہیں

"اماں ـــــ کچھ نہیں ـــــ "

اب بی بی پوچھتی ہیں

"بیٹا! یہ بچہ کون ہے تمہارے ساتھ ——— ؟"

تو امامؑ نے فرمایا

"اماں ——— یہ چچا حبیبؓ کا بیٹا ہے ——— ہم حبیبؓ کے محلے سے گذر رہے ہیں ——— "

وہیں سے بی بی نے آواز دی

"حبیبؓ کے بچے!

میرے بھتیجے! برخوردار!

اماں کہاں ہے ——— ؟"

میں اُسے حبیبؓ کا پُرسا دوں گی ——— "

سامنے ایک مکان کے چھجے سے آواز آئی

"بی بی! بہت تیرے استقبال کے لئے بیٹھی ہوں ——— "

حضور والا!

یہ سب محبت کے کرشمے ہیں ——— آج کربلائے مُعلیٰ جا کے دیکھو ——— گنج شہیداں ایک طرف ہے ——— اور حبیبؓ کی ضریح بھی ایک طرف ہے ——— "روضۂ حبیبؓ" حرم کے برآمدے میں ہے ——— بالکل یُوں معلوم ہوتا ہے کہ حسینؑ سرکار کا پرائیویٹ سیکرٹری ہے ——— اس سے اجازت لو ——— تو اندر جاؤ ——— اور حبیبؓ خاندانِ "بنی اسد" سے تھے ——— اور یہ "بنی اسد" وہ ہیں ——— جنہوں نے سید الشہداءؑ کو دفن کیا تھا ——— اب بھی ہر سال تیسری محرم کرتے ہیں اُسی طرح ——— جس طرح جب آئے تھے دفن کرنے ——— اور جب وہ صحن میں آکر مٹی ڈال کے مولاؑ کی مصنوعی قبر بناتے ہیں ——— تو ان کا شیخ آتا ہے

حرم میں حبیبؑ کی "ضریح" پر ـــ اور وہ حبیبؑ کی ضریح پکڑ کے کہتا ہے

حبیبؑ ! ہم تیرے شکر گزار ہیں ـــــ"

حبیبؑ ! قیامت تک تُو نے ہماری آبرو رکھ لی ـــــ"

حبیب ! تیری وجہ سے تیرے خاندان کی عزت بن گئی ـــ"

خداوندِ عالم اپنے فضل و کرم سے میرے ، آپ کے دل میں "مودتِ آلِ محمد" پیدا کرے

اے آلِ محمد ! ـــــ ہم تمہیں گواہ کرتے ہیں ـــــ

اگر محبت کے امتحان میں ہم پورے نہیں اترتے تو اتنا دعویٰ ضرور ہے ـــ کہ تمہارے دشمنوں

سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے ـــــ اب تمہاری مرضی ہے ـــ جدھر چاہو لے جاؤ ـــ

ہم گنہگار ہیں ـــ بہت زیادہ گنہگار ہیں ـــــ مگر شریف اور اچھے غلاموں کو اپنانا ـــ تو

بڑا آقا کا کام ہے ـــــ تمہاری شان تو یہی ہے ـــ کہ ہم جیسے گنہگاروں اور ذلیلوں کو

ـ اپنا لیں ـــــ اللہ ہمیں مودتِ محمد و آلِ محمد عطا فرمائے ـ بحقِ محمد و آلِ محمد

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ـ اللھم صلی علی محمد و آلِ محمد

ـــ:ــ

شمع ـــ جلتی ہے ـــــ پتنگا موجود ہے

ـــ جب ـــ

ـــــ بجھ گئی ـــ تو ـــ گھر چلا گیا

ـــ اگر ـــ

محبت ہوتی ـــ تو میت چھوڑ کر چلا نہ جاتا

(خطیبِ آلِ محمد)

اصطفیٰ

ELECTION AND SELECTION

(آمدِ حرفِ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"خداوند جل جلالہ وعم اسمہ کی حمد و ثنا کے بعد حضرت محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام"

حضراتِ محترم!

خداوند عالم اپنی حکمت و مصلحت کے ماتحت اپنے کام کے لئے جس بندے کو موزوں سمجھتا ہے اُسے چُن لیتا ہے ـــــ اللہ نے اپنے اس چُننے کی فہرست کو یوں بیان کیا ہے۔

"اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ"

اللہ نے آدمؑ کو چُنا۔ پھر نوحؑ کو چُنا ـــــ جس وقت آدمؑ چُنے گئے۔ اُس وقت آدمؑ کے علاوہ جو مخلوق تھی۔ وہ چُنے ہوؤں سے باہر تھی ـــــ جب نوحؑ کو چُن لیا۔ اُس وقت نوحؑ کے علاوہ جو مخلوق تھی۔ وہ چُنے ہوؤں سے باہر تھی ـــــ پھر یہ چُناؤ کا سلسلہ وسیع ہوا ـــــ پھر فرد "نہیں چُنے گئے بلکہ ابراہیمؑ کی پوری "آل" کو چُن لیا۔ ـــــ اس کے بعد آلِ ابراہیمؑ میں سے "آلِ عمرانؑ" کو چُن لیا ـــــ اس طرح اللہ اپنے کام کے لئے بندوں میں سے بندے" چُن لیتا ہے ـــــ اور یہ کبھی ہو سکتا ہی نہیں کہ خدا کا چناؤ غلط ہو جائے ـــــ وہ جس کام کے لئے جس بندے کو چُنتا ہے۔ وہ یقیناً اُس کام کے لئے موزوں اور صحیح ہوتا ہے۔ کیا مجال جو اُس میں کوئی غلطی ہو جائے۔

اللہ نے آدمؑ کو خلافت کے لئے چُنا۔

کہا تھا فرشتوں نے —— "یہ خون ریزی کرے گا —— یہ فساد کرے گا ——

آپ حضرات بزرگ بیٹھے ہیں —— آپ بتائیں ایمان سے —— فرشتوں کی یہ کہی ہو

بات اولادِ آدمؑ نے سو فی صدی صحیح ثابت کر دکھائی یا نہیں۔ خون ریزی و فساد والی بات فرش

کی سچی ثابت ہوئی یا نہیں —— اس زمین کو فتنہ و فساد سے اولادِ آدم نے بھر دیا،

نہیں؟

بے چارے کوئی غلط تو نہیں کہہ رہے تھے۔ ٹھیک کہہ رہے

تھے —— مگر ڈرنے کی بات تھی۔ انہیں یہ نہیں کہا

کہ "تم غلط کہتے ہو" وہ فساد نہیں کرے گا —— خون ریزی

نہیں کرے گا ——" بلکہ انہیں اسی طرح جھڑک دیا، جیسے ط

چھوٹوں کو بڑے جھڑکتے ہیں۔ "اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔"

خبردار! کچھ نہیں کہنا تم نے —— ہم بہتر جانتے ہیں ——

وہ بے چارے چُپ ہو گئے —— مگر اُن کا خیال جو تھا

بالکل صحیح ثابت ہوا۔

اب فرشتے جو یہ کہہ رہے تھے —— اُن سے پوچھو ——

"فرشتو! تمہیں کیا خبر —— یہ خون ریزی کرے گا۔

تمہیں کیا خبر —— "فساد" کرے گا —— کیا تم

—— "عالمِ غیب" ہو ——؟

فرشتے جواب دیتے ہیں۔

"جناب —— غیب کا علم تو ہمارے فرشتوں کو بھی نہیں"

"پھر تم نے کیسے سمجھ لیا ——؟"

فرشتے بولے "حضور! یہ تو سامنے کی بات تھی ــــــ اس میں غیب کی کیا بات تھی ــــــ ہمیں پتہ تھا کہ

آدم کس طرح بن رہا ہے ــــــ اس کو بنتا دیکھتے ہی ہم سمجھ گئے تھے۔ کہ اس کا "بننا" ہو ہے۔ یہ ہمیشہ "بنا" نہیں رہے گا۔ ضرور بگڑے گی بات ــــــ

سامعین! اللہ نے حکم دیا جبرئیلؑ کو۔ زمین سے مٹی لاؤ ــــــ جبرئیلؑ گئے حکم خدا سے مٹی اٹھانے ــــــ زمین سے مٹی اٹھائی ــــــ زمین پوچھ بیٹھی

"قبلہ! کیا ارادہ ہے ــــــ مٹی کہاں لے جا رہے ہو ــــــ؟"

جبرئیلؑ نے جواب دیا

"اس سے اللہ کچھ بنانا چاہتا ہے ــــــ"

زمین نے کہا۔

"جانے بھی دو ــــــ کیوں خاکساروں کو بناتے ہو خواہ مخواہ کیلئے"

کچھ ایسا زمین گڑگڑائی۔ چلائی۔ فریاد کی ــــــ جبرئیلؑ کو ترس آ گیا۔ چھوڑ دیا۔

چنانچہ اللہ نے میکائیلؑ کو بھیجا۔

"تم مٹی لاؤ"

میکائیلؑ نے آ کے مٹی اٹھائی ــــــ زمین نے پھر پوچھا

"قبلہ! کہاں لے جا رہے ہو ــــــ" میکائیلؑ نے کہا۔

"اس سے اللہ کچھ بنائے گا ــــــ"

مٹی نے پھر فریاد کی۔ "چھوڑ دو ــــــ جانے دو ــــــ میرا خاک بنے گا ــــــ"

چنانچہ میکائیلؑ کو بھی ترس آ گیا ــــــ پھر وہ آئے تیسرے فرشتے اسرافیلؑ"

انہوں نے کہیں سے مٹی اٹھائی۔ زمین پھر روئی پیٹی، چلائی ــــــ پھر وہ چھوڑ گئے۔

آخر اللہ نے ملک الموت کو حکم دیا۔

"عزرائیل! مٹی لاؤ ——"

عزرائیل نے آ کے مٹی اٹھائی —— زمین بہت روئی — بہت چیخی ——
بہت چلائی ——

ملک الموت نے کہا

"سن زمین! وہ اور ہوں گے۔ جو کسی کے رونے سے ڈر ہیں گے —— اگر میں رونے سے ڈر جاؤں۔ تو میرا تو کام ہی نہ چلے۔ میں اس رونے کی پروا نہیں کرتا ——"

چنانچہ وہ مٹی لے گئے —— اور ملک الموت کی لائی ہوئی مٹی سے آدم بنے۔

میں کہتا ہوں —— اچھا ہوا آدم زادو! تم جبرئیلؑ کی لائی ہوئی مٹی سے نہیں بنے —— اچھا ہوا تم اور فرشتوں کی مٹی سے نہیں بنے —— بھولے بھالے فرشتے تھے بیچارے —— آئے ہوں گے —— جہاں سے مٹی پہ ہاتھ پڑا ہوگا۔ اٹھالی ہوگی۔ مگر ملک الموت ایسا نہیں ہے۔ کہ جہاں سے جو شے ملے اٹھالے —— یہ جب کوئی شے لینے جاتا ہے —— تو روح نکال کر لے آتا ہے۔

ویسے مٹی اٹھا کر نہیں لے گیا۔ زمین کی پوری "روح" نکال کے لے گیا۔

بہرتوح ملک الموت کی لائی ہوئی مٹی سے آدم بنے —— ادھر سے مٹی۔ ادھر سے "پانی" اس میں ملایا گیا —— پھر اس مٹی کو "پانی" کے ساتھ خمیر کیا گیا —— پھر اس میں ہوا شامل کی گئی —— پھر اس میں "آگ" شامل کی گئی —— فرشتے دیکھتے رہے بیٹھے ہوئے —— اس سے ایک دم آدم تیار ہو گئے —— تو فرشتوں نے کہا۔

"یہ ضرور خون ریزی کرے گا —— اس لئے کہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ یہ کن چار چیزوں سے بنا ہے —— "آگ" اس میں ہے —— "پانی" اس

پچھی سٹے کر ــــــــ

"تم اس کام کے لئے ہو۔ جو کچھ محمدؐ فرما گئے ہیں۔ اس پر خود عمل کر کے دنیا کے دماغوں میں بٹھا دو کہ حق یہ ہے"

اور دیکھو! "تم داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ کہ زبردستی ہر ایک کو اپنی بات منواؤ"

تم انہیں بتا دو کہ "حق یہ ہے" ــــ پھر جانیں ــــ اور ان کا کام جانے ــــ انہیں جھگڑا کرنے دو ــــ انہیں لڑنے دو ــــ آپ ہی لڑ جھگڑ کے کسی محور پہ آجائیں گے ــــ تم کیوں خواہ مخواہ کے لئے کسی کے خلاف موافق بنو ــــ تم بڑے قیمتی ہو ــــ تم کوئی مفتی تھوڑا ہی ہو۔ جو فتوے دیتے پھرو ــــ پہلے آپ نمٹ لیں ــــ پھر خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے انہیں اپنی اپنی بات کہنے دو۔ جو کچھ کہہ رہے ہیں"

اور آلِ محمدؐ خود آ کے عمل سے سمجھاتے رہے۔

"دیکھو بھئی! یوں کرنا ہے۔ اس طرح کرنا ہے ــــ نماز اس طرح پڑھنی ہے۔ روزہ اس طرح رکھنا ہے ــــ" اور ہم لوگ جو شاگرد تھے اُن کے ہم بھی بیٹھے سنتے رہے ــــ اُنہوں نے نماز سکھائی۔ ہم سیکھتے رہے ــــ زبان سے تو وہی کہتے رہے جو وہ کہلوا رہے تھے ــــ ویسے کہتے رہے "تہیں"

دیکھو! روزہ رکھتا ہے ــــ روزہ رکھ لیا ــــ پھر ہم نے کیا کیا ــــ دو تین منٹ رات سے پہلے ــــ کھول لیا۔

اللہ نے کہا! محمدؐ! تمہارا کام تھا صرف بتانا اور سمجھانا ــــ مگر یہ شریر طالب علم ہیں۔ انہوں نے وقت سے پہلے روزہ کھول دیا ہے ــــ انہیں ہمارے پاس بلاؤ۔ اور بیچ پہ کھڑا کر دو۔" تین منٹ پہلے کھولنے کے جرمانے میں رات کو دو گھنٹے کھڑا رہنا پڑا ــــ اگر دو تین منٹ اور صبر کر لیتے تو رات آرام سے سوتے ــــ

بہ نوع محمدؐ و آلِ محمدؐ ہمیں سکھاتے رہے۔ اور ہم اُن کے سکھائے ہوئے کے مطابق عمل کرتے رہے

اور انہوں نے جس کو جس کام کے لئے چُنا۔ وہ اُس کے لئے موزوں ترین انسان ثابت ہوا۔۔۔
جس بندے کو جس کام کے لئے چُن لیا۔ وہ ایسا موزوں ثابت ہوا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ پیدا ہی اسی کام کے لئے ہوا ہے۔۔۔ اس کی پیدائش کا مقصد ہی یہی ہے۔۔۔

بزرگانِ من! آرام اور راحت کے وقت اطمینان سے بیٹھ کر کسی کو کسی کام کے لئے چُن لینا اور بات ہے۔۔۔ اور انتہائی پریشانی کے عالم میں جبکہ حالت ایسی ہو۔ کہ اپنی اولاد کے انتہائی خوبصورت چہرے سامنے ہوں۔ اور یقین ہو جائے کہ کل یہ چہرے سامنے نہیں ہوں گے پھر گھر کی طرف نظر جائے۔ کہ میری پردہ دار عورتیں جن کی آواز گھر سے باہر آنا مجھے گوارا نہیں۔ ان کا یہ سارا پردہ صرف کل تک ہے۔۔۔ کل شام کو یہ پردہ نہیں رہے گا۔۔۔ اس پریشانی واضطراب کے عالم میں کسی کو چننا۔۔۔ اور وہ چناؤ غلط نہ ہو۔۔۔ یہ اللہ کے چنے ہوؤں کا کام ہے۔ یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔۔۔ اگر خدا کے کسی اور بندے پر یہ عالم ہوتا۔۔۔ پہاڑ ہوتا تو پانی ہو کر بہہ جاتا۔۔۔ مگر یہ اللہ کے چنے ہوؤں کی بات ہے۔۔۔ ان تمام باتوں کے باوجود۔ کیا مجال کہ پیشانی پہ بل آجائے۔۔۔ کسی بات میں فرق آجائے۔۔۔ پوری شان واستقلال کے ساتھ موجود ہیں۔۔۔ کوئی پرواہ نہیں کسی بات کی۔۔۔ ذرا جھجکنا نہیں۔ گھبرانا نہیں۔۔۔ پریشان ہونا نہیں۔۔۔ اس عالم میں چناؤ ہو رہا ہے۔۔۔ اپنے تو چنے ہی تھے۔۔۔ اب حسینؑ نے کہا۔

"آؤ۔۔۔ ایک نظر دشمن کی فوج پر بھی ڈال دیکھیں۔۔۔ شاید اس ٹڈی دَل میں کوئی ایسا ہو جو ہمارے قابل ہو۔ شاید ان کنکروں ڈھیر میں کوئی ایسا ہیرا ہو۔ جسے ہم چُن لیں۔ حسینؑ نے اس مجمع عام پہ ایک نظر ڈالی۔۔۔ اور نظر سے چُن لیا۔۔۔

"ہے ایک ہمارے قابل ہیرا۔" جسے راستے میں ہم نے آب دی۔ جسے ہم نے آبدار بنایا تھا۔۔۔"

ارباب ذوق! فقرہ میں کہتا ہوں سمجھ تم لینا۔۔۔"

——جن کی تلواروں نے آلِ محمدؐ سے انصاف نہ کیا —— اُن کے قلم کیا انصاف کریں گے۔
جو چاہیں لکھ دیں —— لفظ کے بدلنے سے مطلب بدل جاتا ہے —— جس طرح ہمارے
سامنے یہ لکھ دیا کہ ——

"حسینؑ نے (معاذ اللہ) ایک رات کی اُس فوج سے مُہلت مانگی تھی ——"

حضرات! مہلت تو وہ مانگتا ہے جسے کوئی انتظام کرنا ہو —— جس نے کہیں چلے جانا ہو —— جس نے کہیں سے کمک منگوانی ہو —— جس نے کہیں سے رسد منگوانی ہو —— مگر
حُسینؑ مہلت مانگ کر کیا کرتے —— جو مرنا ہی ٹھہرا۔ تو کل کیا۔ اور آج کیا ——
حسینؑ نے تو مہلت نہیں مانگی تھی —— یہ غلط لفظ "مانگی" کا لکھ دیا مورخین نے —— بلکہ
حسینؑ نے اُس فوج کو ایک رات کی مُہلت اور دی —— تاکہ وہ سوچ سمجھ لیں۔ دہ کیا کر
رہے ہیں ——

حسینؑ نے مُہلت اپنے لئے نہیں مانگی تھی۔ بلکہ انہیں سوچنے سمجھنے کی ایک رات کی اور
مہلت دی تھی۔

"دیکھ لو۔ غور کر لو —— کیا کر رہے ہو۔ سوچ لو کیا کر رہے ہو ——
کل تو تمہیں، مجھے، دونوں کو اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے ——
دیکھو —— میرے نانا کے سامنے جانا ہے تمہیں —— میں تمہیں ایک رات
کی اور مہلت دیتا ہوں —— اور اس مہلت میں میں چُن لوں گا اُسے جو
میرے قابل ہوگا۔"

لہٰذا مولا نے ایک رات کی مہلت دی تھی —— حسینؑ نے رات رات میں چُن لیا ——
اور چُنا بھی اُسے جو واقعہ کربلا کا بظاہر سب سے بڑا ذمہ دار تھا۔

کیوں صاحبانِ بصیرت! واقعہ کربلا کا سب سے بڑا ذمہ دار وہی شخص نہیں ہے جو راستے
میں قافلۂ اہلبیت کو گھیر کر لے آیا —— جو ایک ہزار سواروں کے ساتھ جا کے ایک بے خبر قافلہ

کو لے آیا ــــــ وہ سب سے بڑا ذمہ دار ہے کہ نہیں ــــ؟

ــــــ ظلم کی ابتداء اُسی وقت نہیں ہو گئی تھی ــــ جب ایک بے ضرر قافلہ راستے پر چلا جا رہا تھا کسی سے لڑ نہیں رہا تھا۔ کوئی فوج کی شکل نہیں تھی ــــ معصوم بچے، معصوم عورتیں جا رہے ہیں آرام سے۔ ایسے بے ضرر قافلہ کو ہزاروں سواروں کے ساتھ آ کر گھیر لیا ــــ ہو گئی نا ظلم کی ابتداء ــــــ اور گھیر کے یہ کہنا۔

"ہم تمہیں گرفتار کرتے ہیں" ــــ قبلہ کسی شریف سے کہہ کے دیکھو ــــ بس اتنا ہی نہیں ہوا ــــ بلکہ حُر کا بڑھ کے گھوڑے کی باگ پکڑ لینا ــــ اور یہ کہنا۔

"حسینؑ! میں نے آپ کو گرفتار کر لیا ہے ــــ اب آپ میری مرضی کے خلاف نہیں جا سکتے" اس بات کا تو خود حُر راوی ہے۔ کہ "جب میں نے حسینؑ کے گھوڑے کی باگ پر ہاتھ ڈالا ــــ تو ہر محمل سے رونے کی آواز آئی" ہو گئی نا ظلم کی ابتداء ــــــ یہی نہیں بلکہ اس بے ضرر قافلے کو گھیر کے کربلا لے آیا ــــ اور نہر کے کنارے خیمے نہ لگنے دئیے۔ اسی حُر نے ابن زیاد کو چھٹی لکھی ــــ کہ میں حسینؑ کو کربلا میں لے آیا ہوں ــ" حُر کی اطلاع پر ہی فوجیں آنا شروع ہوئیں ــ ساتویں سے پانی بند ہے ــــ حُر اسی فوج میں ہے ــــ آٹھویں گذر رہی۔ اُسی فوج میں ہے ــــ نویں گذری۔ اُسی فوج میں ہے ــــ بچوں کے "العطش" کی آوازیں سُن رہا ہے۔ وہیں بیٹھا ہوا ــــ کتنا بڑا ذمہ دار ہے یہ شخص کربلا کے واقعہ کا۔

صاحبان! عاشور کی شب گذر گئی ــــ اب امام کی نگاہِ انتخاب میں اتنے بڑے ذمہ دار شخص کا انتخاب ہے۔

مولانا نے کہا "دیکھو بھئی ــــ قیامت تک کے لئے فیصلہ ہو جائے کہ اگر بھوک اور پیاس سے تنگ آ کر میرا کوئی آدمی مجھے چھوڑ کر اُدھر چلا جائے۔ تو میں چھوٹا ــــ اور اگر تمام راحت اور عزت چھوڑ کر کوئی اُدھر بھوک پیاس کے لئے آ جائے ــــ تو اس کا دنیا فیصلہ کرے گی کیا ہوگا ــــ؟

بہر نوع۔ رات کو لگا وانتخاب پڑگئی حُر اپنے خیمہ میں کل لڑنے کی تیاریاں کر رہا ہے
آخر ایک فوج کا سردار ہے ——— اسی تیاری کے دوران کان میں ایک آواز آگئی ——— کوئی
بی بی کہہ رہی تھی۔

"حُر! میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے ——— ؟"

حُر گھبرا گیا ——— اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"یہ کس کی آواز ہے؟ ——— کس نے کہا ہے؟ ——— کون ہے؟ ——— " یہ حُر کے
ضمیر کی آواز تھی ——— اس نے کہا۔

"میں سمجھ گیا۔ اس ساری بات کا میں ذمہ دار ہوں" صبح ہوئی ——— حُر کا رنگ ہی بدلا
ہوا تھا ——— انداز ہی اور تھا۔ اپنے ہزار "رسالہ" کو لئے ہوئے امیرِ لشکر کے پاس آئے۔ اور کہا

عمر ابنِ سعد! ——— کیا لازم ہے لڑنا حسینؑ سے ——— ؟"

کیا صلح کی کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی ——— ؟"

کیا یہ جنگ ٹل نہیں سکتی ——— ؟"

عمر سعد کہتا ہے۔

"حُر! اب ایسا نہیں ہو سکتا ——— چونکہ حسینؑ کو تو لایا ہے
لہٰذا "تیرِ اول" بھی تو ہی ——— تیری طرف سے پہلا حملہ ہونا چاہیے۔"

حُر نے کہا ——— "عمر! ٹھہر بات سن ——— مجھے یہ احتمال نہیں تھا۔ کہ نوبت یہاں تک
پہنچ جائے گی ——— حسینؑ کو یہاں تک لانے کا میں ذمہ دار ہوں ———
مجھے خود اپنی ذمہ داری کا احساس ہے ——— لہٰذا میں حسینؑ کو
یہاں تک لانے کی معافی مانگنے جا رہا ہوں۔ ——— حسینؑ مجھے
معاف کردے گا ——— "

عمر سعد کہتا ہے "بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے ——— اتنا بڑا سنگین جرم اور معاف

ہو جائے ---؟

حُرؑ کہتا ہے:۔

"عمر! میں جن کے پاس جا رہا ہوں - اُن کے رحم و کرم سے میں واقف ہوں --- مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے معاف فرما دیں گے۔"

یہ کہہ کے حُرؑ روانہ ہو گیا۔

ادھر سے حُرؑ چلا --- اِدھر سے امامؑ نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا۔

"دیکھتے ہو --- اُدھر سے کوئی آ رہا ہے ---"

امامؑ کے ساتھیوں نے عرض کی۔

"ہاں مولا! ہم دیکھ رہے ہیں --- کوئی تیزی سے گھوڑا دوڑاتے آ رہا ہے ---" اب امامؑ کے ساتھیوں نے تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھ دیا --- تیر کمان والوں نے کمانوں میں تیر جوڑ لئے۔ سب امامؑ کے گرد اکٹھے ہو گئے --- سمجھے، دشمن کی فوج سے کوئی سپاہی آ رہا ہے --- حبیبؓ و زہیرؓ جو نقیب تھے امامؑ کی چھوٹی سی فوج کے --- انہوں نے آواز دی۔

"سپاہیو! ہوشیار --- اولادِ رسولؐ میں سے کسی کے کوئی زخم نہ آنے پائے --- گویا تمام سپاہی تیار ہو کر کھڑے ہو گئے --- امامؑ نے حکم دیا۔

"دیکھو بھئی! میرے حکم کے بغیر کسی کا تیر نہ چل جائے --- کسی کا وار نہ چل جائے --- اسے آنے دو۔ جو آ رہا ہے"

اب سب کی نظریں اسی گھوڑ سوار پر لگی ہوئی ہیں --- جب وہ اور قریب آیا۔ تمام حسینی فوج نے دیکھا --- کہ وہ اپنے گھوڑے سے اُترا --- گھوڑے کی باگ

ڈال دی اپنے کاندھے پر ـــــ اور ایک رومال اپنی جیب سے نکال کر اُس سے اپنے
دونوں ہاتھ باندھ لیئے ـــــ اور وہیں سے پکارا۔

"رحمتہ للعالمینؐ کے بیٹے!

کیا دنیا کا سب سے بڑا گنہگار، تیرے دربار میں آسکتا ہے۔؟

حُرؓ کا یہ کہنا تھا ـــ کہ امامؑ نے فرمایا۔

"عباسؑ بھائی! تم میری فوج کو یہاں روکے رکھو ـــ میں خود اسے
لینے جاتا ہوں ـــ"

امامؑ، حُرؓ کے قریب آگئے ـــــ اور حُرؓ نے کوئی تمہید نہیں اٹھائی۔ کوئی
واسطے نہیں دیئے ـــــ کوئی لمبی چوڑی گفتگو نہیں کی ـــــ صرف اتنا کیا ـــ کہ
آتے ہی امامؑ کے گھوڑے کی رکاب پکڑ لی ـــــ اور رکاب پر سر رکھ کر کہتا ہے۔

"اَخْطَاءتُ یا ابنَ رسُولِ اللہِ"

اے رسولؐ کے بیٹے! مجھ سے قصور ہو گیا ہے۔"

بس اتنا فقرہ کہا ہے ـــ "مجھ سے قصور ہو گیا ہے۔" ـــــ اور امامؑ نے جھک
کر اُس کی پیشانی ہاتھ میں رکھی ـــ سر اٹھا کے سینے سے لگایا اور فرماتے ہیں۔

"بھائی حُرؓ! ہم نے معاف کر دیا ـــ"

سامعین! امامؑ کا بھائی کہنا تھا ـــ کہ جتنے سوار تھے فوجِ حسینؑ کے، سب گھوڑوں
سے نیچے اُتر آئے ـــ اور کہنے لگے۔

"ہم سے بے ادبی ہو گئی ـــ امامؑ کا بھائی پیدل کھڑا ہے ـــ"

بہرنوع۔ حُرؓ کو مولاؑ نے بھائی کہہ کے معاف کر دیا ـــ اور اُسی حُرؓ سے سب
سے پہلے حبیبؓ بغلگیر ہوتے۔ "حُرؓ! مبارک ہو ـــ"

غرض ایک ایک سپاہی آکے حُرؓ سے بغلگیر ہوا ـــــ اور شمس الشہداء حضور

قمر بنی ہاشم، سپہ سالار افواجِ قاہرہ حسینیہ، جناب عباسِ غازی نے سر پر علم کا پھریرہ کھول دیا ـــــ شہزادہ علی اکبرؑ اور شہزادہ امیر قاسمؑ نے بڑھ کے "چچا" کہہ کے سلام کیا۔ ـــ جنگل میں عید ہوگئی ـــ اور جب "مبارک و سلام" کی آوازیں بیت الشرف میں پہنچیں ـــ تو جناب زینبؑ نے سُن لیں ـــ خیمہ کے دروازے تک آئیں ـــ

اشارے سے عونؑ و محمدؑ کو بلایا ـــ شہزادے آئے اور عرض کی

"اماں! کیا بات ہے ـــ؟

شہزادی عالم نے پوچھا۔

"بیٹو! آج کیا خوشی ہو رہی ہے ـ کیا عید ہو رہی ہے؟

تو شہزادوں نے عرض کی۔

" اماں! ـ جس آدمی نے راستہ روکا تھا نا ـــ وہ آیا ہے ـــ اب وہ ہماری طرف آگیا ہے ـــ مولاؑ نے اُسے بھائی کہہ کے معاف کر دیا ہے ـــ"

بی بیؑ نے فرمایا۔

" اچھا یہ بات ہے ـــ تم دونوں جاؤ ـــ ایک حرؑ کی دائیں طرف کھڑا ہو جائے ایک بائیں طرف کھڑا ہو جائے ـــــ

اور دیکھنا! "ماموں" کہہ کے بات کرنا ـــ اور یہ کہنا کہ ـــ

"اماں، دعائیں دے رہی ہیں۔

سامعین!

شہزادے آئے ـ حرؑ کو "ماموں" کہہ کے بات کی ـــ اماں کی دعائیں دیں ـــ اور حرؑ یہ سُن کر حیران ہو گیا ـ رنگ دودھ کی طرح سفید ہو گیا ـــ تمام بدن کی ہڈیاں ہل گئیں ـ ایسا معلوم ہوتا تھا ابھی دم نکل جائے گا ـــــــ مولاؑ نے پوچھا ـــ

"حرؑ! کیا بات ہے —؟"

حرؑ نے عرض کی۔

"فاطمہؑ کے بیٹے! کیا عرض کروں — حضورؑ نے تو معاف کر دیا — حضور سے یہی توقع تھی — مگر جب میں نے راستے میں گستاخی کی تھی — تو مجھے پتہ ہے کہ محلوں سے رونے کی آواز آئی تھی — میں جب مطمئن ہو کے مروں گا، جب زینبؑ کی زبان سے معافی کا لفظ نہ سُن لوں — لہٰذا حضورؑ میرے سفارشی بن جائیں —"

مولاؑ نے فرمایا۔

"حرؑ! گھبراؤ نہیں — میں تمہیں لے چلتا ہوں —"

مولاؑ حرؑ کو لے کر دروازے تک تشریف لائے — پردہ اٹھا — امام اندر

حرؑ باہر — بیچ میں پردہ —

امامؑ نے فرمایا۔

"زینبؑ بہن!

حرؑ ہماری طرف آگیا ہے — زینبؑ جواب میں فرماتی ہیں

"حسینؑ! مبارک ہو — ایک ساتھی مل گیا —"

اُدھر سے حرؑ نے دروازے سے آواز دی

"مشکل کشاؑ کی بیٹیؑ!

اپنی اماںؑ کی چادر کے صدقے میں مجھ گنہگار کو معاف کر دو۔ میں نے بڑا قصور کیا ہے —"

بس صاحبان!

جو کہنے کی بات تھی وہ یہ ہے کہ اگر زینبؑ جواب میں فرما دیں۔

"ہم نے معاف کر دیا —" — یہ بھی بڑا اخلاق ہے — جس طرح

حسینؑ نے بھی معاف کر دیا تھا۔ زینبؑ بھی معاف کر دے گی ـــــ مگر

جو جواب دیا ہے علیؑ کی بیٹی نے ـ اُس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خاندان " بس

اللہ کا چُنا ہوا خاندان ہے۔ اور کسی کی طاقت نہیں یہ جواب دینے کی۔

حُرؑ نے گڑگڑا کے معافی مانگی ـ

مشکل کُشا کی بیٹی! مجھے معاف کر دو ـ میں مشکل میں پھنس گیا ہوں ـ

زینبؑ جواب میں کیا فرماتی ہیں ـ

" بھائی حُرؑ! مجھے شرمندہ نہ کرو "

" گنہگار معافی مانگ رہا ہے ـ اور کریمؑ شرمندہ ہو رہا ہے۔

" بھائی حُرؑ! مجھے شرمندہ نہ کرو ـ تو ایسے وقت میں آیا ہے میرے دروازے

پر۔ کہ تیری کوئی خاطر نہیں کر سکتی ـ تجھے بٹھا نہیں سکتی ـ کچھ کھلا پلا نہیں سکتی ـــــ

حُرؑ! ایک تجھ سے وعدہ کرتی ہوں کہ قیامت کے دن میرے باپ کی حکومت ہوگی۔

آج کے بدلے وہاں تیری دعوت کروں گی ـــ اُس دن کی دعوت میرے ذمے ادھار رہی ـ

اور سُن حُرؑ!

دنیا میں اتنا وعدہ تجھ سے کرتی ہوں ـ کہ اگر اس فوج بے حیا نے مہلت دے دی

تو میرا وعدہ ہے کہ حسینؑ سے پہلے تیری لاش پہ آؤں گی ـــ اور یہ سفید بال کھول کے

تجھے " بھائی " کہہ کے روؤں گی ـــ یہ میرا تجھ سے وعدہ رہا! "

بی بیؑ نے اس طرح معاف کر دیا ـــ حُرؑ مولاؑ کا چنا ہوا بندہ تھا۔

سامعین! آج کربلا کے زائروں نے دیکھا ہوگا کہ حُرؑ کا روضۂ اقدس گنج شہیداں میں

باقی شہیدوں کے ساتھ ہوتا ـــ تو کون سمجھتا ـــ

" ایک معاف کئے ہوئے گنہگار کے ساتھ کیا کرم ہوا "

علیحدہ روضہ بنا ہوا ہے ـــ دنیا کا زائر سلام کو جاتا ہے۔ صبح سے شام تک سلامیاں

ہو رہی ہیں — میں نے تُو بہ کی ضریح پکڑ کے کہا تھا۔

"شبیہ! تُو زندہ ہے — تو مجھے بول کے جواب دے۔ ایک شاہنشاہ کی فوج کی افسری میں زیادہ لطف آیا یا ایک غریب الغربا کے پیارے کی سپاہی میں زیادہ لطف آیا؟"

بہر نوع۔ یہ حسینؑ کا چُنا ہوا بندہ تھا۔ کیا مجال جو حسینؑ کے چناؤ میں کوئی غلطی ہو جائے محمدؐ و آلِ محمدؐ جب کسی کو کسی کام کے لئے چُن لیتے ہیں تو وہ یقیناً اُس مقصد کے لئے موزوں ہوتا ہے۔

خداوندِ عالم۔ اپنے حبیبؐ کے صدقے میں ہم سب کو یہ توفیق دے کہ قیامت کے دن حسینؑ فرمادیں

"ان بندوں کو میں نے چُن لیا ہے۔"

اللہ ہمیں مودّت محمدؐ و آلِ محمدؐ عطا فرمائے۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

اللهم صل على محمد و آلِ محمد

اصطفےٰ

کھوٹا روپیہ اسے کہتے ہیں —— جو پبلک کا بنایا ہوا ہو

کھرا روپیہ اسے کہتے ہیں —— جو سرکار کا بنایا ہوا ہو

(خطیب آلِ محمدؐ)

اسلام ـــــ لرزہ براندام ہوگیا۔؟

(مصائب شہزادہ امیر قاسمؑ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

" خداوند عالم عز اسمہٗ وجل جلالہٗ کی حمد و ثناء کے بعد حضرات محمد و آل محمد پہ درود و سلام "

حضرات گرامی قدر!

ہمارا اس دنیا میں آنے کا مقصد یہ صرف یہی ہے کہ ہم حضرات محمدؐ و آل محمد سے اپنا تعلق قائم رکھیں ـــــ اور تعلق بھی ایسا قائم رکھیں کہ ہم اپنے ہر قول و عمل کو ان کے آستانہ پر جھکا دیں۔ کہ ہماری کوئی بات یا کوئی عمل ان کی مرضی کے بغیر نہ ہو۔ اور ہمارے کسی عمل و قول سے ان کی رضا خدانخواستہ ناراضگی کا پہلو نہ نکلتا ہو ـــــ ہمیں ایسا عمل کرنا چاہیے جس سے آلِ محمد خوش رہیں ـــــ ہماری خوشی بذاتِ خود کوئی شے نہیں ہے ـــــ ہمیں تو ہر لمحہ ہر وقت ان کی خوشنودی چاہیئے۔

نماز ہے۔ روزہ ہے۔ یہ نیک اعمال جو ہم کرتے ہیں ـــــ بے شک ان کی نیت میں یہی ہے کہ ہم " قربۃً الی اللہ " کر رہے ہیں ـــــ اس کے ذریعہ سے ہم خدا کے قریب ہونا چاہتے ہیں ـــــ مگر " قربۃً الی اللہ " نہیں ہے ـــــ اللہ کے قریب ہونا نہیں ہے ـــــ جب تک ہم محمدؐ و آلِ محمد کو قریب نہ کر لیں ـــــ جتنا زیادہ ہم محمدؐ و آلِ محمد کو قریب رکھیں گے۔ اتنا ہی زیادہ ہمیں اللہ سے قرب حاصل ہوگا ـــــ اور جتنا محمد و آلِ محمدؐ سے دوری ہوگی۔ اتنا ہی اللہ ہم سے دور ہوگا ـــــ ورنہ اللہ بذاتِ خود قریب یا بعید ہونے والی شے نہیں ہے ـــــ اللہ تو قریب ہے۔ بس قریب ہے

تو قریب ہے ـــــ یہ نہیں کہ کبھی قریب ہو گیا، اور کبھی بعید ہو گیا ـــــ اللہ تو وہیں ہے جہاں ہے ـــ ۔ بس آلِ محمد کی خوشنودی ہی خدا کی قربت ہے ۔ ۔ اور ان ہی کو خوش رکھنا خداوند عالم کے قریب ہونے کی دلیل ہے

محترم سامعین!

آپ نے نماز پڑھی ــــ بے شک قربۃً الی اللہ پڑھی، خداوند عالم کے "قرب" کے لیے پڑھی ـــــ اور اس تقدس کے ساتھ کہ بدن پاک ہو، لباس پاک ہو ـــــ اور وہ پانی پاک ہو جس سے آپ نے وضو کرنا ہے ـــــ اتنی طہارت کے ساتھ آپ مصلّے پہ آ کے کھڑے ہو گئے ـــــ اور حسبِ فرمان رسولؐ کہ "نماز مومن کی معراج ہے" ـــــ آپ کو وہ معراج ہو گئی ـــــ اب نمازی کی براہِ راست گفتگو ہو رہی ہے ـــــ ـ ـ ـــــ

اللہ کی حمد بھی کی، ثنا بھی کی، خدا کی تعریف بھی کی ـــ اُسے رب العالمین بھی کہا ـــــ رحمٰن و رحیم بھی کہا ـــــ مالک یوم الدین بھی کہا ـــ اس سے صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی التجا بھی کی ۔ مرغوب و خیال سے بچنے کی بھی دعا کی ـــــ پھر رکوعؐ اور سورۃ بھی پڑھی ـــــ اور سر جھکا کے اس کی عظمت کا اعتراف بھی کیا ـــــ پھر سجدے میں سر رکھ کے اس کے اعلیٰ ہونے کا اعتراف بھی کیا ـــــ اور بیٹھ کر اپنے گناہوں کی بھی معافی مانگی ـــــ غرض سب کچھ کیا آپ نے نماز میں ـــــ پھر اس کے بعد واحد اللہ شریک ہونے کی شہادت بھی دی ـــــ محمد کے عبد و رسولؐ ہونے کی گواہی بھی دی ـــــ اور سب کچھ کہنے کے باوجود نماز وہیں ہے ۔

اب تم اپنی نماز سے کہتے ہو "قبول ہو جا ـــ"

تو نماز جواب میں کہتی ہے "میں نے قبول خاک ہونا ہے "

پھر ہم پوچھتے ہیں "کیوں ـــــ کیا بات ہے؟"

تو نماز کہتی ہے

"مجھے ملکِ قبول میں جانا ہے ——— اور اس ملک میں جانے کے لئے مجھے پاسپورٹ چاہئے ——— پاسپورٹ کے بغیر میں کیسے جاؤں گی ———"

نمازی بھائیو!

اب اتنی لمبی پڑھی ہوئی نماز! ٹھہری ہوئی ہے بغیر پاسپورٹ کے ———

اب نماز کہتی ہے

"میرا پاسپورٹ کیا ہے؟"

——— تو ہم نے عرض کی

"آپ خود ہی بتائیں"

اب نماز بولی!

"میرا پاسپورٹ یہ ہے کہ ——— جب تک نماز میں محمد و آل محمد پر درود نہ آئے۔ میں کیسے جاؤں اس ملکِ قبول میں ———"

لہٰذا اتنی لمبی چوڑی نماز! ٹھہری ہوئی ہے کہ جب تک محمد و آلِ محمد پہ درود نہ بھیجا جائے۔ میں کیسے جاؤں۔

بہر نوع۔ محمد و آلِ محمد پہ درود پڑھو تو نماز ہو جائے گی ——— اب اگر میں درود یہ پڑھ دوں "اللّٰھم صل علیٰ محمد" ——— نماز ہو گئی؟

——— نہیں"

معلوم ہوا کہ درود میں محض "محمد" کا نام لینے سے نماز نہیں ہوتی ——— اس لئے کہ محمد کا نام۔ تو ہم پہلے بھی لے چکے ہیں "——— اور ——— جب تک وہ نام نہ لو۔ جو اب تک نہیں لیا ——— اس وقت تک نماز نہیں ہوتی ——— ہم اللہ کا نام بھی لے چکے ہیں۔ محمد کا نام بھی لے چکے ہیں ——— یہ صرف لفظ "آلِ محمد" ہے جس کی بدولت نماز ہو گئی ——— اور اگر میں نے از راہِ عقیدت یہ کہہ دیا

"اللّٰھم صلِ علی محمدؐ و آلہ۔ آلِ محمد و آلہ اصحابؓ" ہو تو ہر مکتبِ فکر یہ کہتا ہے

کہ نماز کے علاوہ اگر یہ درود پڑھو تو سبحان اللہ ! ____ مگر نماز میں تم نے "آلِ محمد"

کے علاوہ کوئی اور نام لے لیا۔ تو نماز غلط ہو جائے گی۔

بس یہاں سے فرق کا پتہ چل جاتا ہے "آلِ محمد" میں اور "دوستانِ محمد" میں۔۔۔

کہ آلؑ کا نام نہ لو ____ تو نماز نہیں ہوتی ____ اور اصحابؓ کا نام لے لو ____ تو نماز نہیں ہوتی۔

بہرحال۔ یہ حکمِ خدا ہے جو ہمیں آلِ محمد کی طرف لے جاتا ہے کہ ان سے واسطہ رکھو تو نماز

نماز ہو جائے گی ____ ہر عمل، ہر عبادت محمدؐ و آلِ محمد کے ساتھ وابستہ ہے تو سب کچھ

ہے ____ اس لئے یہ سب چیزیں تعلق رکھتی ہیں "دینِ اسلام"۔۔ سے

اور "دینِ اسلام" وہ شے ہے ____ جس سے حضراتِ محمد و آلِ محمد نے دنیا کو روشناس کیا

ہے ۔۔۔ انہوں نے پہنچایا دنیا کو کہ اسے کہتے ہیں "دینِ اسلام" __ یہ شے ہے "اسلام"۔

اس کے معنی ہیں "اسلام" ____ یہ سمجھایا ہے ہمیں محمدؐ و آلِ محمدؐ نے ____

سامعین !

آج تو ہماری حالت ہی اور ہے ____ آج تو آزادی کا دور ہے ____ ہر شخص دنیا میں آزاد

ہے ____ اور اس آزادی کے دور میں ہر شخص یہ کہتا ہے کہ ____ "بس میری بات ہی

حرفِ آخر ہے" ____

"میں کہتا ہوں" "میں یہ کہتا ہوں" آج ہے "میں" کا زمانہ

اور اگر آج کی نئی پود سے پوچھو

"بھئی۔ اسلام کیا ہے۔ دین کیا ہے؟"

"بس۔ وہی جو ہم کہہ رہے ہیں"

آج تو دنیا میں ہر شخص آزاد ہے وہی کہتا ہے جو اپنے ماحول سے متاثر ہو کر دیا ہے

اور ہماری سمجھ تو اتنی ہے کہ میرا ایک عزیز ملنے والا جو تقریباً تین برس ہوئے

کا ایم اے پاس ہے۔ وہ ایک دن مجھے ملنے آیا۔ پندرہ۱۵ تاریخ تھی ماہ شعبان کی۔ شب برات کا دن تھا ——— اور میری بچی ضد کر رہی تھی

"ابا! آج پندرہ شعبان ہے"۔

میں نے کہا

"پھر کیا ہے"

تو وہ بچی بولی ——

"بابا —— آج تو شب برات ہے"

میں نے کہا

"ہاں بیٹیا —— آج شب برات ہے"

بچی بولی

"آج تو ہمارے امامؑ کی پیدائش کا دن ہے"

میں نے کہا

"ہاں بیٹیا —— ٹھیک ہے ——— مگر تم کیا چاہتی ہو؟"

تو بچی نے کہا

"بابا۔ آتش بازی چلائیں گے ———"

میں بولا

"نا بیٹیا ——— مولوی صاحبان کا فتویٰ ہے کہ آتش بازی نہیں چلانی چاہیئے ——— اتنا پیسہ بھی حلوے میں لگاؤ ———————"

مگر وہ بچہ ضد کر رہا تھا ——— بھلا معصوم کی ضد کو کون روکے ——— آخر اسی تین یونیورسٹیوں کے پڑھے لکھے نوجوان کو میں نے تین روپے دیدیئے اور کہا

"برخوردار!

تم تین یونیورسٹیوں کے پڑھے لکھے ہو ـــــ ذرا تین روپے لے جا کے انار تو لے آؤ ـــــ

بچی ضد کر رہی ہے کہ شب برات ہے ـــــ اور دیکھنا انار ذرا اچھے ہوں ـــــ ۔

وہ برخوردار روانہ ہو گئے ـــــ اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے ـــــ

اور رومال میں بندھے ہوئے انار میرے سپرد کر دیئے

"وزیدی صاحب!

بہترین قندھاری لایا ہوں"

سامعین! اب آپ بتائیے ـــــ لایا انار ہی مگر صحیح لایا ـــــ ؟

"نہیں" غلط لایا ـــــ تین یونیورسٹیوں کا ایم اے پاس ـــــ تین روپے

کے انار لایا ـــــ پر ایمان سے بتاؤ ـــــ صحیح لایا؟

غلط لایا۔ آخر صبر کر کے خاموش ہو گیا۔

"اچھا بھئی"

ایم اے ہونا اور بات ہے۔ بات کا سمجھنا اور بات ہے ـــــ ۔

اب جو بچی کو میں نے بلایا

"بیٹی ـــــ انار آگئے ـــــ "

جناب! انار دیکھتے ہی اس کے چہرے پر تو پھلجڑیاں چھوٹ گئیں ـــــ اور وہ بچی

پورے غصے میں بولی "یہ انار کون لایا ہے"

بہرحال۔ معصوم کی فرمائش اور تھی ـــــ لانے والے کی سمجھ اور تھی ـــــ خیر صبر کر لیا ـــــ

میں نے کسی اور کو بھیج کر انار منگوا لیے ـــــ آج اس دن کے بعد وہی برخوردار

پھر ملنے آگئے ـــــ اس دن بچی کی طبیعت کچھ خراب تھی ـــــ ڈاکٹر نے انار بتایا تھا

ـــــ اور آدمی کوئی تھا نہیں اس وقت میرے پاس ـــــ آخر میں نے ان کو ہی پیسے دے

دیئے اور کہا

"بیٹا! ذرا تکلیف کرو۔ آدھ سیر انار لے آؤ ـــــ"

مگر اس دن کے ڈرے ہوئے اب جو انار لائے تو بہترین آتش بازی کے انار لائے

سامعین! لایا انار ہی ہے ـــ دونوں مرتبہ انار لایا ـــــ مگر

ایمان سے بتاؤ صحیح لایا؟ ــــ "نہیں" ـــ غلط لایا ـــــ

اپنی زبان۔ آسان سا لفظ ـــ روزمرہ استعمال ہونے والا لفظ ـــ اور

وہ بھی پڑھا لکھا آدمی ـــ غلط بھی نہیں لایا ـــ کوئی یہ بھی نہیں

کہہ سکتا کہ غلط لایا ـــ انار ہی لایا مگر غلط لایا ـــــ

ایسے غلط کو صحیح کہہ دینا ـــ چاہے وہ ایک لایا ہو ـــ چاہے دو لایا ہو یا چھ لایا ہو۔

کچھ بھی ہو ـــ صحیح کہہ دینا ایسے عمل کو۔ یہ بھی غلط ہی بات ہوئی ـــ کیوں؟

محل کو نہ سمجھا ـــ موقع کو نہ سمجھا ـــ وقت کو نہ دیکھا ـــ حالات کو نہ دیکھا ـــ یہ نہ پتہ چلا

تاریخ کیا ہے ـــ یہ نہ پتہ چلا آج موقع و محل کیا ہے ـــ اور ایک موقع و محل نہ سمجھنے سے

ایک پڑھا لکھا آدمی! صحیح چیز لاکر بھی غلط ہو گیا ـــــــــــــــــ اور

اتنا غلط کار انسان! اگر قرآن ہاتھ میں لے کر یہ کہے کہ

"میں سمجھ گیا" ــــــــ ارے، تو تو انار نہیں سمجھا ـــ محل تجھے کیا معلوم! ـــــ

تجھے کیا پتہ کہ یہ بات کب کہی تھی ـــ کہاں کہی تھی ـــ کس سے کہی تھی ـــ کس نے کہی تھی

کس وقت کہی تھی ـــــ یہ صرف تیری قیاس آرائی ہے

"دیکھئے صاحب! میں سمجھ گیا ـــــ"

"بھئی! کیا سمجھا؟"

"قرآن مجید میں لکھا ہے کہ رسولؐ ہم جیسا بشر ہے" ـ "انا البشر مثلکم"

"صحیح ـــ ٹھیک ہے ـ لکھا ہے کہ "میں تم جیسا بشر ہوں" ـ مگر یہ آیت اللہ نے

کب نازل کی تھی ـــ کہاں نازل کی تھی ـــ اللہ نے کب یہ فقرہ رسولؐ سے کہلوایا تھا ـــــ

بتاؤ تو سہی ایمان سے ۔۔۔۔ جب ابوجہل سامنے بیٹھے تھے۔ جب کہا تھا رسولؐ نے "میں تم جیسا ہوں" ۔۔۔۔ جنگ بدر میں جو رسولؐ سے لڑ رہے تھے، اُن کافروں سے رسولؐ نے کہا تھا "میں تم جیسا ہوں" ۔۔۔۔ جنگِ اُحد میں جو لڑ رہے تھے۔ رسولؐ اُن سے کہہ رہے تھے "میں تم جیسا ہوں"؟

"نہیں جناب! یہ اُن سے نہیں کہا تھا کہ میں تم جیسا ہوں"

"پھر کس سے کہا تھا ۔۔۔۔ فرق تو نکلا ہی آخر ۔۔۔۔

پھر عام بات تو نہ رہی ۔۔۔۔ سارے مسلمانوں سے وہ کہہ نہیں سکتے ۔۔۔۔ چند مسلمان ایسے تھے جو عمر بھر کافر رہے اور آخر دنوں میں مسلمان ہو گئے ۔۔۔۔ پھر کس سے کہا رسولؐ نے کہ میں "تم جیسا ہوں" ۔۔۔۔ کوئی خاص موقع ہو گا نا کہنے کا ۔۔۔۔"

اے حضور والا!

بات مختصر کرتا ہوں ۔۔۔۔ حلقہ محدود ہوتا جا رہا تھا ۔۔۔۔ اور محدود ہوتے ہوتے جب ایک چادر میں سمٹ کے آ گئے چار آدمی رسولؐ کے ساتھ ۔۔۔۔ اور جب رسولؐ کو چار چاند لگے ہوئے تھے ۔۔۔۔

تو اس وقت اللہ بھی خوش تھا ۔۔۔۔ رسولؐ بھی خوش تھا ۔۔۔۔ چادر میں سب بیٹھے تھے ۔۔۔۔ اپنا ماحول تھا ۔۔۔۔ اپنا گھر تھا ۔۔۔۔ اپنی جگہ تھی ۔۔۔۔ اپنا کنبہ تھا ۔۔۔۔ اپنا داماد تھا ۔۔۔۔ اپنی بیٹی تھی ۔۔۔۔ اپنے بیٹے تھے ۔۔۔۔ سب اپنے ہی اپنے تھے

اور "اپنے" کا لفظ! اتنا پیارا ہوتا ہے کہ خدا جانے ۔۔۔۔ لفظ "اپنا" اور لفظ "پیارا"، خود بخود آ جاتا ہے ۔۔۔۔ جس طرح اپنا گھر ۔۔۔۔

اپنا کنبہ ۔۔۔۔ اپنا خاندان ۔۔۔۔ اپنا ماحول ۔۔۔۔ اپنا داماد ۔۔۔۔

اپنی بیٹی ۔۔۔۔ اپنے بیٹے ۔۔۔۔ چادر میں سب بیٹھے تھے

اور اتفاق سے امیرالمومنینؑ نے یہ پوچھ لیا۔

"یا رسولؐ اللہ!

ہم جو اس وقت اکٹھے بیٹھے ہیں چادر میں — اللہ کے نزدیک اس کی فضیلت کیا ہے؟"

رسولؐ نے فرمایا

"سبحان اللہ — اس کو اگر کوئی بیان ہی کرنے لگے — تو اس کی تمام حاجتیں پوری ہو جائیں گی —"

علیؑ نے کہا

"حضورؐ کے صدقے میں ہمیں بڑی سعادت نصیب ہوئی ہے —"

رسولؐ مسکرا دیئے اور پیار سے بھائی کی پیشانی چوم لی — اور فرمایا —

"تم میرا شکریہ نہ ادا کرو — میں بھی تم جیسا ہوں —" اور اسی وقت اللہ نے آیۂ تطہیر بھی نازل کر دی۔

بہرنوع — قرآن سمجھنے سے پہلے — موقع دیکھئے — محل دیکھئے کہ یہ بات رسولؐ نے کب کہی تھی — کہاں کہی تھی — کس سے کہی تھی — کس وقت کہی تھی — تب جاکر تمہیں کہیں قرآن کی سمجھ آئے گی۔

اور یاد رکھو بزرگو!

قرآن اللہ کی کتاب ہے — اور آلِ محمدؐ اس کتاب کے محافظ ہیں (حاکم نہیں) وہ اس کتاب کے محافظ ہیں۔ اور کتاب ان کی محافظ ہے — اور مصنف نے اس نزاکت کے ساتھ یہ کتاب کو لکھا ہے۔ کہ عربی زبان "منتخب کی ہے اس کتاب کے لئے — اور عربی گرامر کی اتنی احتیاط ہے اس اللہ کی کتاب میں کہ جہاں زبر ہے۔ وہی رہے گا — جہاں زیر ہ ہی رہے گا

اب اللہ کے زبر کو کوئی زیر کر دے — اور زیر کو کوئی زبر کر دے۔

تو سارا ایمان زیر و زبر ہو جائے گا ـــــ یہ کتاب اسلام کا نظریہ ہے۔ یہ کتاب اسلام کا قول ہے ـــــ مگر آلِ محمد عمل کر کے بتاتے ہیں اس پر، کہ اس میں یہ لکھا ہوا ہے ـــــ اسے یوں کرنا ہے ـــــ اسے اس طرح کرنا ہے ـــــ

دیکھو نا!

تعلیم کا قاعدہ بھی ہے (لفظ "قاعدہ" یاد رکھنا) کہ معصوم بچہ گیا مدرسے میں پڑھنے ـــــ اور سامنے آ گئی ایک کتاب ـــــ جس کا نام ہے "قاعدہ" (جو کتاب معصوم کو پڑھائی جائے اسے "قاعدہ" ہی کہتے ہیں) اور اس قاعدہ میں معصوم کو پڑھایا کیا جاتا ہے ـــــ

"الف" ـــ "ب"

نرا "الف" ـ "ب" ہی نہیں ـــــ بلکہ بچے کو ذہن نشین کرانے کے لیے "الف" کے سامنے "الف سے آم" "ب سے بکری" اور "ش سے شیر" نرا پڑھایا ہی نہیں جاتا ـــــ بلکہ سامنے "آم" ـــ "بکری" اور "شیر" کی تصویر بھی بنی ہوئی ہوتی ہے ـــــ تاکہ بچہ صرف "ش سے شیر" ہی نہ رٹ لے ـــــ بلکہ وہ شیر کی تصویر بھی دیکھ لے

بہر نوع۔ یہ ہے بچوں کو سکھانے کا "قاعدہ" ـــــ محض کتاب ہی نہ رٹاؤ ـــــ پڑھ رہے ہو۔ اس کی تصویر بھی دکھاؤ ـــــ لہٰذا خدا بتاتا ہے "یوں کرتے رہو" اور آلِ محمد اس کی تصویر ہیں ـــــ اس کی تعبیر ہیں ـــــ بغیر ان کے تعلق کے تمہاری پڑھائی ادھوری رہ جائے گی ـــــ گویا بغیر تعلق آلِ محمدؑ نہ کتاب پوری ہو سکتی ہے اور نہ کافی ہو سکتی ہے ـــــ کتاب ہے "لا ریب فیہ" اور اس کی تصویر وہی بن سکتا ہے۔ جو "لا عیب فیہ" جس میں کوئی عیب ہی نہ ہو۔

سامعین!

ایک بات بتاؤ ـــــ جو سو روپیہ کا نوٹ ہوتا ہے اس کے کاغذ کی بازار میں کیا قیمت ہے؟ بعد پر جلد بندی، چھپائی وغیرہ کے تقریباً

چار آنے قیمت ہوگی۔ اصل قیمت ہے اس کاغذ کی چار آنے ۔ اور
بازار میں اسی کاغذ کی قیمت ہے ایک سو روپیہ۔
اب بتاؤ ۔۔۔ کیوں ؟
معلوم ہوا ۔۔۔ کہ اس سو روپیہ کے نوٹ پر یہ ضمانت لکھی ہے
یا بتائی گئی ہے کہ یہ کاغذ جو تمہیں دیا جا رہا ہے ۔۔۔ یہ نرا کاغذ نہیں
ہے بلکہ سو روپیہ کا سونا گورنمنٹ کے خزانے میں محفوظ ہے ۔۔۔
اور یہ اس محفوظ شدہ ہونے کی رسید ہے ۔۔۔ اور اگر وہ خزانے میں
سو روپیہ کا سونا نہ ہے تو یہ کاغذ صرف چار آنے کا ہے ۔۔۔
اگر سو روپیہ کا سونا محفوظ ہے گورنمنٹ کے پاس تو اس کاغذ کی قیمت
سو روپیہ ہے گویا بازار میں کاغذ کی قیمت جب ہی ہوتی ہے۔ جب
اس کا ہم قیمت کہیں محفوظ ہو ۔۔۔ اسی طرح اللہ کی کتاب کی قیمت جب ہے
جب اس کی قیمت کی کوئی شے کہیں محفوظ ہو ۔۔۔ کہیں غائب ہو ۔۔۔ اور اگر وہ نہیں ہے
تو پھر کاغذ۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ صاحب !
محفوظ کی کیا ضرورت ہے ۔۔۔ ہماری کتاب ہے ۔۔۔ ہم جب چاہیں بازار سے
خرید کر لا سکتے ہیں ۔۔۔ قرآن کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ حضور والا ! ہماری کتاب
ہونا اور بات ہے ۔ ۔۔۔ اور صاحب کتاب ہونا اور بات ہے

سامعین ! یوپی میں ایک پنڈت نولکشور، ایک بہت بڑا دولت مند شخص گذرا ہے۔
وہ کتابیں چھاپتا تھا ۔۔۔ لاکھوں قرآن مجید چھاپ دیئے انہوں نے ۔۔۔ یہاں تک کہ ہماری
تمام مسجدوں میں ہندوستان کی، ایران کی اور کابل کی مسجدوں میں کشور کے چھپے ہوئے قرآن
موجود تھے ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ اتفاق سے والیٔ کابل ا

تشریف لائے ہندوستان میں ـــــــ آج سے تقریباً پچاس سال پہلے کی بات ہے۔ وہ جب لکھنؤ آئے۔ اور شاہی مہمان ٹھہرے ـــــــ اور لکھنؤ کے معززین انہیں ملنے گئے ـــــــ تو پنڈت۔ نولکشور بھی گیا ـــــــ وہ بھی ایک معزز دولت مند آدمی تھا ـــــــ اس نے جاکر سلام کیا

والئ کابل نے پوچھا

"تم کون ہو؟"

نولکشور نے جواب دیا

"میں نولکشور ہوں"

"اچھا۔ آپ کیسے آئے ـــــــ"

"حضور! سلام کو یہاں آیا ہوں ـــــــ میں نے لاکھوں قرآن چھاپے ہیں ـــــــ"

تو والئ کابل حیران ہوکر پوچھتا ہے

"تم ہو نولکشور!

میں تو یہ سمجھا تھا کہ نولکشور کسی ملک کا نام ہے ـــــــ"

اب شاہ بہت خوش ہوا ـــــــ اور کشور کو اپنے ساتھ بٹھا لیا ـــــــ اور تھوڑی دیر کے بعد شاہ کا ناشتہ آیا ـــــــ وہ لکھنؤیوں کا ناشتہ ـــ جس میں بھنے ہوئے گوشت کے سوا اور کچھ ہوتا ہی نہیں ـــــــ اور نولکشور بے چارہ برہمن!

دال روٹی کھانے والا۔

اب شاہ نے کہا

"آؤ کشور! ہمارے ساتھ ناشتہ کرو ـــــــ"

اب شاہی حکم ہے۔ وہ بے چارہ بڑا حیران ـــــــ آخر اس نے لرزتے ہوئے کہا

"حضور! میں تو ہندو ہوں"

اب والیٔ کابل نے حیران ہو کر پوچھا

"کیا کہا تم نے ـــ ہندو ہو ـــ تم مسلمان نہیں ہو ـــ"

"حضور! نہیں ہوں"

"پھر تم نے قرآن کیوں چھاپا؟"

حضور والا! قرآن چھاپنا اور بات ہے ـــ مسلمان ہونا اور بات ہے ـــ قرآن چھاپنے والا ضروری نہیں کہ مسلمان ہو ـــ اور کبھی قرآن جمع کر کے چھاپ دینے سے xxxx یہ اور بات ہے ـــ یہ کون سا کمال ہے ـــ یہ کام تو نولکشور بھی کر سکتا تھا۔

بہر نوع، قرآن چھاپ لینا اور بات ہے ـــ صرف اور صرف محمدؐ و آلِ محمدؐ ہی ایسے ہیں جو اپنے عمل سے سمجھاتے ہیں ـــ اپنے قول سے سمجھاتے ہیں ـــ اور کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ کر دیتے ہیں۔ قرآن پھر بتاتا ہے "یہ کر دیا"۔

"یہ ٹھیک ہے" ـــ تو قرآن کے ساتھ آلِ محمدؐ کا ایسا ساتھ ہے کہ یہ کبھی چھوٹ سکتا ہی نہیں۔

میرے محترم سامعین!

یاد رکھو ـــ میرے اس فقرے کو کہ کتاب ہے "لَا رَیْبَ فِیْهِ" اور اسے سمجھا وہی سکتا ہے جو ہو "لَا عَیْبَ فِیْهِ" ـــ اس بے عیب کو بے عیب انسان ہی سمجھا سکتا ہے ـــ اس معصوم کتاب کو معصوم ہی سمجھا سکتا ہے ـــ اور اسلام میں بذاتِ خود کوئی نقص نہیں ـــ ہماری سمجھ میں نقص ہے ـــ اور ہماری ناسمجھی سے جو ہمارا بگڑا ہوا اسلام ہے۔ اس میں نقص آجاتا ہے ـــ پھر آ کے آلِ محمدؐ اس کا علاج کرتے ہیں ـــ اور اگر وہ نہ آئیں۔ تو پھر ہمارا بگڑا ہوا اسلام دنیا میں رائج ہو جائے۔

سامعین! ایک بات آپ سے عرض کر دوں کہ طوفانِ نوحؑ کے بعد حضرت نوحؑ کے تین بیٹے زندہ رہے ـــ ان کے بڑے فرزند کا نام تھا "سام"۔ ـــ اس سے چھوٹے کا

نام تھا "حام" — اور اس سے چھوٹے کا نام تھا "یافث" ان تینوں بیٹوں کی نسل آگے چلی ہے — کچھ سامی نسل ہے۔ کچھ حامی نسل ہے اور کچھ یافثی نسل ہے

دُنیا میں سب سے پہلے جب نظامِ حکومت رائج ہوا تو وہ "سام" جو بڑے بیٹے تھے۔ ان کی اولاد نے سب سے پہلے حکومت قائم کرلی تھی — اور حام اور یافث کی اولاد کو رعایا کرلیا — اب یہ "سام" کی اولاد دُنیا کے مختلف خطّوں میں اس لئے حکومت کرتی رہی۔ کہ ہم "سام" کی اولاد ہیں۔ ہم بڑے بیٹے کی اولاد ہیں — اور یہ ہمارے چھوٹے بھائی "حام" اور "یافث" کی جو اولاد ہے وہ ہماری رعایا ہے — چنانچہ سینکڑوں سال یہی ہوتا رہا کہ "سام" کی اولاد حکومت کرتی رہی محض اس لئے کہ ہم "سام" کی اولاد ہیں۔ اور دُوسرے بھائیوں کی اولاد رعایا محض اس لئے کہ وہ دوسروں کی اولاد ہیں — تو بڑوں کا نظریہ تھا حکومت کرنا۔ اور چھوٹوں کو رعایا رکھنا — اور یہ دماغ میں بس گیا آدمی کے کہ بڑا ہوتا ہی اس لئے ہے کہ وہ حکومت کرے اور چھوٹا ہوتا ہی اس لئے ہے کہ محکوم رہے — تو سام نے اور اس کی نسل نے ہزاروں برس حکومت کرکے انسان کے دماغ میں بٹھا دی یہ بات کہ چھوٹوں کو رعایا بننا چاہیئے اور بڑوں کو حاکم ہونا چاہیئے — گویا آج تک ہر آدمی کے دماغ میں یہ موجود ہے کہ جو حکومت محض اسلئے حکومت کرے — ہم بڑے ہیں — اسلئے حکومت کریں کہ ہمارے پاس دولت ہے، لہذا حکومت ہے — ایسی حکومتیں جو بے قابلیت کے محض بڑے پن پہ حکومت کریں — ایسی حکومتیں آج دُنیا میں "سامراج" کہلاتی ہیں۔

بس یہی بات تھی حضورِ والا!

کہ انسان کی ناسمجھی نے "اسلام" کے انتظام کی ذمّہ داری شام کے ایک نا اہل شہزادے کے سپرد کردی — وہ شام کے تخت پر بیٹھ گیا — اور دُنیا نے اس تخت نشین کے سپرد اسلام کا نظام کردیا — اس نے اعلان کردیا کہ — "میں جانتا ہوں۔ اسلام

کا نظام کیا ہے ؟"

بس یزید لعین کا یہ اعلان کرنا تھا کہ " اسلام کا امیر میں ہوں ــــ " ــــ اسلام کا نظام میرے پاس ہے ــــ " اسلام پر تو جناب عجیب و غریب کیفیت طاری ہو گئی ــــ اسلام تو لرزہ براندام ہوا ــــ اس کی تو شکل ہی وہ نہ رہی ــــ اس کا تو طریقہ ہی وہ نہ رہا ــــ ایسی بیماری لگی ' اسلام " یزید لعین نامی بیماری ۔ کہ اسلام تو مرنے کے قریب ہو گیا ــــ اور جب بالکل مرنے کے قریب ہو گیا ــــ تو اسلام ایک ایک سے کہتا ہے ــــ

" اسلام کے ٹھیکیدارو!

اسلام کے دعویدارو! مجھے " یزید لعین " نامی بیماری لگ گئی ہے ــــ کوئی ہے جو مجھے بچا لے ــــ مجھے جھوٹی حدیثوں کا زہر پلا دیا گیا ہے ــــ مجھے جھوٹے فتووں کا زہر پلا دیا گیا ہے ــــ مجھے آمریت نے تباہ کر کے رکھ دیا ہے ــــ مجھے زبردستی کی حکومت نے برباد کر دیا ہے ــــ اور

ــــ ادھر سامراج یزید لعین تھا ــــ اس نے تختِ حکومت پر بیٹھ کر جو نظر ڈالی ہے اپنے نقشہ پر ــــ دیکھا کہ اتنی دنیا ہمارے زیرِ نگیں ہے ــــ اتنے لوگ ہمیں سلام کرنے والے ہیں ــــ اتنے بڑے بڑے مقدسین اور دستارانِ مذہب ! ہمارے چوکاٹھوں کے پائے پکڑے پھرتے ہیں ــــ بڑے بڑے محافظانِ دین اپنی ریشِ مبارک سے ہمارے آستانوں کی جاروب کشی کر رہے ہیں ــــ ہر شخص بچا سرکار ! بچا سرکار کہہ رہا ہے ــــ پس وہ " دین کا مالک بن کے بیٹھ گیا ــــ اور اس کے دین کے مالک بننے سے " دینِ اسلام " بیمار ہو گیا ــــ اور بیمار بھی اتنا کہ مرنے کے قریب ہو گیا ــــ اور آوازیں دے رہا ہے ــــ " مجھے بچاؤ ــــ "

مگر کسی کو کیا غرض پڑی ہے جو بیمار کو بچاتے ــــ کسی کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ بیمار کی

تیمارداری کرے ـــــ یہ تو وہی بیچاتیں گے تاجر اپنے گھر والے ہوں ـــــ

آخر "اسلام" کی آواز فضا میں گونجتی ہوئی اُس کے کان میں پہنچ گئی۔ جن کے گھر کہہ رہی تھی ـــــ:

"ہمیں کس نے پکارا ہے؟"

"ہمیں کس نے آواز دی ہے؟"

"یہ کون کہہ رہا ہے ہم مرنے کو تیار ہیں؟"

"بہن! ذرا پہچانو تو ـــــ ہمیں مدد کے لئے کون پکار رہا ہے؟"

آخر بہن بھائی نے پہچان لیا ـــــ

"ارے یہ تو اسلام ہے" "کیوں اسلام کیا بات ہے!"

اسلام نے عرض کی ـــــ

ـــــ "حضور! میں بیمار ہو گیا ہوں ـــــ میں تو مریض ہو گیا ہوں ـــــ میں تو مرنے کو تیار ہوں ـــــ"

"حسینؑ"!

مجھے آکے بچاؤ

تمہارا میرا رشتہ ہے حسینؑ!

جس گھر میں تم پیدا ہوئے

ـــــ اسی گھر میں میں پیدا ہوا ـــــ جس گود میں تم پلے! حسینؑ! اسی گود میں میں پلا ہوں ـــــ بس فرق اتنا ہے ـــــ

حسینؑ!

میں محمد کے سینے میں پل رہا تھا ـــــ تو محمد کے سینے میں پل رہا تھا ـــــ

محمدؐ کی زبان سے الفاظ نکلتے تھے تو تیری غذا بنتے تھے اور محمدؐ کی زبان سے دودھ نکلتا تھا تو تیری غذا بنتا تھا ________

—— اور حسینؑ!

—— بچپن میں ہم ساتھ کھیلتے تھے

حسین!

—— یاد نہیں! اکٹھے کھیلا کرتے تھے ——"

دیکھو نا!

—— رسولؐ نماز پڑھ رہے تھے —— یہ اسلام تھا یا نہیں —— ادھر سے حسینؑ آ گئے —— دونوں بچپن کے ساتھی —— حسینؑ کو دیکھتے ہی اسلام نے سجدے میں آواز دی ________

"آؤ حسین کھیلیں ——"

حسینؑ آ کے کمر پہ بیٹھ گئے اور رسولؐ سجدے میں —— اسلام بھی ہے اور حسینؑ بھی ہے۔

"یہ بچپن کا کھیل تجھے یاد ہے نا حسینؑ! —— اور جب تک تیرا دل نہیں بھر گیا تھا —— میں نے سر نہیں اٹھایا تھا ________

اور حسینؑ!

تو کمر پہ بیٹھا تھا اور پیچھے نمازیوں کی صفیں تھیں۔ انہیں یہ شک ہو رہا تھا کہ رسولؐ پر "وحی" آ رہی ہے —— آخری بڑی دیر بعد رسولؐ نے سجدے سے سر اٹھایا ________"

روایتیں تو کہتی ہیں کہ بہتر ۷۲ دفعہ سُبحان ربّی الاعلیٰ کہا حسینؑ گنتے رہے۔ جب بہتر ۷۲ پورے ہو گئے تو اتر آئے ________!

پہنچے گھر ـــــ ماں کو سلام کیا۔

"اماںؑ! سلام"

"حسینؑ کہاں گئے تھے؟"

"اماں ـــــ مسجد میں گئے تھے ـــــ"

اب ماں نے پوچھا!

"حسینؑ! نانا کیا کر رہے تھے ـــــ؟"

حسینؑ نے جواب دیا ـــــــــــ

"اماںؑ! ناناؐ نماز پڑھ رہے تھے"

"پھر تم نے کیا کیا؟"

"اماںؑ! میں سجدے میں نانا کی کمر پہ بیٹھ گیا تھا ـــــ اور بڑی دیر بیٹھا رہا ـــــ ناناؐ "سُبحان ربی الاعلیٰ" کہتے رہے ـــــ جب میں اُتر آیا۔ تب ناناؐ نے سر اُٹھایا ـــــ"

تو سیدہؑ نے فرمایا

"بیٹا حسینؑ! ناناؐ کو تکلیف ہوتی ہو گی ـــــ"

اب جو بی بیؑ نے یہ فرمایا تو حسینؑ پورے جوش میں فرماتے ہیں ـــــ

"اماںؑ" سُن میری بات ـــــــــــ

اگر میرے کمر پہ بیٹھنے سے سجدے میں ناناؐ نے محسوس کیا ـــــــ

تو اماںؑ! میں تیرے دودھ کی قسم کھا کے کہتا۔ کہ اس سجدے کا بدلہ نہ اُتار دوں تو حسینؑ نام نہ رکھنا ـــــــــ میرے حرف نے رہا اس سجدے کا بدلہ۔ میں اُتار دوں گا اس سجدے کا بدلہ ـــــ اور بدلہ اس طرح اُتاروں گا "اماںؑ! ناناؐ نے تو سر اُٹھایا تھا سجدے سے

چاہے۔ دیر میں اُٹھایا تھا ــــــــــــــــ مگر
ہاں! میں ایسا سمجھ کروں گا اس کے بدلے میں کہ اسے تو خود دکھوں
گا سجدے میں ــــــ مگر خود نہیں اُٹھاؤں گا ــــــ "قاتل
اُٹھا کے لے جائیں گے۔ میں نہیں اُٹھاؤں گا ــــــ"

آج اسلام کہہ رہا ہے حسینؑ سے ــــــ!
"آ حسینؑ مجھے بچا ــــــ"
حسینؑ نے اسلام کی نبض دیکھی ـــ اس کا پسینہ دیکھا ـــــ چاروں طرف سے اُسے جانچ
کے دیکھا ــــــ اور حسینؑ کی بصیرت نے اسلام کا ایکسرے کر لیا ـــــ اس کی
بیماری کو اچھی طرح سمجھ لیا ـــ اس کا دل دیکھا ـــــ دماغ دیکھا اور فرمایا ـــ
"مریض کی حالت خراب ہے ــــ اسے تو خون دیا جائے گا۔"
ڈاکٹر صاحبان کہتے ہیں ـــ کہ خون دینا مریض کا آخری علاج ہے
یہ آج کل کے ڈاکٹروں کی ایجاد نہیں ـــــ یہ حسینؑ نے ایجاد کی تھی
"اسلام تو مریض ہے ــــ اسے خون دیا جائے گا ــــ مگر ہر خون نہیں ـــــ وہ خون
ـــــ جو مریض کے خون سے مطابقت کرے ــــ"

سامعین!
اسلام کا خون بھی دیکھو ــــ اور جو خون دینے آئے ہیں اُن کا خون بھی دیکھو
ــــ اگر اسلام کے خون کے ساتھ مطابقت کرتا ہو تو لیا جائے گا ـــــ اور
مطابقت نہ کرتا ہو تو انہیں شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا جائے گا ـــــ وہی خون
لیا جائے گا جو اسلام کے خون کے ساتھ مطابقت کرتا ہو ــــ ورنہ ہر خون ہر مریض کو نہیں
دیا جاتا ـــــ غلط خون سے مریض کو تکلیف ہو جاتی ہے ـــــ اب اسلام کو وہی خون
دیا جائے گا جو اسلام کے خون سے مطابقت کرتا ہو۔

اسلام دینِ معصوم ہے ـــــ اسے وہ خون دیا جائے گا جو دینِ معصوم کا خون ہو گا۔
ـــــ اور یہی تو تلاش تھی حسینؑ کی۔ اور کیا ہے ـــــ ساتھ تو بہت تھے حسینؑ کے۔ مگر ہر منزل پر کہہ رہا تھا۔

"چلے جاؤ"

جو ساتھ تھے انہیں کہہ رہا تھا "چلے جاؤ" ـــــ اور جو گھر بیٹھے تھے انہیں خط لکھ کے بلا رہا ہے ـــــ "آجاؤ" ـــــ یہاں تک کہ رات کو چراغ گل کر کے کہتا تھا ـــــ۔
ـــــ "چلے جاؤ" ـــــ میں نے اسلام کو خون پہنچانا ہے ـــــ اور خون وہی دینا ہے جو اسلام کے خون سے مطابقت رکھتا ہے ـــــ تاکہ اسلام زندہ رہے ـــــ وہ کبھی مرنے نہ پائے ـــــ"

تو ہر وہ شخص! جو خون دینے آیا تھا اسلام کے نام پر ـــــ اُسے یہ خیال پیدا ہو گیا
"اللہ جانے میرا خون اسلام کے خون سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں"

اسی خیال کے ماتحت جوان یہ سوچنے لگے

"اللہ جانے۔ کل ہماری باری آئے گی یا نہیں"

بوڑھے اور جوان تو سمجھدار تھے ـــــ چھوٹے بچے بھی یہ سوچنے لگے ـــــ:

"اللہ جانے۔ کل ہمارا خون اسلام کے لئے حسینؑ لیں گے یا نہیں ـــــ"

اور حضور والا!

آج آپ کو ایک بچے کی بات سناتا ہوں ـــــ اُسے فکر ہو گئی کہ میرا خون بھی کل کام آئے گا یا نہیں ـــــ؟

اور بچو! تم نے غور سے سنا ہے ـــــ تمہارے ہم سِن شہید کی بات ہے ـــــ کہ اسے فکر ہو گیا کہ اللہ جانے میرا خون اسلام کے قابل ہے بھی یا نہیں۔

شبِ عاشور ـــــ رات کے دو بجے کا وقت ـــــ اور حسینؑ بیٹھے تھا

مصلے پر ___ اور راز و نیاز ہو رہا ہے عبد و معبود کے درمیان ___ دُنیا سے بے خبر ہیں حسینؑ ___ اللہ سے لو لگائی ہوئی ہے ___ اور اچانک انہیں محسوس ہوا کہ قریب کوئی آکے بیٹھا ہے ___ آنکھ کھولی ___ دیکھا ___ اور دیکھتے ہی حسینؑ کا دل بے چین ہو گیا ___ بچے کو اٹھا کے گود میں بٹھایا ___ کلیجے سے لگایا ___ اور فرماتے ہیں۔

"بیٹا قاسمؑ!
تم رات گئے کیوں آتے ہو ___ میں نے کہا تھا اپنی اماں کے پاس رہا کرو ___ مگر تم کیوں آگئے ___"

حسینؑ بچے کا سینہ سونگھتے ہیں اور روتے ہیں

"بیٹا!
تجھ سے بھائی حسنؑ کی خوشبو آ رہی ہے ___ ہائے آج بھائی حسنؑ نہ ہوئے ___:

"حسن بھائی!
میں جنگل میں اکیلا رہ گیا ہوں ___"
مولاؑ نے قاسم کو کلیجے سے لگایا ___ بہت ہی پیار کیا ___ اور پوچھا ___!

"بیٹا!
رات کے وقت کیوں آئے ہو؟"

"قبلہ بابا بات تھی ___ اماں سے میری کچھ باتیں ہو رہی تھیں ___ اور باتوں کے دوران میری ماں یہ کہہ بیٹھیں کہ ___

___ قاسم بیٹا!
میں سیدانی نہیں ہوں ___ میں غیر خاندان کی ہوں ___ تو نے میرا دودھ

پہلے ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ اللہ جانے

میرے دودھ میں تاثیر ہے بھی یا نہیں ــــــــــــــــــــ اللہ جانے

تیری قربانی قبول ہوگی یا نہیں ــــــ "

اور قبلہ!

اماں نے کچھ ایسی باتیں کہیں کہ میرے دل میں یہ اشتیاق پیدا ہوگیا کہ جاکے مولاؑ سے پوچھ آؤں

"میرا خون بھی اسلام کی رگوں میں جائے گا ــــــ کل کے مرنے والوں میں میرا نام بھی ہے ــــــــ؟"

اب جو بچے نے یہ پوچھا ــــــ بارہ سال کا بچہ ــــــ اور یہ پوچھ رہا ہے کہ "کل کے مرنے والوں میں میرا نام ہے یا نہیں ــــــ"

حسینؑ نے تو آنکھیں چوم لیں ــــــ پیشانی چوم لی ــــــ سینے سے لگالیا ــــــ اور بچہ ہے کہ بار بار پوچھتا ہے کہ

"چچا جان!

بتاؤ نا ــــــ کل کے مرنے والوں میں میرا نام ہے یا نہیں ــــــ"

اب مولاؑ "ہاں" "نہیں" کہتے ــــــ پیار کرتے ہیں بار بار ــــــــــــ اور پھر بچہ پوچھتا ہے

"چچا جان!

بتاؤ نا ــــــ کل مرنے والوں میں میرا نام ہے"؟

اب جو بچے نے ضد کی ــــــ تو مولاؑ نے فرمایا

"بیٹا قاسمؑ!

تم تو بڑے ہو ــــــ تیرے چھوٹے بھائی اصغرؑ کا نام بھی ہے ــــــ"

جب امامؑ نے کہا کہ "اصغرؑ کا نام بھی ہے" تو قاسمؑ یا تو گود میں بیٹھے تھے یا ایک دم گھبرا کے کھڑے ہو گئے ـــــــ اور انگڑائی لی تو قبا کے بند ٹوٹ گئے ـــــــ اور پورے جوش میں بولا

"مولاؑ!

یہ آپ نے کیا کہا ـــــــ اصغرؑ شہید ہو گا ـــ یہ نہیں ہو سکتا ـــــ کیا یہ بے حیا فوج ہمارے خیموں تک پہنچ جائے گی۔ کیا یہ اصغرؑ کے گہوارے تک پہنچ جائے گی ـــــــ" امامؑ کو تو بچے کی اس ادا پہ پیار آ گیا ـــــ سینے سے لگایا اور فرمایا

"قاسمؑ بیٹا!

کس کی مجال ہے جو تمہاری زندگی میں خیموں کے نزدیک آئے ـــ"

"جاؤ بیٹا!

اپنی اماں کے پاس جا کر آرام سے سو جاؤ ـــ"

اب قاسمؑ بالکل خاموش ماں کے پاس آ کے بیٹھ گئے ـــــــــــــــــــ

ماں نے پوچھا

"بیٹا! خیر ہے ـــــ اتنے خاموش کیوں ہو"

قاسمؑ نے جواب دیا

"اماں! تم نے رات مجھے واقعات سناتے ہوئے یہ بتایا تھا کہ یہاں سے قریب ہی کہیں "نجف نامی" کوئی جگہ ہے ـــ جہاں میرے دادا دفن ہیں ـــــ"

"ہاں بیٹا ـــ ٹھیک ہے مگر تم کیا چاہتے ہو ـــــــ؟"

"اماں! تم میرے یہ کپڑے اتار دو ـــ مجھے عرب کے فقیروں جیسا لباس پہنا دو میں عراق میں جا کے دادا کی قبر پہ بیٹھنا چاہتا ہوں ـــــ"

اب ماں نے گھبر کے پوچھا

"کیوں بیٹا؟"

"اماں!

میں نے کئی بار مولا سے پوچھا ہے کہ کل کے مرنے والوں میں میرا نام ہے یا نہیں؟—

تو امامؑ نے جواب کوئی نہیں دیا —————— معلوم

ہوتا ہے کہ شاید کل کے مرنے والوں میں میرا نام نہیں ہے —— اس لئے میں

یہاں نہیں رہنا چاہتا —— میں اپنے دادا کے پاس جانا چاہتا ہوں ——"

اب جو ماں نے یہ بات سنی۔ تو اس کا دل بھی بھر آیا —— بچے کا ہاتھ پکڑا۔

اور سیدھی زینبؑ کے پاس آگئی —— آکے سلام کیا اور کہا ——

"بی بیؑ!

تو ملکۂ عالم ہے —— تیری ماں بھی ملکۂ عالم ہے —— ہم تیری ادنیٰ کنیزیں ہیں —

تیرے نعلین اٹھانا ہمارا فخر ہے —————— اور

بی بیؑ!

میں تو تیری ادنیٰ کنیز ہوں —————— مگر

یہ بچہ آخر تمہارا ہی بچہ ہے —— مجھ بیوہ نے اسے بارہ ۱۲ سال پالا ہے ——

اور بی بی! آپ کو علم ہے کہ میں ہر سال اس کی سالگرہ مناتی تھی —— اور ——

ایک بیوہ کا سہارا اس کا بچہ ہوتا ہے —————— اور ہر سال میں آپ سے کہا کرتی تھی

کہ زیادہ دیر نہ لگانا —— جب بارہ ۱۲ سال پورے ہو جائیں۔ تو اس کی شادی کر دینا —

—— مجھے بڑی تمنا ہے اس کی شادی کی —————— اور

آپ نے وعدہ کیا تھا کہ ہو جائے گی۔

بی بیؑ!

اب بارہ ۱۲ سال پورے ہو گئے —————— اور آج میں قاسم کی شادی کرنا

چاہتی ہوں ——— مگر شادی کیسی ہو ——— !

آج میں اس کی شہادت سے شادی کرنا چاہتی ہوں

بی بیؑ !

تم میرے ساتھ حسینؑ کے پاس چلو ——— اور میرے سامنے کہلواؤ کہ ———

"کل یہ بھی شہید ہوگا" تاکہ مجھے بھی اطمینان ہو ——— اور اس بچے کو بھی اطمینان ہو ———"

اے حضورؑ !

قاسمؑ کی ماں کے یہ فقرے سن کر زینبؑ تو گھبرا گئی ——— بھاوج کو ساتھ لیا۔ امامؑ کی خدمت میں پہنچی ——— اور زینبؑ کہنے لگی

"بھابھی جان ! آپ خود بات کریں ———"

اور اتنی شرمیلی خاتون تھی قاسمؑ کی ماں، حسنؑ کی بیوہ ——— کہ آج پہلی دفعہ حسینؑ سے بات کر رہی تھی۔

"حسینؑ !

امامِؑ زمانہ !

امامؑ نے پوچھا

"کون ! ———"

تو قاسمؑ کی ماں بولی

"مولاؑ !

تیری بیوہ بھاوج ہوں ———

تجھ سے بھیک مانگنے آئی ہوں ——— —

حسینؑ اگر آج حسنؑ زندہ ہوتے ——— تو میں نہ آتی ——— میں چونکہ بیوہ ہوں۔ اس سے

مجھے خود آنا پڑ گیا ـــــ میں آج سوالی بن کے حسینؑ! تیرے دروازے پہ آئی ہوں
اپنی ماں کی چادر کے صدقے میں میری بیوہ جھولی میں خیرات ڈال دو حسینؑ!"

اب مولاؑ نے فرمایا

"بھابھی جان! فرمائیے کیا حکم ہے ـــــ؟"

"حسینؑ!

میں تمہاری ادنیٰ کنیز ہوں ـــــ اپنے بھتیجے کا دل نہ توڑ حسینؑ!

اسے بتا دے کہ کل شہیدوں میں اس کا نام بھی ہے ـــــ"

امامؑ نے بچے کے سر پہ ہاتھ پھیرا ـــــ پیار کیا ـــــ کلیجے سے لگایا اور فرمایا

"قاسمؑ کی ماں!

مطمئن رہو ـــــ کل تیری قربانی سب سے زیادہ قبول ہو گی ـــــ"

اور ماں بیٹا دونوں اطمینان سے خیمے میں آ گئے ـــــ اور ماں نے آتے ہی دو رکعت
نماز شکریہ کی پڑھی

"یا اللہ ـــــ تیرا شکر ہے ـــــ میری نیک کمائی نیک راہ میں کام آئے گی

اور میرے سامعین!

یوم عاشور میدان شہادت گرم ہو گیا ـــــ اور قاسمؑ کی ماں اسی طرح مصلّے
پہ بیٹھی ہیں ـــــ اور جب دوپہر کا وقت ہوا ـــــ تو قاسمؑ خیمے میں آئے اور عرض کی

"اماں ـ سلام"

ماں جواب میں کہتی ہے

"بیٹا! ابھی زندہ ہو ـــــ؟ میں تمہاری میت دیکھنا چاہتی ہوں میرے لعل
میں تمہارا لاشہ دیکھنا چاہتی ہوں میرے فرزند!"

"اماں! میں جا رہا ہوں ـــــ" میں تو تیرے سلام کے لئے آیا تھا ـــــ

قاسمؑ نے ماں کو بڑھ کے بڑے ادب سے سلام کیا ـــــ اور ماں نے پیار کر کے رخصت کیا ـــــ اور جب قاسم جانے لگے تو قاسمؑ کی ماں نے آواز دی

"قاسمؑ بیٹا! ذرا ٹھہرنا ـــــ"

قاسمؑ واپس آئے ـــــ اور بی بی زینبؑ کے پاس سے گئیں

"بی بی!

میرا بچہ جا رہا ہے ـــــ میری کمائی کام آ رہی ہے ـــــ میرا بچہ پروان چڑھ رہا ہے ـــــ بی بی! اپنے ہاتھ سے اسے دولہا بنا دو ـــــ"

زینبؑ نے عمامہ پہنایا اور کہا

"ذرا باہر سے حسینؑ کو بلاؤ ـــــ"

حسینؑ بیت الشرف میں تشریف لائے ـــ تو قاسمؑ کی ماں نے عرض کی

"حسینؑ!

میں نے اس کے باپ حسنؑ کا عمامہ بڑی حفاظت سے رکھا ہے ـــــ وہ آج میرے بچے کے سر پہ باندھ دو حسینؑ!"

اور حسینؑ نے عمامہ باندھ دیا ـــــ اور قاسمؑ خیمے سے باہر آئے ـــ اور حسینؑ نے گود میں لے کے گھوڑے پہ سوار کیا ـــــ قاسمؑ چلے گئے ـــــ اور حسینؑ ایک ریت کے ٹیلے پہ کھڑے ہو گئے ـــــ اور زینبؑ دروازے میں کھڑی ہو گئیں ـــــ قاسمؑ کی ماں مصلے پہ بیٹھ گئی ـــــ اور قاسمؑ کی نظر فوجوں پہ ـــــ حسینؑ کی نظر قاسمؑ پہ ـــــ زینبؑ کی نظر حسینؑ پہ ـــــ قاسمؑ کی ماں کی نظر زینبؑ کے چہرے پر ـــــ یہاں سے وہاں تک نظر کا تار بن گیا ـــــ اور دس منٹ گزرے ہوں گے

جو قاسمؑ گھوڑے سے گرے ـــــ حسینؑ ٹیلے سے گرے ـــــ زینبؑ دروازے میں گری ـــــ اور قاسمؑ کی ماں سجدے میں گری

"یا اللہ!

تیرا شکر ہے ـــــ تو نے میری قربانی قبول فرمائی ـــــ مجھ بیوہ کی قربانی منظور فرمائی ـــــ"

اور خیمے میں ماتم شروع ہو گیا ـــــ سیدانیوں نے سر کے بال کھول دیئے

میرے سامعین!

قاسمؑ اتنا کم سن بچہ تھا ـــــ کہ جب اور شہید گھوڑے سے گرے تو انہوں نے مولاؑ کو پکارا ـــــ مگر قاسمؑ اتنا کم سن بچہ تھا کہ جب یہ گھوڑے سے گرا ہے ـــــ تو حسینؑ کو نہیں پکارا ـــــ پکارا تو کس کو پکارا

"اماں! میں گر گیا ـــــ"

اور فوج میں نقارے بجنے لگے۔ فوج میں طبل بجنے لگے ـــــ تو یہ طبل بجنا اس بات کی علامت تھی کہ بچہ شہید ہو گیا ہے ـــــ اُدھر طبل بجے ـــــ ادھر سیدانیوں نے سر کے بال کھول کے گریہ شروع کر دیا

"ہائے قاسمؑ!" "ہائے شہزادے!"

تو قاسمؑ کی ماں کہتی ہے

"بی بی! نہ نہیں ـــــ یہ جو طبل بج رہے ہیں ـــــ یہ میرے بیٹے کی موت کے نہیں ہیں ـــــ"

جہاں خدائے سخن میر انیس کا ایک شعر ہے ـــــ کہ جب طبل جنگ بجنے لگے دشمن کی فوج کی طرف سے ـــــ تو قاسمؑ کی ماں کہتی کیا ہیں

"بی بیو! رو نہیں سے

باجے والوں کی صدا زیر قنات آتی ہے

کیا لاشہ! میرے بچے کی بارات آتی ہے

"دیکھتی نہیں ـــــ یہ باجے کی آواز آرہی ہے ـــــ میرا بچہ دولہا بن گیا ہے ـــــ

یہ میرے بیٹے کی بارات آرہی ہے"

اور قاسمؑ کی ماں نے آنا فرمایا مولاؑ سے

"حسینؑ!

میں تیری بیوہ بھاوج ہوں ـــــ میرا کوئی زور نہیں ہے ـــــ آج

حسنؑ زندہ ہوتے۔ تو میرا زور بھی تھا ـــــــــ

حسینؑ!

اگر ہو سکے تو قاسمؑ کی لاش لے آؤ ـــــ میں ایک دفعہ لاش کو گود میں

لیکر رونا چاہتی ہوں ـــــــ"

اور امامؑ میدان میں تشریف لے گئے لاش لانے کے لئے

میرے سامعین!

جب امامؑ پہنچے میدان میں ـــــ تو اتنے میں داہنی طرف کے

گھوڑے بائیں طرف دوڑ گئے ـــــ اور بائیں طرف کے گھوڑے داہنی طرف دوڑ

گئے ـــــ اور زندگی میں اس نازک ترین شہزادے کا جسم پامال ہو گیا ـــــ ان

گھوڑوں کے سموں سے۔ کہ امام زمانؑ زیارت ناحیہ میں فرماتے ہیں۔

میرا سلام ہو اس شہید پہ جس کی داہنی طرف کی پسلیاں ٹوٹ کے بائیں طرف آ گئی

تھیں ـــــ اور بائیں طرف کی پسلیاں ٹوٹ کے داہنی طرف آ گئی تھیں"۔ ـــــ

اور جب حسینؑ پہنچے ـــــ تو لاش کا یہ عالم تھا ـــــ کہ امامؑ فرماتے ہیں

"قاسمؑ بیٹا!

مجھے معاف کر دو ——— میں ذرا دیر سے پہنچا ہوں ———

بیٹا!

تیری ماں سے وعدہ کر آیا ہوں تیری لاش لانے کا ——— اب لاش اٹھانے کے قابل نہیں رہی ———

بیٹا!

میں کیا اٹھاؤں ——— "

یہ کہہ کر مولاؑ نے اپنی عبا بچھائی ——— اور لاش کے ٹکڑے اٹھا اٹھا کے عبا میں رکھے ——— اور عبا کے چاروں کونے پکڑے ——— اور گٹھڑی کی طرح لے کر گھر میں آ گئے ——— اور فرمایا

"زینبؑ!

بہن آؤ ——— میں قاسمؑ کی لاش لایا ہوں ——— مگر اس کی ماں کو نہ دکھانا ——— کہیں ایسا نہ ہو۔ وہ مر جائے ——— "

ماں نے سن لیا ——— اور باہر آ گئی اپنے خیمہ سے

"حسینؑ!

میں کیوں مر جاؤں گی ——— دکھاؤ مجھے ——— کیا بات ہے؟"

اب جو حسینؑ نے قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑوں کی گٹھڑی سامنے رکھی ——— تو بی بی نے پہلے تو دو رکعت نماز پڑھی ——— پھر فرمایا

"زینبؑ! کلثومؑ! رقیہؑ! بی بیو! آؤ ——— مجھے مبارک باد دو ——— میری قربانی سب سے زیادہ قبول ہوئی ہے ———

دیکھو! میرا ہدیہ سب سے زیادہ قبول ہوا ہے ——— "

امام نے لاش لے جا کے گنجِ شہیداں میں رکھ دی ـــــ اور یہ میرے بیان کا آخری فقرہ ہے قبلہ!

کہ قاسم کی لاش کو اکبرؑ کی لاش پہ رکھ کر حسینؑ دونوں لاشوں کے بیچ میں بیٹھے ہیں ـــــ ایک ہاتھ اکبرؑ کی لاش پہ ـــــ ایک ہاتھ قاسم کی لاش پہ رکھ کر حسینؑ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کے بلند آواز سے کہا

"وَا غُربَتَاہ"

"یا اللہ! میں غریب ہو گیا" ـــــ

"نہ میرا اکبرؑ رہا نہ میرا قاسم رہا" ـــــ

"انا للہ وانا الیہ راجعون"

~ ۰ ~

نانا کے قدموں نے ـــــ عرش کو عرشِ مُعَلّیٰ بنا دیا

اور

نواسے کے سجدوں نے ـــــ فرش کو کربلائے مُعَلّیٰ بنا دیا

(خطیبِ آلِ محمدؐ)

امن

(شہادت حضور قمر بنی ہاشمؑ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"خداوند عالم عز اسمہٗ وجل جلالہٗ کی حمد و ثناء کے بعد حضرات محمد و آلِ محمد پر درود و سلام"

حضرات گرامی!

اللہ کی سب سے پہلی نعمت تو یہ ہے۔ کہ اُس نے ہمیں انسان پیدا کیا ہے ـــــ اور اس کے بعد اُس کا دوسرا کرم ہم پہ یہ ہے۔ کہ انسان بنانے کے بعد اُس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں مسلمان بنایا ـــــ اگر غیر مسلم کے گھر کہیں پیدا ہو جاتے ـــــ تو شاید وہی ہوتے ـــــ یہ اور بات ہے کہ کوئی کوئی ایسا ہوتا ہے دنیا میں، جو اپنی تحقیق و تلاش سے رُخ پلٹ کے ادھر آجائے ـــــ ورنہ عموماً انسان وہی ہوتا ہے جہاں پیدا ہو ـــــ جس طرح کوئی مسلمان کے گھر پیدا ہو جائے ـــــ وہ مسلمان ہے ـــــ جو ہندو کے گھر پیدا ہو جائے ـــــ وہ ہندو ہے ـــــ جو عیسائی کے گھر پیدا ہو جائے ـــــ وہ عیسائی ہے ـــــ اور اگلا فقرہ میں کہہ دوں:

جو کسی "بندے" کے گھر پیدا ہو جائے ـــــ وہ "بندہ" ہی ہے ـــــ اور جو "اللہ" کے گھر پیدا ہو جائے ـــــ وہ اللہ ×××××××××

خدا کا یہ فضل ہے کہ اُس نے ہمیں انسان پیدا کیا ہے ـــــــ اور دوسرا احسان یہ ہے کہ اُس نے ہمیں مسلمان پیدا کیا ہے ـــــــ اور تیسرا احسان اللہ کا یہ بھی ہے کہ ہم مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ ایمان بھی ہیں اور مومن بھی ہیں ـــــــ یہ اللہ کی طرف سے بہت بڑی عزت ہے ـــــ کہ کسی کو دولتِ ایمان مل جائے ـــــ وہ مومن ہو جائے ـــــ

میرے محترم سامعین!

"مومن" کا لفظ بنا ہے "ایمان" سے ـــــ "مومن" اُسے کہتے ہیں، جس میں ایمان ہو ـــــ اور "ایمان" کا لفظ بنا ہے "امن" سے ـــ جہاں "امن" ہے ـــ وہاں "ایمان" ہے ـــــ اور جہاں "ایمان" ہے ـــ وہاں "مومن" ہے ـــــــــ اور جہاں "بدامنی" ہے ـــ وہاں "ایمان" نہیں ہے

مومن کبھی "بدامن" نہیں ہوتا ـــــــــ

چونکہ ایمان کے معنی ہی "امن قائم رکھنا ہے" ـــــــــ

خود جیئو ـــ دوسروں کو جینے دو ـــ بدامنی نہ ہونے پائے ـــ اسے "مومن" کہتے ہیں اور جو اپنے قول و عمل (فعل) سے، زبان سے بدامنی کرے ـــ تو سمجھئے اُس کے ایمان میں کمی ہے ـــــ ایمان کے تو معنی ہی یہی ہیں کہ "امن کو ہر حالت میں قائم رکھا جائے ـــــ یہاں تک کہ باوجود طاقت اور قوت کے کوئی شخص محض "امن" قائم رکھنے کے لئے اپنے حقوق کو چھوڑ کے بیٹھ جائے ـــــــ تو ایسا مومن "کامل ایمان" کہلاتا ہے

سامعین!

باوجود اتنی طاقت ہونے کے محض "امن" قائم رکھنے کے لئے اپنے حقوق کو چھوڑ دیا ـــــ یہ نہیں کہ بوجہ کسی کمزوری کے بیٹھ گیا ہو ـــ یہ اور بات ہے کہ کمزوری کی وجہ سے بیٹھ جائے ـــــــ مگر طاقت ہوتے ہوئے ـــــ قوت ہوتے ہوئے ـــــ بر طلا حیثیت ہوتے ہوئے ـــ پھر بیٹھ جانا ـــــ یہ "کامل ایمان" ہی

کرسکتا ہے ـــــــــــ اور

رسولؐ جب کسی ایسے انسان کا تعارف کروا دے کہ وہ یہ کل ایمان ہے

ـــــــ " ــــ تو ہم فوراً سمجھ جائیں گے کہ "ایمان والا" کون

ہے؟ ـــــــ بس جو اُس سے وابستہ ہے ــــ وہ "ایمان

والا" ہے ــــ اور جو اس سے وابستہ نہیں ہے ــــ وہ "وہ ایمان

والا نہیں ہے "!

مومن بھائیو!

آپ نے یہ حدیث سُنی ہوگی ــــــ میں آپ کو سنتا ہوں۔ قرآن مجید میں آیت

ہے

"کلمہ طیبہ کی مثال شجرہ طیبہ جیسی ہے"

اب میں رسولؐ کی حدیث سنتا ہوں

ایک دن حضور رسالت مآبؐ منبر پہ تشریف فرما تھے ــــــ صحابہؓ

کا مجمع سامنے بیٹھا ہوا تھا ــــــــــ ــــــــــ اور اس آیت کا ذکر

ہورہا تھا

کلمہ طیبہ کی مثال شجرہ طیبہ جیسی ہے۔ ایسا

شجرہ طیبہ جس کی جڑ زمین میں ہے جس کی

شاخ آسمان میں پہنچی ہوئی ہے۔

تو حضورؐ نے اس کی تفسیر فرماتے ہوئے فرمایا

"مسلمانو!

وہ شجرہ طیبہ جس کی جڑ زمین ہے ــــ جس کی شاخ آسمان میں ہے ــــ وہ

شجرہ طیبہ! میںؐ اور میری آلؑ ہے ــــــ اور میں اُس شجرہ طیبہ کی "جڑ" ہوں ــــ اور

میرا بھائی علیؑ! اس شجرہ طیبہ کی شاخ ہے ــــ" اور آپ حضرات کے متعلق فرمایا ہے ــ

"جو ہمارے چاہنے والے ہیں ___ جو ہم سے محبت کرنیوالے ہیں ___ جنہیں ہم سے پیار ہے ___ وہ اس "شجرہ طیبہ" کے "پتّے" ہیں ___"

ماشاءاللہ ___ چشم بد دور ___ آپ اس "شجرہ طیبہ" کے پتّے ہیں ___ مگر شرط یہ ہے کہ محبت ہو ___ پیار ہو ___ پھر آپ اس شجر کے پتّے ہیں ___ (پتّے بازی نہ ہو) ___ اگر واقعاً آپ کو محمد و آلِ محمد سے محبت ہے تو آپ اس "شجرہ طیبہ" کے پتّے ہیں ___ اور "پتّے" کی صفت یہ ہے عزیزو!

ہر جاننے والا ___ "پتّے" کو دیکھ کر بتا دے ___ کہ یہ فلاں درخت کا "پتا" ہے ___ درخت ہو موجود یا نہ ہو ___ صرف "پتّے" کی شکل و صورت ہی دیکھکر بتا دیا جائے ___ کہ فلاں درخت کا "پتا" ہے ___ اور

اگر ہم واقعاً "معصوم" درخت کے "پتّے" ہیں ___ تو ہمیں ایسا ہونا چاہیئے ___ کہ ہمارے اعمال و افعال و اقوال کو دیکھتے ہی دنیا بتا دے کہ ___ "کسی معصوم درخت کے پتّے ہیں ___" چونکہ "پتّے" سے پتہ چل جاتا ہے ___ کہ یہ کس درخت کا "پتا" ہے

اگر کسی درخت کے "پتّے" مرجھائے ہوئے ہوں ___ تو پتّوں کو مرجھایا ہوا دیکھ کر دنیا سمجھ لیتی ہے ___ کہ آج درخت کے پاس "پانی" نہیں ہے ___ اس کی جڑ میں کوئی "صدمہ" ہے ___ جب ہی تو پتّے مرجھائے ہوئے ہیں ___ اور اگر "پتّے" ترو تازہ ہوں ___ تو پتہ چلتا ہے کہ "شجر" کی جڑ ترو تازہ ہے ___ شاخیں ترو تازہ ہیں ___ چونکہ پتّوں کو دیکھ کر درخت کی حقیقت معلوم ہوتی ہے

بہر نوع ___ خدا کے فضل و کرم سے آپ لوگ اس شجرِ طیبہ کے "پتّے" ہیں ___ علیؑ شاخ ہیں اور رسولؐ اس کی جڑ ہیں ___

سامعین!

بتائیے کوئی ایسا درخت دیکھا ہے آپ نے ــــــ جس کے "پتّے" شاخ کی بجائے جڑ پر اُگتے ہوں؟ ــــــــــــ "نہیں"

ہمیشہ "پتا" جڑ سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر کہاں ــــــ؟

وہ شاخ کے دامن کو مضبوط پکڑے بیٹھا ہے ــــــ پتّے کی صلاحیت یہی ہے ــــ پتّے کی شان یہی ہے کہ ــــــ "وہ جڑ کے فیض سے زندہ ہے" ــــ مگر کب ــ؟ ــ جب وہ شاخ کے دامن کو پکڑے بیٹھا رہا ــــــ "دامن" جتنا ہے "پتّے" کے ہاتھ میں "شاخ" کا ــــــ اور فیض پہنچتا ہے اس کی "شاخ" کی معرفت اُسے "جڑ" کا ــــــ اور اگر کوئی گستاخ "پتا" ــــــ یہ ضد کر بیٹھے کر

"جب جڑ موجود ہے ــــــ تو شاخ سے کیا واسطہ ــــــ" اور وہ شاخ سے جُدا ہو کے جڑ کے قدموں میں آکے بیٹھ جائے "وہ پتا" ــــــ تو دو چار دن تو خیریت سے گذریں گے ــــــ پھر "حلیہ" بگڑ جائے گا ــــــ شکل خراب ہو جائے گی ــــ رگیں پھول جائیں گی ــــــ رنگت زرد ہو جائے گی ــــــ صورت بھاری ہو جائے گی زندگی جواب دے جائے گی ــــ شکل بے شکل ہو جائے گی ــــ حتیٰ کہ ایک خزروالا آئے گا ــــ اور آگ میں پھینک دے گا

محض شاخ کا دامن چھوڑنے سے ــــــ پڑا ہوا ہے "جڑ" کے قدموں سے ــــ مگر شاخ کا دامن چھوڑ دیا ــــ اس لئے جڑ کا کوئی فیض اُسے نہیں پہنچتا ــــــــ ــــــــ ایک ہوا کا جھونکا آیا ــــ ادھر اڑا کے لے گیا ــــ ــ ــــ پھر جھونکا آیا ــــ اُدھر اُڑا کے لے گیا ــــــــ اور ہوا کے ہر جھونکے سے اُڑنے والے "پتّے" ــــ وہی ہوتے ہیں جو شاخ کا دامن چھوڑ دیں ــــــــــــ

اور اگر کہیں شاخ کا دامن مضبوط پکڑے بیٹھے رہتے ــــــ تو

ہوا کے جھونکوں سے جھُومتے بھی رہتے ـــــ اور اپنا مرکز بھی نہ چھُوٹتا ـــــ

بہر نوع ـــــ خداوندِ عالم نے ہم پر یہ اپنا فضل فرمایا ہے ـــــ کہ ہمیں اُس "شجرہ طیبہ" کا "پتّہ" بنایا ہے ـــــ اور ہم دنیا کو "پتہ" دیتے ہیں ـــــ کہ ہم کس شجرہ طیبہ کے "پتے" ہیں۔ ہماری حالت سے اندازہ ہوتا ہے ـــــ جس دن ہمارے گھر میں غم ہو ـــــ دنیا سمجھے گی کہ "ان کے شجر میں غم ہے ـــــ" اور جس دن ہمارے گھر میں خوشی ہو ـــــ دنیا سمجھ لیتی ہے ـــــ "ان کے شجر میں خوشی ہے ـــــ"

میرے محترم سامعین!

خدا نے ایسے مُرشد ہمیں عطا فرمائے ہیں ـــــ ایسے محبوب ہمیں عطا فرمائے ہیں ـــــ ایسے پیارے پیشوا ہمیں عطا فرمائے ہیں ـــــ کہ انہیں ہر حالت میں ہم سے زیادہ ہم سے پیار ہے ـــــ وہ سر سے پیر تک ہمارے لئے رحمت ہی رحمت ہیں ـــــ اُن کا وجود ۔ رحمت ـــــ اُن کا بننا رحمت ـــــ اُن کا اُٹھنا رحمت ـــــ اُن کا بیٹھنا رحمت ـــــ اُن کا جاگنا رحمت ـــــ اُن کا سونا رحمت ـــــ اُن کا بولنا رحمت ـــــ اُن کا مسکرانا رحمت ـــــ سر سے پیر تک رحمت ہی رحمت ـــــ اور ہم تو اس بات پہ نازاں ہیں ـــــ کہ ہمارا مُرشد ـــ ہمارا رہبر ـــ ہمارا پیشوا ـــ ہمارا پیر ـــ ہمارا سائیں! جس کے ساتھ ہمارا تعلق ہے ـــــ وہ خدا کے فضل و کرم سے دنیا میں ـــــ جب ہمارا امام "ہے" ـــــ ہمارا وارث "ہے" اور جب ہمارا امام "ہے" ـــــ تو اسی لئے ہم "امامیہ" کہلاتے ہیں ـــــ اور وہ امامیہ نہیں کہلا سکتا ـــــ جس کا امام تھا ـــــ امامیہ وہی ہیں ـــــ جن کا "امام" "ہے" ـــــ لہٰذا ہم امامیہ ہیں ہمارا "وارث" "ہے" ـــــ ہمارا "امام" "ہے" ـــــ ہمارا اُن سے تعلق

یہ اور بات ہے کہ وہ ــــــــ ہماری اُن سے ہر وقت وابستگی ہے ــــــــ ہے

"غائب" ہے ــــ مگر ہے "

یاد رکھو ــــ اہلِ ایمان!

"ایمان" کا لفظ "امن" سے بنا ہے ــــ اور "امن" قائم رہتا ہے اس یقین

سے ــــ کہ کوئی وارث ہمارا ہے" جو غائب ہے" ــــ چونکہ یقین "امن" کو قائم

رکھتا ہے ــــــ

سامعین!

یہ تو یہ روزمرہ کی مثالیں ــــ مگر ان ہی مثالوں سے

بات سمجھ میں آتی ہے ــــــــ جس طرح یہ بچے جو

بیٹھے ہیں منبر کے قریب آکے ــــ بہت سے انہیں کہتے

ہیں کہ "اٹھ جاؤ ــــ "

میں کہتا ہوں ــــ "نہیں ــــ ایسا نہ کرو ــــ"

کیونکہ بچوں کو منبر کے پاس بیٹھنا چاہیئے ــــــ اور جہاں تک

میری زبان کا تعلق ہے ــــ وہ میں جان بوجھ کر نہایت سلیس

زبان میں گفتگو کرتا ہوں ــــ کہ ان بچوں کو بھی یاد ہو جائے ....

کیوں بچو!

یاد ہو جاتی ہے ــــــ ؟

"ہاں" ــــ بچے کہہ رہے ہیں "ہاں ــــ" چونکہ معصوم کبھی

غلط بات نہیں کہتا ــــ وہ صحیح کہتا ہے ــــ اور اگر معصوم کی

کسی بات میں غلطی نظر آئے ــــ تو یہ معصوم کی غلطی نہیں ہوگی ــــ

بلکہ یہ ہماری سمجھ کی غلطی ہوگی ــــ ورنہ معصوم جو کہتا ہے ــــ

وہ بالکل "ٹھیک" کہتا ہے ـــــــ

بہر نوع ـــ بچے اپنے گھروں میں شرارت بھی کرتے ہیں ـــ
بچوں کو شرارت کرنی چاہیئے ـــ کیونکہ بچپن کے معنی ہی یہی ہیں ـــ
کہ اس میں شوخی بھی ہو ـــ شرارت بھی ہو ـــ ایسا تو نہیں ہو
سکتا ـــ کہ بچہ بڑوں کی طرح خاموش بیٹھا رہے ـــــــ اور
جو بچہ بچپن میں شرارت نہ کرتا ہو ـــ وہ تو بچپن کی توہین کرتا ہے
ـــــ بچپن کی عزت ہی یہی ہے ـــ کہ اس میں تھوڑی سی "شرارت"
بھی ہونی چاہیئے ـــــ "خباثت" بُری چیز ہے ـــ کہ بچہ
گلیوں میں گالیاں بکتا پھرتا ہو ـــ ماسٹا پیٹتا ہو ـــ چوری کرتا ہو ۔
مدرسے نہ جاتا ہو ـــ یہ خباثت ہے ـــ مگر جہاں تک شوخی
اور شرارت کا تعلق ہے ـــ وہ بچے میں ہونی چاہیئے ـــ
بچپن کا زیور ہے ـــ یہ بچے کا ہنر ہے ـــ یہ بچے کا جوہر ہے ـــ،
چنانچہ ہر گھر میں چند شراتی بچے موجود ہوتے ہیں ـــــ اور
مدرسے میں تو محلہ بھر کی شرارت اکٹھی ہوتی ہوگی ـــــ

سامعین!

ایک دن میں گیا مدرسے میں ـــ کہ جا کے دیکھوں کہ محلے بھر کی
شرارت کیا رہی ہے ـــــــــــــ اور
دیکھتا کیا ہوں "قبلہ!" کہ کلاس میں بیٹھے ہوئے ہیں ـــــ ایسے
بھیگی بلّی بنے ہوئے ـــ کہ جیسے شرارت کرنا جانتے ہی نہیں ـــــ
وہ جو گھر والی شرارت تھی ـــ وہ بالکل ہے ہی نہیں ان میں ـــ ایسے
آرام سے بیٹھے ہیں ـــ کہ کیا مجال جو کوئی شرارت کر جائے ـــــ

اب میں نے شیشے میں جو جھانک کے دیکھا ــــــ تو ماسٹر صاحب بھی نہیں تھے ــــــ پھر بھی بڑے آرام سے بیٹھے ہیں ــــــ

میں نے آواز دی

بچو!

تمہارا ماسٹر بھی موجود نہیں ہے ــــــ تم شرارت کیوں نہیں کرتے ــــــ تمہاری تو عادت ہے شرارت کرنا ــــــ "امن" سے کیوں بیٹھے ہو ــــــ؟"

تو بچوں نے کہا

"مولوی صاحب! شرارت نہیں کرنا ــــــ ماسٹر صاحب تو نہیں ہیں ــــــ مگر ڈر یہ ہے کہ کہیں ــــــ "آنہ جائیں" ــــــ

حضور! تمام شریر بچے بیٹھ گئے اس ڈر کی وجہ سے ــــــ کہ کہیں ماسٹر صاحب آنہ جائیں ــــــ اور ــــــ یہ ڈر "امن" کو قائم رکھتا ہے۔
اسی امن ــــــ "ایمان" کہتا ہے

سامعین!

تھوڑی دیر بعد اب چپراسی نے آکے کہہ دیا بچوں سے

"بچو!

آج ماسٹر صاحب نہیں آئیں گے ــــــ"

بس ــــــ یہ سننا تھا کہ وہ نہیں آئیں گے" ــــــ اب جو آنے والے کا ڈر نہ رہا ــــــ تو پھر وہ شرارتیں ہوتی ہیں کہ خدا کی پناہ! ــــــ کتابیں پھٹ گئیں۔ دوات قلم ٹوٹ گئے ــــــ ایک دوسرے کے گریبان پھٹ گئے ــــــ مدرسے کی گرد آسمان پہنچ گئی ــــــ

اور ــــــ

سامعین!

اب کلاس میں جاکر دیکھو ـــــ ایک بچہ نہیں پوری جماعت کی جماعت ـــــ

پورے اہلِ جماعت شریر ہو گئے ـــــ ایک نہ آنے والے کی وجہ سے ـــــ ڈر نہیں

تھا آنے والے کا ـــــ اس لئے کہ اُس نے آنا نہیں تھا ـــــ

اور بچے ابھی شرارت میں مشغول ہی تھے کہ کسی نے کہہ دیا ـــ

ور ماسٹر صاحب آ گئے ہیں ـــــ"

تو پھر جناب! تمام بچے اپنی اپنی جگہ پہ بیٹھ گئے ـــــ ایسے

اطمینان سے ـــ کہ میں آپ کو کیا بتاؤں

رہ کتابیں بھی کھل گئیں ـــــ دوات قلم بھی رکھا گیا ـــــ اگر

آنے والے کا ڈر ہے ـــ تو کتاب کی بھی خیریت ہے ـــــ

کتاب بھی جیب ہی محفوظ ہے ـــ دوات قلم بھی پرش ہے

ـــــ صرف ڈر کی وجہ سے

میرے سامعین!

یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے ـــ کہ ہماری آلِ محمد سے وابستگی ہے ـــ

ہمارا اُن سے تعلق ہے ـــــ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارا وارث ہے ـــــ وہ ہمیں دیکھ رہا

ہے ـــــ اور اُس کے ڈر سے ہم میں سامنے ڈر بھی ہے ـــــ اور ایمان بھی ہے ـــــ

س لئے کہ ہمارا وارث موجود ہے ـــــ وہ وارث کی زندگی بھی کوئی زندگی برحق ہے

ـــــ ہمارا وارث موجود ہے ـــــ سرورِ کائناتؐ سے لیکر امامِ غائبؑ تک ہمارے

وارث موجود ہیں ـــــ اور ـــــ

حضورِ والا!

حضور سرورِ کائناتؐ کو کتنا پیار تھا اپنے ساتھیوں سے ـــــ اپنے چاہنے والوں

سے ــــــ اتنا اُن چاہنے والوں کو نہیں تھا ــــ جتنا حضور سرورِ کائنات کو اپنے ساتھیوں سے پیار تھا ــــ چاہے عرب ہو ــــ چاہے عجم ہو ــــ چاہے کالا ہو ــــ چاہے گورا ہو ــــ بلال کو پیار تھا ــــ اور یہ پیار ہی کی بات تھی نا ــــ کہ فصیح اللسان عربوں کے ہوتے ہوئے اذان کا کام حضرت بلالؓ کے سپرد تھا ــــــ جو "اللہ اکبر" نہیں کہہ سکتے تھے بوجہ حبشی ہونے کے ــــ اور "ش" کو "س" کہہ کے بولتے تھے ــــ مگر بلالؓ اذان کہتے تھے مسجد کے گلدستہ پر ــــــــــ

ایک دن لوگوں نے مشورہ کر لیا ــــ کہ عربوں کے ہوتے ہوئے یہ حبشی اذان کیوں دیتا ہے ــــ یہ بدلا جائے ــــ " ــــ صبح کا وقت تھا ــــ عربوں نے حسان ابنِ ثابتؓ اصحابِ رسولؐ کے چھوٹے بھائی سے جو بہت خوش لہجہ تھے ــــ انہیں کھڑا کر دیا گلدستۂ مسجد پر اذان کہنے کے لئے ــــ اب جو انہوں نے اذان کہی ــــ تو عرب جھوم گئے ــــــ

"لطف آگیا اذان کا ــــــــــ"

اب بلال چپ کھڑے ہیں ــــــ اذان ہو گئی ــــــ اور مسلمان اب اس انتظار میں ہیں ــــ کہ حضورؐ تشریف لائیں ــــ تو نماز پڑھیں ــــ جب دیر ہو گئی ــــ تو درِ دولت پہ حاضر ہوئے ــــ اور عرض کی

"یا رسولؐ اللہ!

تشریف لائیے مسجد میں نماز پڑھانے کے لئے ــــ"

تو رسولؐ پوچھتے ہیں

"آج اذان نہیں ہوئی ــــــــ؟"

مسلمانوں نے عرض کی

"قبلہ! آج تو وہ اذان ہوئی ہے کہ لطف آگیا ــــــ"

رسولؐ نے فرمایا

"ہم نے نہیں سُنی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہمیں تو آواز نہیں آئی ۔۔۔۔۔۔ کس نے اذان کہی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟"

مسلمانوں نے کہا ۔۔۔۔۔۔ کہ فلاں شخص نے ۔۔۔۔۔۔

تو رسولؐ فرماتے ہیں

"کیوں ؟

میرے بلالؓ کو کیا ہوا تھا ۔۔۔۔۔"

"حضورؐ !

ہم نے آج چاہا تھا کہ "عرب" کی زبان سے اذان ہو ۔۔۔۔۔"

حضورؐ نے فرمایا

"نہیں، کالے کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جلے گا ۔۔۔۔ میرے بلالؓ سے اذان کہلواؤ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

چنانچہ بلالؓ نے اذان کہی ۔۔۔۔۔ حضورؐ برآمد ہوئے ۔۔۔۔ اور اس واقعہ سے دنیا کو سبق دے دیا ۔۔۔۔۔ کہ میں کسی جگہ اگر کسی حبشی کو بھی مقرر کر دوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تمہیں حق نہیں کہ اُسے ہٹا کے کسی اور کو وہاں لے آؤ ۔۔۔۔"

بہرنوع ۔۔۔۔۔ رسولؐ یہی چاہتے تھے۔ کہ ہر ایک سے محبت ہو ۔۔۔۔ آپس میں محبت کرو ۔۔۔ ایک دوسرے کے بھائی بن کے رہو ۔۔۔ جو اپنے لئے چاہو ۔۔۔۔ وہی اپنے بھائی کے لئے چاہو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور رسولؐ نے اس بات کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا کہ ایک مومن بھی دوسرے مومن کے پس پشت اس کی برائی کرے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غیبت کرے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور اگر کسی میں کوئی گناہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ وہ اُس کے پس پشت بیان کرو ۔۔۔۔ تو یہ "غیبت" ہے ۔۔۔۔ اور اگر گناہ نہیں ہے ویسے جھوٹ کہہ رہے ہو ۔۔۔۔ تو یہ "بہتان" ہے

—— اللہ اس گناہ کو معاف نہیں کرتا —— لہذا آپ سب بھائی بن کے رہیں ——
پس میں محبت کریں —— اور ایسی محبت پیدا کرنے کے لئے جب رسولؐ ہجرت کر کے
مدینے تشریف لائے —— اور مدینے کی مسجد بن گئی —— تو ایک دن
رسولؐ نے اپنی مسجد میں یہ انتظام فرمایا —— کہ تمام مسلمانوں کو اکٹھا کر لیا —— تمام
صحابیوںؓ کو حکم دیا

"سب جمع ہو جاؤ ——"

اور جب وہ جمع ہو گئے —— تو آپ نے فرمایا

"آج میں چاہتا ہوں کہ تمہارے دل ایک دوسرے سے ملا دوں —— لہذا آج
میں تمہارے درمیان میں "مواخات" قائم کروں گا —— ایک دوسرے کو بھائی بنا دوں گا"
چنانچہ آپ نے منبر پہ بیٹھ کے حکم دیا

"فلاں صاحب اٹھیں"
ایک صاحب اٹھے

پھر فرمایا —— "فلاں صاحب اٹھیں ——"

وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے

تو پھر آپؐ نے فرمایا —— "آپ دونوں کو میں نے بھائی بنا دیا ہے ——"
اور وہ ایک دوسرے کو بھائی کہہ کر گلے ملتے تھے —— اسی طرح تمام مسلمانوں کو
—— دو دو کر کے ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا —— کسی انصاری کے ساتھ کسی مہاجر
کو —— کسی مہاجر کے ساتھ کسی انصاری کو —— کہیں دو مہاجروں کو —— کہیں دو
انصاریوں کو —— غرض سب کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا —— ۔
بس بھائی بنانے میں کافی دیر لگ گئی —— ہر بھائی اپنے بھائی کے گلے مل رہا تھا —— بڑے
اُنس سے مبارک باد دے رہا تھا —— اُسے مل رہا تھا —— وہ کہہ رہا تھا —— "اے بھائی" ——۔

وہ کہہ رہا تھا "انت اخی" ۔۔۔ غرض رسولؐ کی مسجد میں عید ہو رہی تھی (جب ہم عید کو گلے ملتے

ہیں نا ۔۔۔ یہ اُسی دن کے گلے ملنے کی یادگار ہے)

تو اُسی وقت جب مسلمان بھائی بن کر خوش ہو رہے تھے ۔۔۔ تو دیکھا دنیا نے کہ

ایک شخص پیچھے کونے میں اُداس کھڑا ہے ۔۔۔ اور سب مل رہے تھے گلے سے مگر

وہ تنہا اداس کھڑا ہے ۔۔۔ اور رسولؐ اپنے منبر پہ تشریف فرما ہیں ۔۔۔ انہوں

نے دیکھا کہ وہ بہت اُداس کھڑا ہے ۔۔۔ تو فرمایا

"ادھر آؤ"

جب وہ پہنچا رسولؐ کے سامنے ۔۔۔ تو حضورؐ نے پوچھا

"تم کیوں اُداس ہو ۔۔۔ خاموش کیوں کھڑے ہو ۔۔۔؟"

"حضورؐ!

آپ نے سب کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے ۔۔۔ اور یہ بھائی بن کر کتنے

خوش ہو رہے ہیں ۔۔۔ مگر آپ نے مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا ۔۔۔ میں کس کے گلے

مل کے کہوں کہ ۔۔۔ "تو میرا بھائی ہے ۔۔۔"

رسولؐ کا یہ سننا تھا، کہ آپ منبر کے نیچے کے زینے پہ تشریف لاتے اور فرمایا ۔۔۔

"علیؑ! ادھر آؤ ۔۔۔ ان میں سے کوئی اس قابل نہیں کہ تم اس کے بھائی بنو ۔۔۔

"تو میرا دنیا اور آخرت میں بھائی ہے"

"علیؑ!

میں نے ہم مزاجوں کو بھائی بنایا ہے۔ جس کا جس سے مزاج ملتا تھا وہ اُس کا

بھائی ہے ۔۔۔ اور تیرا مزاج کسی سے ملتا نہیں، سوائے میرے ۔۔۔ تو میرا

بھائی ہے یا علیؑ! "انت اخی" یا علیؑ! تو میرا بھائی ہے دنیا اور

آخرت میں ——

سامعین!

ڈاکٹر صاحبان کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جو خون مریض کو دیا جاتا ہے —— تو اُس خون کی

تاثیر اُس مریض کے مزاج میں آجاتی ہے

مثلاً کسی بڑے غصیلے آدمی کا خون دے دیا گیا مجھے —— بچ تو میں گیا —— لیکن

زندگی بھر غصہ آتا رہے گا —— اور کسی حلیم آدمی کا خون آگیا۔ تو حلم آجائے گا ——

جیسا خون کسی کو دے دو —— اس کی تاثیر وہی رہتی ہے ——

تو اب بتائیے ——

اُس کے خون کا کیا کہنا۔ جسے رسولؐ گلے سے لگا کے یہ فرمائیں

"علیؑ! تو میرا بھائی ہے اس دنیا اور آخرت میں" کیونکہ ——

تیرا سارا خون میرا خون ہے ——"

اور لطف آیا ہوگا حضور والا!

جب رسولؐ بچے کو گود میں لیکر خدا کے گھر سے چلے ہیں ——

اور اپنے گھرانے کے گہوارے میں لٹا دیا —— خاندان بنی ہاشم پوچھتا ہے ——

"یا محمدؐ!

مبارک ہو —— خداوند عالم نے بڑا اچھا بھائی عطا کیا ہے —— ابی طالبؑ کا

بیٹا ہے —— خدا کے گھر پیدا ہے ——"

"بھئی! خیر مبارک ہو —— آپ لوگوں کو بھی مبارک ہو ——"

چنانچہ سب خاندان بنی ہاشم رسولؐ کو مبارک دے رہا ہے —— اور رسولؐ مسکرا

ہر مبارک۔ کہہ رہے ہیں ـــــــ اتنے میں (حضرت) ابوجہل تشریف لائے (ابوجہل مکہ
مشہور شخصیت تھے۔ ان کا ذریعۂ معاش یہ تھا کہ جب کسی بڑے گھر کا بچہ پیدا ہوتا ـــــ تو
جاتے اور جا کے دُعا دیتے ـــــ اور کسی بُت کے پیر کی نیچے کی مٹی بطور سُرمہ اُس
کی آنکھ میں لگا دیتے ـــــ اور ۵ سے لیکر پانچ سو روپیہ تک انعام لیکر گھر واپس
تے) چنانچہ ابوجہل بڑے خوش۔ کہ بہت بڑے گھر میں بیٹا پیدا ہوا ہے ـــــ انعام بھی بہت
ملے گا ـــــ ایک چاندی کی سلائی بنوائی ـــــ چاندی کی سُرمہ دانی بنوائی ـــــ اور
سرمہ باریک پیس کے لے گئے ـــــ اور رسولؐ کو جا کے سلام کیا

"محمدؐ! اسلام ـــــ"

حضورؐ نے پوچھا

"ابوجہل! کیسے آئے ـــــ"

"حضورؐ!

بچے کی مبارکباد دینے آیا ہوں ـــــ اور اپنا حق لینے آیا ہوں"

اب رسولؐ ہنسی روکے بیٹھے ہیں ـــــ جی چاہتا ہے ہنسنے کو مگر ہنسی روکے بیٹھے
ہیں اور فرماتے ہیں

"بچہ لیٹا ہوا ہے گہوارے میں ـــــ بچہ جانے اور آپ جانیں ـــــ"

ابوجہل بچے کے قریب آیا ـــــ چہرے سے کپڑا ہٹایا

"ماشاء اللہ ـــــ بڑا خوبصورت ہے ـــــ"

اب رسولؐ ہنسی روکے بیٹھے ہیں ـــــ ابوجہل بچے کے اور قریب آیا ـــــ
سلائی میں سُرمہ لگایا ـــــ پھر ذرا اور قریب ہوئے ـــــ بائیں ہاتھ سے بچے کی آنکھ کھولی
ـــــ داہنے ہاتھ سے ارادہ کیا سُرمہ لگانے کا ـــــ سلائی آنکھ کے قریب
پہنچی ہی تھی ـــــ کہ بچے نے انگڑائی لی ـــــ اور ایک زور سے جو طمانچہ مارا ـــــ

تو ابوجہل صاحب کا منہ پھر گیا ——— جہل اِدھر رہ گیا ——— ابو اُدھر رہ گیا ———
بے چارہ شرم کے مارے اُٹھ کے چلا گیا اور جاتے وقت صرف یہی کہا ———

"یہ خاندان جادوگر ہے ——————"

بہر نوع ——— خاندان کے لوگ بڑے خوش اور کہتے ہیں

محمد!

"خدا نے بڑا پیارا بچہ عطا کیا ہے ——— ذرا زیارت تو کرا دو اس بچے کی

——— ذرا ——— اس کی شکل تو دیکھیں کیا شکل ہے ———"

ان کا مطلب اصرار کہ ہمیں اس بچے کی شکل دکھاؤ ——— اور رسولؐ کو یہ ڈر کہ بچے اُسی شکل کے

ہوتے ہیں جس گھر پیدا ہوتے ہیں (جس طرح باپ، بھائی، ماموں اور چچا وغیرہ کی شکل) ———

اب یہ بچہ جو اس گھر میں پیدا ہوا تھا ——— اُس کے مالک کی کوئی شکل ہی نہیں تھی ———

رسولؐ حیران ہیں کہ اس کی کیا شکل بتاؤں ——— اُدھر لوگ سمجھے کہ بچہ بدصورت ہے

جب ہی تو محمد کچھ نہیں بتاتے ——— اِدھر رسولؐ کو یہ مشکل آن پڑی تھی کہ کس کی شکل

بتاؤں ———————————————— ا

گھر کے مالک نے "وحی" کی

"محمد!

ذرا سی بات سے گھبرا گئے ——— لوگ شکل پوچھتے ہیں اور تم اس کی شکل بتاتے

ہوئے گھبراتے ہو ———"

کہہ دو ان سے کہ

چہرہ ——— "وجہ اللہ" ہے ———

آنکھ ——— "عین اللہ" ہے ———

زبان ——— "لسان اللہ" ہے ———

اور ہاتھ ـــــ "ید اللہ" ہے ـــــ ...."

اور کس کی شکل ہے ـــــ ساری اللہ کی شکل ہے ـــــ

اب حضورؐ نے اُن سے کہہ دیا کہ چہرہ "وجہ اللہ" ہے ـــــ آنکھ "عین اللہ" ہے ـــــ
زبان "لسان اللہ" ہے ـــــ اور ہاتھ "ید اللہ" ہے ـــــ پھر خیال یہ آیا کہ دعائیں
مانگ مانگ کے اپنی مدد کے لئے میں نے اِسے اللہ سے مانگا تھا ـــــ مگر اللہ نے ایک ایک کر کے
پھر واپس لے لیا ـــــ میرے پاس کیا بچا ـــــ

تو جو اللہ نے ابھی نہیں کہا تھا نا ـــــ وہ جلدی جلدی رسولؐ نے کہہ دیا

"یا علیؑ!

"دمک دمی لحمک لحمی" "تیرا خون، میرا خون ہے ـــــ

"تیرا گوشت، میرا گوشت ہے ـــــ"

سامعین!

گوشت، خون رسولؐ نے دے دیا ـــــ اور

ہاتھ، آنکھ اللہ نے دے دیا ـــــ اور

ہم دیکھتے کیا ہیں ـــــ کہ علیؑ گہوارے میں لیٹے ہوئے ہنس رہے ہیں

"یا علیؑ!

تم کیوں ہنستے ہو ـــــ؟"

علیؑ فرماتے ہیں

"آج لطف آگیا ـــــ"

"قبلہ! کیا لطف آگیا ـــــ؟"

"آج ہم بٹ گئے ـــــ آج ہم تقسیم ہو گئے ـــــ آدھے اللہ کے حصے میں آگئے ـــــ
آدھے رسولؐ کے حصے میں آگئے ـــــ اب ہمارے پاس تو کچھ رہا نہ ـــــ جو ہم

سے محبت کرے گا ـــــ آدھی اللہ سے کرے گا ـــــ آدھی رسولؐ سے کرے گا ـــــ اور
ہم سے عداوت کرے گا ـــــ آدھی اللہ سے کرے گا ـــــ آدھی رسولؐ سے کرے گا ـــــ"

سامعین!

آج پھر رسولؐ نے علیؑ کو گلے سے لگا لیا ـــــ

"علیؑ!

تم میرے بھائی ہو دنیا میں اور آخرت میں ـــــ میرا رشتہ تم سے قائم رہے
گا ـــــ تم یہاں بھی میرے بھائی ہو وہاں بھی میرے بھائی ہو ـــــ"

اور اللہ کا یہ فرمان ہے کہ جنت میں کچھ بھائی ہوں گے ـــــ وہ
آمنے سامنے تختوں پہ بیٹھے ہوں گے ـــــ اور
ہم بھی دیکھیں گے ـــــ ایک تخت پہ ایک بھائی ہو گا ایک تخت پہ ایک بھائی ہو گا
بیچ میں ہم کھڑے ہوں گے ـــــ اُدھر دیکھا ـــــ درود پڑھ لیا ـــــ
اِدھر دیکھا سلام کر لیا ـــــ

بہر نوع ـــــ بھائی کا بڑا عجیب رشتہ ہوتا ہے ـــــ بازو کی قوت بھائی ہوتا ہے
دل کا سہارا بھائی ہوتا ہے ـــــ دُنیا کی زینت بھائی ہوتا ہے ـــــ آنگن کی رونق بھائی ہوتا
ہے ـــــ اور بھائی کے مرنے سے کمر ٹوٹتی ہے ـــــ یہ عجیب رشتہ ہے بھائی کا
ـــــ رسولؐ کہتے ہیں

"یا علیؑ!

تو میرا بھائی ہے ـــــ تُو دنیا میں بھی میرا بھائی ہے ـــــ تُو آخرت میں بھی میرا بھائی
ہے ـــــ اور ایسا عجیب بھائی کہ دُنیا نے ایسا بھائی دیکھا ہی
نہیں ـــــ
کہ ـــــ

اولاد تیری ہو گی ـــــ نسل میری کہلائے گی ـــــ بیٹے تیرے

ہوں گے ـــــ اولاد میری کہلائے گی ـــــــ"

اللہ نے اِن بھائیوں کا ایسا رشتہ بنایا ـــ کہ حسنؑ و حسینؑ جیسے عجیب و غریب بیٹے

دیئے علیؑ کو ـــــ حسنؑ ابنِ علیؑ ہیں ـــ حسینؑ ابن علیؑ ہیں ـــ حسنینؑ بیٹے علیؑ کے ہیں ـــ

قیامت تک دنیا سلام کیا کرتی رہے گی۔

"السلام علیک یا ابن رسولؐ اللہ ـــــ"

اتنا قریبی رشتہ ہے ـــ حسنؑ و حسینؑ جیسے بیٹے اللہ نے دیئے ـــ یہ دونوں بھائی

آپس میں مثال بنے ہیں ـــ ایسے بھائی آج تک نہ پیدا ہوئے اور نہ ہی پیدا ہوں گے ـــ

علیؑ کا سینہ فخر سے تن جاتا ہے۔ جب کوئی کہتا تھا

"حسنینؑ کا بابا" ـــــــ اور جناب سیدہؑ شکر کے سجدے کرتی تھیں۔

کوئی کہتا تھا

"حسنینؑ کی اماں ـــــ"

خدا نے ایسے عجیب و غریب فرزند عطا فرما دیئے جناب علیؑ و سیدہؑ کو ـــ اور ایسے بھائی

میں پیدا ہوئے ہی نہیں جیسے یہ بھائی تھے ـــــــــــــــ

اللہ نے علیؑ کو اور اولاد دینا شروع کر دی ـــ حسنؑ و حسینؑ کے بعد اللہ نے علیؑ کو ایک

عطا فرمایا ـــ وہ تھے جناب حنفیہؓ ـــ امیر المومنینؑ کے تیسرے بیٹے تھے ـــ

صرف یہ تھا کہ حسنینؑ کی ماں جناب سیدہؑ تھیں ـــ اور حنفیہؓ کی ماں اور خاتونؑ تھیں ـــ

لیے جناب حنفیہؓ علیؑ کی شجاعت کے مالک تھے ـــ علیؑ کی بہادری کے مالک تھے ـــ

سب کا مانا ہوا سورما ـــ دنیا مانتی تھی اُن کی بہادری و طاقت کا ـــ امامت

خصوصیات حسنینؑ کے ساتھ تھیں ـــ مگر خاندانِ بنی ہاشم کی عظمت محمد حنفیہ

ساتھ تھیں

سامعین!

جب معرکۂ "جمل" ہوا تب ____ اس جنگ میں علیؑ کی فوج کا علم ان ہی [illegible]

کے ہاتھ میں تھا ____ یہی علمبردار تھے ____

وہ جو علیؑ کی وصیتیں ہیں جنگ کے موقع پر (جو نہج البلاغہ میں محفوظ ہیں ____ اور دوسری کتابوں

میں بھی) وہ ان ہی محمد حنفیہؒ کو وصیتیں کی تھیں ____ کہ

"لو محمدؐ!

یہ علم سنبھالو ____ اور میدانِ جنگ میں جاؤ ____

"دیکھو!

سب سے پچھلی صف پہ تمہاری نظر رہے ____ پہاڑ ٹل [illegible]

مگر تمہارے قدم اپنی جگہ سے نہ ہٹنے پائیں ____ اپنے دانتوں کو [illegible]

جما لینا ____ اپنا سر خدا کے سپرد کر دینا ____ اور حملہ کرنا ____

جاؤ بیٹا!

شاباش ____ خدا تمہارا محافظ ہوگا ____"

یہ فرما کے علیؑ نے محمد حنفیہؒ کو میدانِ جنگ میں بھیجا ____ اس نے واقعی

شجاعت کے جوہر دکھائے ____ اور جب جوہر شجاعت دکھا کے واپس آئے ____ تو

علیؑ نے شہد کا شربت پلایا ____ سائے میں بٹھایا ____ عبا کے دامن سے ہوا کی ____

جب تازہ دم ہو گئے ____ تو دوبارہ بھیج دیا ____ پھر جب تازہ دم ہو گئے

تیسری دفعہ پھر بھیج دیا ____ جب تیسری دفعہ بھیج رہے تھے تاکہ تازہ دم

کر کے تو

محمد حنفیہؒ کے منہ سے نکل گیا

"بابا جان!

جو میرے بڑے بھائی ہیں حسنؑ و حسینؑ ____ اس دفعہ انہیں بھیج دیں ____

علیؑ کا یہ سننا تھا کہ فرمایا

"محمد حنفیہؒ!

میں سمجھ گیا ——— تو جانے سے ہچکچا رہا ہے ——— اس لئے کہ تیری ماں کے

دودھ کا اثر یہی ہے ———"

اب جو مولاؑ نے یہ فقرہ کہا کہ "تیری ماں کے دودھ کا اثر ہے ———"

تو بچے کو غیرت آگئی ——— مشک ہ "جو بگڑی ہوئی تھی ہاتھ سے اٹھا کے

توڑ دیا اور اب کے جو حملہ کیا تو "جنگ جمل" کا فیصلہ ہی کر دیا ———

بہر نوع۔ ایسا بہادر بیٹا خدا نے علیؑ کو عطا فرمایا ——— ادھر حسنؑ و حسینؑ جیسے

بیٹے ——— ادھر محمد حنفیہؒ جیسا بہادر بیٹا علیؑ کے پاس موجود ——— جن کی بہادری کی

دھاک بیٹھی ہوئی تھی دنیا میں ——— ان بیٹوں کے ہوتے ہوئے ———

ایک دن امیر المومنینؑ نے اپنے بڑے بھائی حضرت عقیلؓ کو بلایا ——— عقیلؓ

آئے ——— علیؑ تعظیم کو اٹھے ——— اور عقیلؓ کہتے ہیں

"یا علیؑ! تم امام زمانہؑ ہو ——— تم میری تعظیم نہ کرو ———"

مولاؑ نے فرمایا

"عقیلؓ بھائی!

میں نے بحیثیت امام نہیں بلایا ——— بلکہ بھائی کی حیثیت سے آپ کو بلایا ..

ہے ——— آپ بڑے بھائی ہیں ——— اور بڑا بھائی باپ کے برابر ہوتا ہے ———

میں آج آپ سے خاص بات کہنا چاہتا ہوں ———"

عقیلؓ نے پوچھا

"یا علیؑ! کونسی بات ———؟"

مولاؑ نے فرمایا

"عقیل بھائی!

میں یہ کہنا چاہتا ہوں ـــــ آپ عرب کے تمام خاندانوں سے واقف ہیں

ـــــ کسی ایسے خاندان میں میرا عقد کرا دیں ـــــ جو عرب بھر میں بہادری میں مانا ہوا

خاندان ہو ـــــ میں ایک بہادر خاندان کی بہادر لڑکی سے عقد کرنا چاہتا ہوں ـــــ تاکہ

اُس لڑکی کے بطن سے جو بیٹا پیدا ہو ـــــ وہ میری شجاعت کا وارث ہو ـــــ"

عقیلؓ نے کہا

"ٹھیک ہے ـــــ میں رات بھر غور کروں گا ـــــ کل صبح بتاؤں گا ـــــ"

اگلے دن صبح عقیلؓ تشریف لائے ـــــ اور کہنے لگے

"یا علیؓ!

میں نے وہ خاندان ڈھونڈ لیا ہے ـــــ جہاں تمہاری شادی کرانا ہے ـــــ"

مولاؑ نے پوچھا

"کون سا خاندان ـــــ؟"

تو جناب عقیلؓ نے فرمایا

"بنی کلاب" ـــــ عرب کا بڑا بہادر

خاندان ہے ـــــ لوگ اُس خاندان کے آدمیوں کے نام اپنی تلواروں پہ کندہ کرا لیتے

ہیں ـــــ علیؓ اس خاندان میں تمہارا عقد ہو گا ـــــ"

خاندان بنی کلاب ـ خیموں میں رہتا تھا ـــــ اتفاق سے (بنی کلاب)

مدینے سے دس، بارہ میل کے فاصلے پر خیمے ڈالے ہوئے تھے ـــــ

آپؑ نے کہا

"علیؑ! وہ آئے ہوئے ہیں ـــــ میں ابھی وہاں تمہاری خواستگاری کے لئے

جاتا ہوں ـــــ"

چنانچہ عقیلؓ خود چل کے قبیلہ "بنی کلاب" کے پاس پہنچے ——— اور قبیلہ کے سردار سے

ملے ——— جس کا نام تھا "خزم" قبیلہ کے سردار نے پوچھا

"آپ کون ہیں ——— ؟"

جناب عقیلؓ نے جواب دیا

"میں عقیلؓ ہوں ——— "

"کون عقیلؓ ——— ؟"

"ابی طالبؑ کا بڑا بیٹا ——————— "

اب جو سردار نے یہ سُنا کہ ابی طالبؑ کا بڑا بیٹا میرے سامنے کھڑا ہے ———

تو اُس نے عقیلؓ کے پیروں پہ اپنا سر رکھ دیا ——— اور کہنے لگا

"اے جعفرؓ الملکؓ کا بیٹا!

سیّد العربؑ کا بیٹا!

امیر القومؑ کا بیٹا!

ابی طالبؑ کا بڑا فرزند ——— تم یہاں کہاں ٹھہر گیا ———

ہم خادموں کے گھر جو موجود ہیں ——— "

چنانچہ تمام قبیلہ استقبال کر کے عقیلؓ کو اپنے قبیلے میں لے گیا ——— ایک بہترین خیمے

میں ٹھہرایا ——— تین دن تک جب فرائض مہمانی ختم ہو گئے ——— تو سردار قبیلہ

عرض کرتا ہے

"اے امیر العربؑ کے بیٹے!

آپ نے کیوں زحمت فرمائی ——— آپ حکم فرمائیے

——— ہمارے لئے کیا حکم ہے ——— ؟"

جناب عقیلؓ کہتے ہیں

"شیخ!

تو ہمارے خاندان کو جانتا ہے ـــــــــــ؟"

"سبحان اللہ ـــــ وہ دن ہوگا، جو تیرے خاندان کو نہیں جانتا ـــــ وہ تو کوئی نابینا ہی ہوگا ـــــ جس نے تیرے خاندان کی عظمت نہ دیکھی ہو ـــــ بنی ہاشم کا خاندان آفتاب و مہتاب کی طرح روشن ہے ـــــ اور ابی طالبؑ کی اولاد ساری دنیا سے زیادہ معزز و محترم ہے ـــــ حضورؑ حکم فرمائیے:

"سردار!

میں چاہتا ہوں، کہ میرے خاندان کا رشتہ تیرے خاندان میں ہو جائے ـــــ"

شیخ پوچھتا ہے

"حضورؑ!

اس سے بڑھ کے ہماری عزت اور کیا ہوگی ـــــ آپ حکم فرمائیے

کس کا رشتہ چاہتے ہیں ـــــ؟"

تو آپؑ نے فرمایا

"میں اپنے چھوٹے بھائی علیؑ کا رشتہ تیرے خاندان میں چاہتا ہوں ـــــ"

بس اُدھر عقیلؑ نے "علیؑ" کا نام لیا ـــــ ادھر بیٹے کا شیخ سمجھا

"عقیل! کس کا رشتہ ـــــ؟"

"علیؑ کا ـــــ"

پھر اُس نے پوچھا ـــــ

"حضورؑ ـــــ ایک دفعہ پھر کہیں ـــــ کس کا رشتہ ـــــ؟"

"علیؑ کا ـــــ"

بار بار پوچھتا ہے وہ ـــــ اور اٹھتا ہے ـــــ ـــــ

"خدایا! کس کا نام آیا ——— کی کا رشتہ اور چھوڑے گھر —— جاسے

ندان میں :"

"حضور!

میری بچی موجود ہے —— جب حکم دیں ——"

جناب عقیلؓ نے کہا

"سردار!

مجھے بھی توقع تھی —— تم بھی جواب دوگے —— جاؤ —— ذرا لڑکی سے

بات کر لو ——"

"قبلہ —— لڑکی سے کیا پوچھنا ہے ——— میں جو لڑکی کا باپ کہہ رہا ہوں ——"

تو جناب عقیلؓ نے کہا

"سردار!

یہ اسلامی قانون ہے —— لڑکی سے پوچھنا چاہیئے ——— پھر رشتہ

طے ہو جائے گا ———"

بہرحال۔ "حزام" سردار بنی کلاب —— گھر آیا —— آکے بیوی سے کہا ———

"سنتی بھی ہو ——— قسمت یاور ہوگئی ——— نصیب جاگ گیا ———

بیٹی کا رشتہ آیا ہے ———"

چونکہ حزام کی ایک ہی اکلوتی لڑکی تھی۔ جس کا نام فاطمہ تھا —— بیوی نے سمجھا —— کہ

کسی بادشاہ کا رشتہ آیا ہوگا ——— آخر بیوی نے پوچھا

"بتاؤ تو سہی —— کس کا رشتہ آیا ہے ———"

حزام نے جواب دیا

"پہلے شکریہ کی دو رکعت نماز پڑھ لو ——— پھر بتاؤں گا ———"

جب اُس مومن کو پوری طرح متوجہ کر لیا ــــــ تو کہنے لگا

"ہمارے گھر ــــ ہماری لڑکی کے لیے ــــ علیؑ کا رشتہ آیا ہے ــــــ

وہ خاتون کہتی ہے

"کیسی تم ایسی باتیں کرتے ہو ــــــ علیؑ کا رشتہ اور ہمارے گھر ــــــ

محمد کا داماد ــــــ اور ہمارا داماد ہے ــــــ

ہمیں خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ ہماری اتنی عزت ہو ــــــــــ"

غلام بولا!

"واقعتاً ــــ علیؑ کا رشتہ آیا ہے ــــــ"

تو خاتون نے جواب دیا

"سبحان اللہ ــــــ پھر دیر کیا ہے ــــــ"

"ذرا لڑکی سے پوچھنا ہے ــــــ"

"کیوں ــــــ اُس سے کیا پوچھنا ہے ــــــ"

"وہ کہتے ہیں کہ اُس سے پوچھو ــــــــــ"

چنانچہ سہیلیاں بلوائی گئیں ــــــ سہیلیوں کے ذریعے پوچھا گیا ــــــ تو انہوں نے فرمایا

"میرے رشتے کا اختیار ماں باپ کو ہے - - - - - ــــــ مگر رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے ــــــ وہ میری اماں کو جا کے بتا دیا - - - - - -

"میں نے خواب میں دیکھا ہے ــــ کوئی نورانی آئے ہیں ــــ جنہوں نے مجھے دلہن بنایا ہے ــــ دلہن بنا کے مجھے پیار کیا ہے - - - وہ پیار کر کے یہ فرمایا ــــــ

"تجھے مبارک ہو ــــــ تو میرے بیٹے کی ماں بنے - - - ـــ"

بہر صورت ۔ سہیلیوں نے آکے کہہ دیا - - - - منظور شدہ ہے ــــــ اور

چند دن بعد۔ خاندان بنی ہاشم برات لے کر گیا ـــــــ علیؑ کا عقد ہوا ـــــ "فاطمہ کلابیہ" ـــــ جو بعد میں "امّ البنینؑ" کہلائیں ـــــ رخصت ہو کر علیؑ کے گھر آئیں ـــــــــــ

دروازے پہ محمل بٹھائی گئی ـــــــ تمام بنی ہاشم ننگی تلواریں لیے ہوئے محلے کا پہرہ دے رہے تھے

رکو!

خبردار ـــــ کوئی سواری پہ سوار ہو کے نہ گذرے ـــــ کوئی مکان کی چھت پہ نہ چڑھنے پائے ـــــــ علیؑ کا ناموس "آیا ہے ـــــ علیؑ کا حرم آیا ہے ـــــ"

چنانچہ بی بیؑ محمل سے اتریں ـــــ دروازے پہ آئیں ـــــ چوکھٹ کو چوما ـــــ شکر کا سجدہ کیا ـــــ دروازے کے اندر قدم رکھا ـــــ اور وہیں زمین پہ بیٹھ گئیں ـــــــ

جناب زینبؑ نے آ کے کہا

"اماں! اندر آیئے ـــــ"

بی بی کہنے لگیں

"فاطمہؑ کی بیٹیو!

مجھے اماں نہ کہو ـــــ میں تمہاری خدمت کے لئے آئی ہوں ـــــ میں تمہاری خادمہ ہوں ـــــ"

حسینؑ آئے

"اماں! چلو اندر ـــــ"

بی بی نے کہا

یہ شہزادو! میں تمہاری خدمت کے لئے آئی ہوں ــــ تمہارے باورچی خانے
کام کرنے کے لئے ــــ تمہارے نعلین صاف کرنے کے لئے ــــ یہ گھر پیغمبرؐ
کا گھر ہے ــــ تم سیدہ کی اولاد ہو ــــ میں تمہاری کنیزوں کی طرح رہوں گی ــــ
بہر نوع بی بی نے عقیدت کی انتہا کر دی ــــ اور حسنینؑ نے محبت
انتہا کر دی ــــ

محترم سامعین!

پورا ایک سال گزرا اس شادی کو ــــ تو خداوند عالم نے
وہ بیٹا عطا فرمایا۔ جس کی علیؑ کو تمنا تھی ــــ

علیؑ مسجد میں بیٹھے تھے ــــ اطلاع دی گئی

"یا علیؑ! مبارک ہو ــــ خدا نے بیٹا عطا فرمایا ہے ــــ"

علیؑ گھر میں آئے ــــ ماں کی گود میں بچے کو دیکھا ــــ دیکھ
کے کہتے ہیں

"ماشاء اللہ ــــ وہی ہے جس کی مجھے تمنا تھی ــــ"

علیؑ، اُمّ البنینؑ سے کہتے ہیں

"اُمّ البنینؑ!

مبارک ہو ــــ تو اس بیٹے کی ماں بنی ــــ"

اُمّ البنینؑ فرماتی ہیں

"یا علیؑ! اس نے آنکھ نہیں کھولی ــــ"

علیؑ جواب میں فرماتے ہیں

"ماں ــــ مجھے پتہ ہے ــــ یہ آنکھ نہیں کھولے گا ــــ آخر
میرا بیٹا ہے نا ــــ"

پھر مولاؑ فرماتے ہیں

"حسینؑ کو بلاؤ ــــ"

حسینؑ آ گئے ــــــــ

"حسینؑ!

ذرا بھائی کو گود میں لینا ـــــــ"

اب جو حسینؑ نے ہاتھ پھیلائے ــــ تو بچے نے آنکھ بعد میں کھولی ــ ہاتھ دونوں پہلے پھیلا دیئے غالباً ہاتھ پھیلانے کا مطلب یہ تھا

"حسینؑ!

آنکھ تو کھلتی ہی رہے گی ــــ پہلے میرے دونوں ہاتھوں کا نذرانہ

قبول فرما ــــــــ

آقا!

یہ دونوں ہاتھ ابھی سے تیری نذر کرتا ہوں ـــــــ"

چنانچہ حسینؑ نے گود میں لے لیا ــ بھائی کا منہ چوما ـــــــــــ بچے نے آنکھیں کھولیں ـــــــــ اور سب سے پہلے حسینؑ کا چہرہ دیکھا ـــــ پھر علیؑ نے گود میں لے کر ایک کان میں اذان کہی ـــــ ایک کان میں اقامت کہی ـــ اور فرمایا

"مجھے رسولؐ نے وصیت کی تھی کہ اس بچے کا نام "عباسؑ" رکھنا ـــــــ"

چنانچہ "عباسؑ" نام رکھا گیا ـــــــ

اب جناب زینبؑ فرماتی ہیں

"اسے میری گود میں دو ـــــ"

بہن نے گود میں لے لیا ـــــ اور کان پہ منہ رکھ کے کچھ بات کہی ـــــ تو

امیرالمومنینؑ پوچھتے ہیں

"زینبؑ! کیا بات کہی ہے ــــــ"

"بابا جان! اماں کی ایک وصیت تھی۔ وہ سنانی ہے ــــــ"

مولاؑ نے پوچھا

"زینبؑ! کونسی وصیت ــــــ؟"

بی بیؑ نے فرمایا

"اماں نے وقتِ رحلت فرمایا تھا ــــ کہ ایک بچہ پیدا ہوگا ــــ عباسؑ اُس کا نام ہوگا ــــــ جب وہ پیدا ہو ــــ تو گود میں لے کے ــــ اس کے کان میں یہ کہہ دینا

"اماں سلام کہتی تھی ــــــ"

میرے محترم سامعین!

بات مختصر کرتا ہوں ــــــ

حسینؑ کربلا گئے ــــــ تو حسینؑ کا سارے کا انچارج عباسؑ!

حسینؑ فوج کا سپہ سالار عباسؑ!

حسینؑ اگر کہیں خط لکھتے ــــ تو کاتب عباسؑ!

کوئی مشورہ کرتے ــــ تو مدبر عباسؑ!

حسینؑ کے خیموں کا محافظ عباسؑ!

حسینؑ کے بچوں کو بہلانے والا عباسؑ!

غرض کوئی کام ایسا نہیں تھا ــــ جو اس ایک انسان کے سپرد نہیں تھا ــــ دنیا کا ہر کام اس انسان کے سپرد تھا ــــــ

اور ــــــ

سامعین! میں اپنے بیان کو مختصر کرتا ہوں ــــ کہ کربلا میں نویں محرم الحرام کی رات

زینبؑ نے عباسؑ کو اپنے خیمے میں بلایا —— آپؑ تشریف لے گئے ——

عباسؑ نے عرض کی

"بی بی —— کیا حکم ہے ——؟"

"عباسؑ بھائی!

کل کیا ہوگا ——؟"

عباسؑ فرماتے ہیں

"آپ فکر نہ کریں —— آپ ملکۂ عالم ہیں —— آپ گھبرائیں نہیں —— جب

تک میں زندہ ہوں —— کسی کی طاقت نہیں جو تیری چادر کا نام بھی لے ——"

اب زینبؑ کو اطمینان ہوگیا —— حوصلہ ہوگیا —— اور تمام خیموں میں جتنی عورتیں

تھیں۔ سب کو بلایا

میری بیٹو! میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ تمہاری چادر کی میں ضامن ہوں ——

اتنے حضورِ والا! صبح ہوگئی —— صبح کے بعد دوپہر ہوگئی —— جب تمام سپاہی

شہید ہوگئے ——

قمرِ بنی ہاشمؑ سامنے آئے —— اور آکے حسینؑ سے عرض کرتے ہیں

"مولاؑ!

میں مرنا چاہتا ہوں —— مجھے مرنے کی اجازت دو مولاؑ! ——"

اور حسینؑ نے دیکھ کے فرمایا

"عباسؑ! تم تو میرے علمدار ہو ——"

"مولاؑ! علمدار ضرور ہوں —— مگر وہ فوج ہے کہاں جس کا میں علمدار ہوں ——

تو مجھے اجازت دے مولاؑ!

کوثر پہ میرے بابا میرا انتظار کر رہے ہیں۔"

اور مولاؑ نے اجازت کے ساتھ ساتھ یہ فرما دیا ——

"بھائی! خیمے میں جاؤ ـــــ بچی کی مشک بھی لے جاؤ ـــــ اور اسے "پانی سے بھر لو ـــــ"

چنانچہ عباسؑ خیمے میں آئے ـــــ بچی کو بلایا

"شہزادی!

مجھے اپنی مشک دو ـــــ"

بچی نے اپنے ہاتھ سے چچا کے کاندھے پہ مشک رکھ دی ـــــ اور سکینہؑ نے تمام خیموں میں بچوں کو خوشخبری سنائی

"بچو! مبارک ہو ـــــ میرا چچا سقا بن کے جا رہا ہے ـــــ"

بہر نوع ـــــ عباسؑ نے بہنوں کو سلام کیا ـــــ زینبؑ کو سلام کیا ـــــ اور اپنے خیمے میں گئے ـــــ زوجہ سے کہا

"خدا حافظ ـــــ میں جا رہا ہوں ـــــ ان بچوں کا خیال رکھنا ـــــ"

سامعین! اس موقع پہ میر انیس مرحوم کا ایک شعر سنا دوں ـــــ کہ جب بچوں کی بات کہی ـــــ تو زوجہ کہتی ہیں

"آپ بچوں کا فکر نہ کریں ـــــ"

کچھ غم نہ کریں آپ یہ بے پدران چھٹیں گے
میں قبر کو جھاڑوں گی یہ قرآن پڑھیں گے

بہر نوع ـــــ زوجہ عباسؑ یہ کہہ رہی تھیں ـــــ عباسؑ میدان میں چلے گئے ـــــ تمام بیبیاں خیمے کے صحن میں کھڑی ہیں ـــــ اور اپنے ہاتھوں میں خالی کوزے لئے بچے دروازے سے باہر نکلے کھڑے ہیں ـــــ سب کی نظریں علم پہ ہیں

علم گیا میدان میں ـــــ نہر پہ پہنچا

سامعین!

یہاں میں ایک شعر اور سنا دوں ـــــ کہ جب عباسؑ نے پانی

سے مشک کو بھرا ــــ اور دشمن کی فوج کی طرف

سہ خواہش پہ ٹوٹ کے گرنا نہیں آتا

دیکھنے کا مطلب یہ تھا کہ ــــ

پیاسہ ہوں مگر ساحلِ دریا پہ کھڑا ہوں

سامعین! خواہش کا تقاضا تو یہ تھا کہ عباسؑ جب پانی بھر رہے ہیں مشک

میں ــــ خود پی لیتے ــــ مگر انہوں نے پیا نہیں ــــ

بلکہ ہاتھوں سے پانی اُچھال کر دشمن کو دکھا دیتے ہیں ــــ کہ

سہ پیاسہ ہوں مگر ساحلِ دریا پہ کھڑا ہوں

المختصر عباسؑ جب واپس لوٹے ــــ اور بچوں نے علم کو واپس آتے دیکھا ــــ

سکینہؑ نے خوش ہو کے کہا "بچو! وہ میرا سقا آ رہا ہے ــــ"

سب کی نظریں علم پر لگی ہوئی ہیں ــــ اور تھوڑی سی دیر میں دیکھا گیا

کہ علم کبھی داہنی طرف جھکتا ہے ــــ کبھی بائیں طرف جھکتا ہے ــــ اب جو علم

ڈگمگاتے دیکھا ــــ تو جنابِ زینبؑ نے آواز دی

"حسینؑ! ــــ یہ کیا ہو گیا ہے ــــ؟"

اور حسینؑ فرماتے ہیں "زینبؑ!

دیکھ تو میں بھی رہا ہوں ــــ مگر میری کمر ٹوٹ گئی ــــ مجھ سے

نہیں جاتا ــــ میری کمر ٹوٹ گئی ــــ"

مومنین! تھوڑی دیر میں علم سرنگوں ہوا ــــ اور حسینؑ لاشے پر پہنچے ــــ

گود میں سر لیا

"عباسؑ بھائی! ہم آ گئے ــــ"

"مولاؑ! آپ نے بڑا کرم فرمایا ــــ میں نے تو آواز نہیں دی تھی ــــ

حضورؑ نے بڑی تکلیف فرمائی ــــ اب اگر حضورؑ مناسب سمجھیں ــــ تو

مرنے والے امامؑ زین العابدینؑ تک میرے دو پیغام پہنچا دیں ــــ"

مولاؑ نے فرمایا "عباسؑ بھائی! کہو ــــ کیا بات ہے؟"

"مولا! ایک تو یہ ہے کہ جب میری قبر بنائیں — تو قبر پہ میرا نام نہ لکھیں — بلکہ نام کی بجائے یہ لکھیں — "پیاسوں کا سقا جو پیاسا مارا گیا —"

اور جب وطن واپس جائیں — تو میری اماں کو میرا سلام کہدیں — بس اتنا آپ میری اماں سے کہ

"میں نے تیرے دودھ کی عزت رکھ لی ہے —"

اس کے بعد عباسؑ خاموش ہو گئے — روح پرواز ہو گئی — امامؑ نے علم اٹھایا — علم میں مشک باندھی — علم لیکر خیمے میں آئے —

سیدانیوں نے علم کی تعظیم کی — اور حسینؑ نے علم زینبؑ کے سپرد کر دیا — "زینبؑ!

یہ علم آ گیا — اب اس کا پنجہ اتار دو — اس کا پٹکا کھول دو — اب مجھے کسی علم کی ضرورت نہیں رہی — مجھے جی بھر کے دیکھ لو بہن! میں جا رہا ہوں —"

اور زینبؑ علم لے کر خیمے کے صحن میں کھڑی ہو گئیں — بلند آواز میں فرمایا

بی بیو!

آؤ — میری بات سنو — رات میں نے تم سے وعدہ کیا تھا — کہ میں تمہارے پردے کی ضامن ہوں — اب میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں — میں نے جس بھروسے پہ کہا تھا — وہ ختم ہو گیا — میرا بھائی عباسؑ مارا گیا —"

(انا للہ و انا الیہ راجعون)

—・・・—

حق — طاقت ہے

(مصائب شہزادہ علی اکبرؑ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"خداوند عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمدؐ و آل محمدؐ پر درود و سلام"!

محترم سامعین! بہت سے حضرات۔ خصوصاً نوجوان مجھ سے بہت سی فرمائشیں کرتے ہیں کہ آج ہم یہ سننا چاہتے ہیں۔ "آج فلاں واقعہ سنا دیجئے۔" میں اُن سب حضرات کی خدمت میں ادب سے عرض کرتا ہوں۔ کہ اب مجھ میں اتنی طاقت نہیں رہی کہ ان فرمائشوں کو پُورا کروں ——— جو مناسب ذہن میں آجاتا ہے کہہ دیتا ہوں ——— اور فرمائشوں کی تعمیل کرنے کی میرے جسم میں، میرے دماغ میں طاقت نہیں ہے ——— چند دوست لکھ کے دیتے ہیں ——— "زیدی صاحب! خیبر پڑھو ——— میں کہتا ہوں۔ "اب نہیں"، اب وہ خیبر والی بات نہیں ہوگی۔ اب میں خیبر سنانے کے قابل نہیں رہا ——— دیکھو نا۔ یہ خیبر وغیرہ کی جنگیں جوانی میں سجتی ہیں۔ بوڑھے کا خیبر سے کیا واسطہ ——— اور اگر میں ان کے کہنے میں آکر خیبر شروع کر بیٹھوں۔ تو بیچ میں سے لوٹ آنا پڑے گا ——— پھر کیا فائدہ ——— بہر نوع پھر بھی میں کوشش ضرور کرتا ہوں۔ کہ آپ کی فرمائش پوری کروں تاکہ آپ کا شوق بھی پورا ہو جائے اور میری بات بھی رہ جائے۔

بزرگان گرامی! اگر ہماری زندگی کو بہترین زندگی بحیثیت ایک انسان کے کوئی شے بنا سکتی ہے۔ تو وہ صرف اور صرف مودتِ آلِ محمدؐ ہے۔ یہی ایک شے ہے جو انسان کو انسان بناتی ہے

مگر دُکھ اس بات کا ہے۔ کہ انسان اللہ کی بات تو مانتا نہیں۔ اور اپنی بات حرفِ آخر سمجھتا ہے۔ اور اسی چیز نے انسان سے بُت پرستی کروائی تھی ——— پھر انسان کی عقل ذرا تیز ہوئی۔ اور مٹی پتھر کے بُت توڑے آدمی نے۔ مگر ایک ایسا بُت مسلّط رہا ہے انسان کے سر پر کہ نہ وہ پہلے ٹوٹا نہ اب ٹوٹتا۔ اور نہ ہی اللہ جانے ٹوٹے گا۔ ایک بُت ایسا مسلّط ہو گیا انسان کے سر پر۔

کہ دنیا میں اگر حق کوئی شے ہے تو وہ طاقت ہے۔ جہاں طاقت ہو۔ بس وہ حق ہے۔ جس کے پاس طاقت ہو وہ حق ہے چاہے کسی طرح ہی وہ طاقت آئی ہو۔ کسی طرح ہی وہ طاقت حاصل ہوئی ہو۔ اگر طاقت ہے۔ قوت اگر کسی میں ہے تو اُس کی بات بھی حق ہے اُس کا قول بھی حق ہے۔ اس کا فعل بھی برحق ہے۔ وہ سب کچھ حق ہے۔ وہ اعلیٰ حضرت بھی ہے۔ وہ ظلِّ سُبحانی بھی ہے۔ اگر طاقت ہے ——— یہاں تک طاقت سے مرعوب ہے دُنیا کہ طاقت کے سامنے کوئی کچھ نہیں بولتا۔

ایک دفعہ یہ مناظرہ ہو گیا کہ رسولؐ نُور تھے یا خاک تھے۔ یہ جھگڑے چلتے رہتے ہیں نا مولوی صاحبان میں۔ یہ بے کاری کے مشغلے ہیں مولویوں کے۔ کہ چلو اور کچھ نہیں تو یہ مناظرہ ہی کریں) تو اس میں نواب بہاولپور کو صدر بنا دیا۔ تو جو نُور ہونے کے منکر تھے انہوں نے خط لکھا نواب بہاولپور کو۔

"حضور پُر نُور، اعلیٰ حضرت، نواب بہاولپور!

آپ فیصلہ فرمائیں کہ رسولؐ نُور تھے یا خاک ———" اب اُن سے کوئی پُوچھے کہ بہاولپور کا نواب تو پُر نور، ——— اور رسولؐ بے نُور ——— "، اور یہ اس لئے کہ طاقت حق ہے دُنیا میں۔ جو طاقت نے کہہ دیا۔ بالکل ٹھیک ہے۔ جو طاقت کے منہ سے نکل گیا۔

بالکل درست ہے —— اسی لئے انبیاءؑ کی بات لوگ نہیں مانتے
تھے۔ کہ لوگوں کے ذہن میں یہ بیٹھا ہوا تھا۔ کہ انبیاءؑ کے پاس طاقت نہیں
ہے۔ ان کی بات کون مانے۔ یہ امیر نہیں۔ ان کے پاس دولت نہیں۔
ان کے پاس فوج نہیں۔ ان کے پاس لشکر نہیں —— یہ کمزور سے آدمی
ہیں —— ان کمزوروں کی بات بھلا طاقتوروں کے مقابلے میں کون
مانے —— اس لئے انبیاءؑ کی بات نہیں مانتے تھے —— مگر
انہوں نے یہ تہیہ کر لیا کہ میں دنیا سے یہ منوا کے چھوڑوں گا۔ کہ طاقت حق نہیں ہے۔

حق طاقت ہے ——
دنیا والو! تم غلط سمجھے ہو کہ طاقت حق ہے —— طاقت حق نہیں ہے —— بلکہ

حق طاقت ہے —— [illegible] ——
منوانے کے لئے وہ ہمیشہ طاقت کے مقابلے میں کمزور کو لاتا تھا —— اور جب طاقت کو
شکست ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ تم کہتے تھے کہ حق طاقت ہے —— نمرود کے مقابلے
میں ابراہیمؑ کو لے آیا۔ اور جب نمرود [illegible] گئے تھے۔ ورنہ طاقت کو ہو گئی شکست۔ تو
اللہ نے کہا۔ دیکھو طاقت کو شکست ہو گئی حق سے ——
دنیا نے کہا۔ بالکل نہیں۔ کون کہتا ہے کہ حق طاقت ہے جب طاقت ہی حق ہے ——

تب ——؟
نمرود کے پاس مچھر بلانے کی طاقت نہیں تھی۔ ابراہیمؑ کے پاس مچھر بلانے کی طاقت تھی۔ اُن
کی طاقت نے شکست دی۔ حق نے کوئی شکست نہیں دی —— پھر اپنی ضد —— اور
موسیٰ کو فرعون کے مقابلے میں لے آئے —— فرعون کے پاس طاقت —— موسیٰ [illegible]

—— جب فرعون ڈوب گیا۔ غرق ہو گیا۔
رب اللطیف نے اُس کے ڈوبنے کا۔ جب یہ ڈوب رہا تھا نامراد۔ تو موسیٰؑ کو بڑی آوازیں

دی تھیں۔ تو موسیٰؑ مجھے بچا لیں۔ میں ایمان لے آؤں گا"۔ مگر موسیٰؑ نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا
جب ڈوب گیا۔ غرق ہو گیا۔ تو حضرت موسیٰؑ رپورٹ دینے گئے کوہِ طور پر ——— اور اتفاق
ایسا بنا تھا۔ کہ جب جناب موسیٰؑ دربارِ فرعون میں گئے تھے۔ تو فرعون کے ایک تنخواہ دار مسخرے
نے جناب موسیٰؑ کا بھیس بدل کر موسیٰؑ کی نقلیں اتاری تھیں۔ موسیٰؑ کو بڑا غصہ آیا تھا اُس
مسخرے پر ——— اب جو موسیٰؑ نے پلٹ کے دیکھا۔ کہ فرعون اور اُس کی ساری فوج تو ڈوب
گئی ——— مگر وہ مسخرہ زندہ کھڑا ہے۔ وہ نہیں ڈوبا ——— وہ ویسے ہی موسیٰؑ جیسا
بھیس بدلے کھڑا ہے ——— موسیٰؑ گئے کوہِ طور پر۔ رپورٹ دی۔ کہ فرعون
غرق ہو گیا۔

تو اللہ نے کہا "موسیٰؑ وہ ڈوبتے ہوئے تمہیں پکار رہا تھا۔ تم نے اُسے جواب نہ دیا۔ اگر وہ
مجھے پکار لیتا۔ تو پھر اُسے نجات دے دیتا ——— "

تو موسیٰؑ نے جواب میں کہا "خداوندا۔ ذرا میری بات بھی سُن لے ——— جو خدا بن کے تیری نقلیں
اُتارتا تھا۔ اُسے تو غرق کر دیا ——— اور جس نے میری نقلیں اُتاری تھیں۔ اُسے نہ ڈبویا۔
وہ اُسی طرح کھڑا ہنس رہا تھا ——— "

اللہ نے جواب دیا "موسیٰؑ! تجھے ادائے محبت کا پتہ نہیں ——— اُسے اس لئے نہیں ڈبویا کہ
اُس وقت وہ تیری شبیہ بنا ہوا تھا۔ اور محبوب کی شبیہ کو غرق کرنا محبت کے خلاف ہے"۔
بہر نوع۔ فرعون ڈوب ہو گیا ———

اب لوگوں نے کہا ——— موسیٰؑ کے پاس دریا پار کرنے کی طاقت تھی۔ فرعون کے پاس نہیں
تھی ——— موسیٰؑ کی طاقت نے شکست دی ہے۔ حق نے شکست نہیں دی۔ پھر وہی طاقت
ہی حق نکلی۔ دُنیا کے ذہن میں یہی بیٹھ گیا تھا۔ کہ طاقت حق ہے۔

یہاں تک کہ ہمارے آخری رسولؐ آ گئے ——— اور اللہ نے کہا ———
"محمدؐ! تم نئے بھی ہو۔ طاقت تو تم میں اتنی ہے کہ تمہاری برابر کسی میں طاقت نہیں ہے۔

چاہو تو انگلی کے اشارے سے چاند کو توڑ دو۔ سورج کو پلٹ سکتے ہو۔ دن کو رات اور
رات کو دن بنا سکتے ہو۔ تمام کائنات کی پلک جھپکتے میں سیر کر سکتے ہو۔ کنکر اور پتھروں
سے کلمہ پڑھوا سکتے ہو ــــــ مگر
ان کے سامنے طاقت کا مظاہرہ نہ کرنا ــــــ اگر طاقت کے ذریعہ سے انہیں منوایا۔ تو وہی
طاقت حق رہے گی ــــــ وہ حق طاقت نہیں مانیں گے ــــــ لہٰذا ان کے سامنے تم
طاقت "دین کے رہبر" ــــــ

اور انہوں نے کیا کیا۔ کہ ہمارے رسولؐ کے سامنے یہ پیش کر دیا۔ قبلہ! آپ ہمارے بتوں کو
برا بھلا نہ کریں۔ ہم آپ کو بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ آپ ہمارے بادشاہ ہوں گے۔ ہم آپ کی
رعایا ہوں گے۔ اس لئے ہمارے بتوں کو بُرا کہنا چھوڑ دیں ــــــ"

رسولؐ نے کہا "نہ، میں بادشاہ نہیں بنتا۔ میں جو کہہ رہا ہوں۔ یہی کہتا رہوں گا۔

(منبر پہ بیٹھ کے غلط بات کہنا بہت بری بات ہے اگر میں اُس زمانے
میں موجود ہوتا تو اٹھ کے جا کے رسولؐ کو مشورہ دیتا ــــــ "قبلہ
ایسے مواقع روز روز نہیں ملتے۔ بہترین موقع ہے۔ یہ خود تمہیں بادشاہ
بنا رہے ہیں۔ بادشاہ بننے کے بعد بادشاہی طاقت سے جو چاہنا منوا
دینا۔ کیوں خواہ مخواہ تکلیف اُٹھاتے ہو" مگر

رسولؐ نے کہا۔ بکواس بند کرو۔ طاقت سے منوانا میرا مقصد نہیں ہے۔
بادشاہ ہونا اور بات ہے۔ دین منوانا اور بات ہے۔ دین سے بادشاہت
کا کیا واسطہ ــــــ

بادشاہت اور چیز ہے۔ دین منوانا اور چیز ہے۔
جب دین کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ تو ہم بادشاہت کو ٹھکرا دیتے ہیں۔
دیکھو! آج میں ٹھکرا رہا ہوں۔ کبھی میرا بیٹا حسنؑ ٹھکرا دے گا ــــــ ہم

بادشاہت کو کیا جانتے ہیں ــــــ"

دین طاقت سے نہیں، ناطاقتی سے ہے ــــــ اور ناطاقتی، بھی اتنی کہ گھر سے گئے تو بھی تو رات کو چھپ کر ــــــ چند عربوں نے گھر گھیر لیا۔ اور رات کو گھر سے چھپ کر گئے۔ اور تین دن تک غار میں چھپے رہے ــــــ اتنی ناطاقتی کا اظہار ــــــ مدینے جا کے بس گئے۔ اور وہاں حملوں پہ حملے ہونے لگے۔ مقابلوں پہ مقابلے ہونے لگے مگر وہی ناطاقتی، وہی بوریا ہے ــــــ وہی فاقہ کشی ہے ــــــ بیٹی کے سر پہ چادر نہیں بیویاں فاقے کر رہی ہیں ــــــ ناطاقتی ہی ناطاقتی ــــــ مگر یہ منوانا چاہتے ہیں کہ طاقت حق نہیں ہے۔ بلکہ حق طاقت ہے ــــــ وقت گذرتا رہا ناطاقتی کا اظہار ہوتا رہا ــــــ اُحد ہو، بدر ہو، خندق ہو، خیبر ہو، جہاں تک دینی نقطۂ نظر ہے۔ ان کے پاس ناطاقتی ہوتی تھی ــــــ دشمن کے پاس طاقت ہوتی تھی۔ مگر رسولؐ ناطاقتی سے منوانا چاہتے تھے حق کو۔

پھر بھی لوگوں کو یہ خیال رہتا تھا کہ طاقت حق ہے۔ کیونکہ رسولؐ کے پاس ایک خیبر شکن کی طاقت ہے۔ اس لئے انہوں نے خیبر فتح کر لیا۔ ان کے پاس ایک ذوالفقار کی طاقت ہے ــــــ اس لئے انہوں نے فتح کر لیا ــــــ یہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا تھا کہ طاقت حق ہے ــــــ یہ بات اُس وقت بھی تھی اور آج بھی ہے کہ طاقت حق ہے

آٹھ نو سال مدینے میں رہ کر رسولؐ مکے گئے۔ وہ صلح حدیبیہ کرنے آنا پڑا۔ اس صلح کی تفصیلات اگر آپ دیکھیں۔ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یوں دب کے صلح کی ہے کہ خود ساتھیوں کو صلح میں ہی نہیں رسالت میں بھی شک ہو گیا تھا ــــــ اور وہ شک اللہ جانے گیا بھی یا عمر بھر باقی رہا۔

بہر نوع اتنی ناطاقتی کا اظہار کیا ہے اس صلح میں ــــــ

میرے محترم سامعین! رسولؐ مدینے میں ہیں۔ تب وہی ناطاقتی کا اظہار ــــــ دندان مبارک

شہید ہو گئے۔ تب بھی وہی ناطاقتی کا اظہار —— حمزہؓ جیسا چچا شہید ہو گیا۔ وہی ناطاقتی۔
آپ کو گھر سے نکال دیا —— چلے گئے۔ کسی نے آپ پر کوڑا کرکٹ پھینک دیا۔ خاموش
ہیں۔ کسی نے رستے میں کانٹے بچھا دیئے —— چُپ ہیں۔ یعنی اپنی ناطاقتی کا اظہار
کر طاقت کے ذریعے نہیں منوانا۔ بلکہ یہ منوانا ہے کہ حق طاقت ہے ناطاقتی
کا پورا مظاہرہ کرتا ہے۔ —— جب تو دس سال گذر گئے۔ اسی عالم میں ——
تو ایک دن وہ وقت آیا کہ یہی ناطاقت، فرزند جو مکے سے ہجرت کر کے چلا گیا تھا۔ رات کو چھپ
کر —— وہ دن کے اُجالے میں پوری دُنیاوی طاقت کے ساتھ پھر اسی شہر مکہ میں واپس آیا
اور مکہ فتح کیا۔ فاتحِ مکہ بنا —— اور مکہ سے نکال دینے والوں کے دم نکل گئے۔
کہ اب کیا بنے گا —— اور جو خون کے پیاسے تھے۔ اُن کے خون خشک ہو گئے۔ کہ
اب کیا بنے گا —— جس کو رات کو گھر سے نکالا تھا۔ وہ دن میں پوری طاقت سے
آیا —— سینکڑوں قبائل ساتھ تھے۔ علم لہرا رہے تھے —— سوار ساتھ تھے
پیادے ساتھ تھے —— اور پوری شان و شوکت سے عبداللہ کے بیٹے نے مکہ فتح کیا۔
—— اور حضرت ابوسفیان (ان کی ساری سوانح عمری تو مجھے یاد نہیں۔ یہ وہ
بزرگ تھے جو ہر جنگ میں رسالتمآبؐ کے خلاف فوج کے سپہ سالار ہوتے تھے۔
بڑے خاندانی بزرگ تھے۔ ان کے خاندانی تعارف کے لئے صرف یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ
حضرت ابوسفیان وہ تھے جو یزیدؔ کے بھی دادا تھے۔)
جب رسولؐ فتح مکہ کر رہے تھے اپنی فوج کے ساتھ۔ تو یہ ابوسفیان ایک پہاڑی کی
چوٹی پہ کھڑے تھے —— اور رسولؐ کی آمد دیکھ کر بے ساختہ کہنے لگے۔
"عبداللہ کے بیٹے میں بڑی طاقت آگئی ہے"۔ اور عباسؓ، رسولؐ کے چچا پاس ہی کھڑے
تھے۔ انہوں نے کہا "کمبخت! یہ طاقت نہیں ہے۔ یہ حق ہے" اب بھی تو "طاقت۔ طاقت"
چلا رہا ہے۔ اُن کے ذہن میں یہی بیٹھا ہوا تھا۔ کہ طاقت حق ہے۔ اور کوئی نے

ے ہی نہیں دنیا میں —— بس اگر حق کوئی شئے ہے۔ تو وقت طاقت ہے" ——

بہر نوع مکہ فتح ہو گیا۔ اور وہی جنہوں نے گھر سے نکالا تھا۔ وہ قیدی بن کے رسولؐ کے
منے آ کھڑے ہوئے۔ ہاتھ اُن کے بندھے ہوئے ہیں۔ رسولؐ کے سامنے کھڑے ہیں ——
اب دنیا کے دنیا کے تمام قوانین کے مطابق۔ اگر رسولؐ حکم دے دیں۔ " ان سب کو قتل
و۔ انہوں نے ہمارے عزیز قتل کئے ہیں۔ انہوں نے ہمیں ستایا ہے"۔ یہ ٹھیک ہے فاتح
حق ہے اس بات کا۔ وہ کر سکتا تھا —— مگر رسولؐ نے کہا " دنیا کے طاقت ور
تحوں والا کام میں نے نہیں کرنا" بڑے اطمینان سے جب وہ ہاتھ بندھے ہوئے کھڑے تھے
سولؐ کے سامنے تو رسولؐ نے فرمایا

" میں تمہارے لئے فیصلہ کروں ——"

اب اُن کے لبوں پہ جان آئی ہوئی تھی۔ وہ سمجھتے تھے محمدؐ کے ایک
اشارے سے ہم قتل ہو جائیں گے۔ ہم ختم ہو جائیں گے ——"
اور بہت سے اصحاب رسولؐ اپنے قبضوں پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔
کہ حضور ذرا حکم دیں اور ہم انہیں قتل کریں ——"

میرے محترم سامعین! ایک دم رسولؐ کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ اور آپ
نے حکم دیا " جاؤ! میں تم سب کو آزاد کرتا ہوں" لیجئے۔ اُن کے ہاتھ کھل گئے۔ سب کے
سب آزاد ہو گئے۔ اب جو وہ آزاد ہوئے۔ تو بڑے شرمندہ۔ اب آگے کلمہ پڑھنے لگے۔

" یا رسول اللہ! مان گئے۔ ہم مسلمان ہوتے ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ
ہم مسلمان ہو گئے ——

سامعین! اب جو وہ مانیں گے۔ تو رسولؐ کو حق سمجھ کے نہیں مانیں گے۔ بلکہ
رسولؐ کی طاقت سے مرعوب ہو کر مانیں گے —— وہی طاقت
کو حق سمجھا ہے انہوں نے۔ کہ رسولؐ میں آج طاقت ہے۔ لہٰذا آج کلمہ پڑھ

آج حضرت ابوسفیان بھی کلمہ پڑھ رہے ہیں۔

"قبلہ۔ میں مسلمان ہوگیا ——"

کیوں —— ؟

"طاقت جو تیرے پاس ہے تُو فاتح ہو کے جو آیا ہے —— "طاقت سے کلمہ پڑھا ہے —— مگر بات وہی رہی کہ طاقت حق ہے۔

ہر نوٹ رسولؐ فتح کرنے کے بعد خانۂ کعبہ کے سامنے پہنچے —— کعبے کو دیکھا اور فرمایا۔ "کعبہ ہم آ گئے —— تو ہمارے انتظار میں تھا نا —— ہم آ گئے ——"

کعبے نے عرض کیا "قبلہ۔ کیا عرض کروں —— آپ تو آ گئے۔ مگر میری جان ان سے تو چھڑوائیں جو مجھے گھیرے بیٹھے ہیں ——"

خدا جانے۔ کب سے بیٹھے ہیں۔ اور وہ بھی ایسے بُت بن کے بیٹھے تھے۔ کہ ملنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے —— اور تین طرح سے بیٹھے تھے۔ کعبے میں بُت —— (۱) کچھ تو کھڑے تھے۔ (۲) کچھ دیواروں سے اڑے تھے۔ (۳) اور کچھ گڑے تھے ——

جو کھڑے تھے وہ تو یوں ہی کھڑے کھڑے آئے تھے۔ اُن کا تو کوئی بھروسہ ہی نہیں تھا —— اور جو دیواروں سے اڑے تھے۔ اُن کا سہارا تھا۔ وہاں چھوٹ جائے تو ختم ہو جائیں —— اور جو گڑے ہوئے تھے۔ وہ بڑے مغرور تھے۔ کہ ہم یہاں کھڑے ہوئے ہیں۔ اُن کے پوجنے والے بھی بڑے مغرور تھے۔ کہ ہمارے بتوں کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔ ہمارے بُت حرم میں گڑے ہوئے ہیں۔ خانۂ کعبہ میں گڑے ہوئے ہیں ——"

نے بندہ تو مذ! رسولؐ کعبے کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ بتوں کی طرف دیکھا۔ بتوں نے
کنکھیوں آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھا ——— "یہ کیا ہے؟" ——— "عصائے مبارک
رسولؐ کے ہاتھ میں تھا ——— ایک بُت کے سر پہ مارتے تھے اور فرماتے تھے "جاء الحق"
وہ لرز جاتا تھا ——— پھر فرماتے تھے "وزھق الباطل" وہ ٹوٹ کے گر جاتا تھا ———
جب سارے ٹوٹ چکے تو وہ جو دیواروں میں اُوپر گڑھے ہوئے تھے۔ وہ بڑے مطمئن تھے۔
کہ ——— رسولؐ کا ہاتھ ہم تک نہیں پہنچ سکتا ——— ہم اونچے گڑے ہوئے ہیں ———
اب سامنے تمام مسلمان کھڑے ہیں۔ وہ اپنی آنکھوں سے بت شکنی کا منظر دیکھ رہے ہیں ———
رسولؐ نے اُن بتوں کو دیکھا۔ جو دیوار میں گڑے ہوئے تھے۔

اب میں یہاں حضرت علامہ فخر الدین کا فقرہ سناتا ہوں۔ جو انہوں نے تفسیرِ کبیر میں
لکھا ہے کہ ———

جب اُن گڑے ہوئے بتوں کے توڑنے کی باری آئی۔ تو رسولؐ نے مسلمانوں کے مجمع کی طرف
دیکھا ——— اور یہ علامہ فخر الدین نے بڑا رازی ہو کے لکھا ہے ———
کہ ——— "اُن تمام مسلمانوں میں سے رسولؐ نے چُن لیا علیؑ کو ———" "یا علیؑ! آگے
آؤ ———" علیؑ آگے آ گئے ——— اور عرض کی۔ "حکم فرمائیے! ———"

تو رسولؐ نے فرمایا۔

"یہ بت جو اُونچے گڑے ہوئے ہیں۔ ذرا انہیں توڑ دو۔"

"حضور! یہ اُونچے ہیں بہت۔ میرا تو ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچے گا ———"

تو رسولؐ نے فرمایا "دیکھو نا۔ ہم چاہتے ہیں تمہیں کہ توڑ دو ان بتوں کو۔ دوسروں
سے میں کہہ نہیں سکتا۔ چونکہ وہ برسوں ان بتوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھ چکے ہیں۔
اب اگر وہ توڑیں بھی تو انہیں شرم آئے گی ان بتوں سے ——— میں چاہتا ہوں۔ تم توڑ دو
چونکہ تمہارا ان سے کوئی واسطہ ہی نہیں ——— اور توڑنے کا طریقہ یہ ہوگا

تم میرے کاندھے پہ کھڑے ہو کے توڑ دو ــــــ"

مگر قبلہ ــــ میں! کاندھے پہ ــــــــ"

"ہاں ہاں ۔ میں جو کہتا ہوں ــــ تم میرے کاندھے پہ قدم رکھو ــــ اور توڑ دو۔"

عجیب منظر بن گیا ــــ کہ آخر درجہ کی رسالتؐ جھکنے لگی۔ اور اول درجہ کی امامت ابھرنے

لگی ــــــ رسولؐ پہ قدم پہنچے ــــــ رسولؐ کا ایک ہاتھ کعبے کی دیوار پر ــــــ

رقدم بت شکن کے دوش رسولؐ پر ــــــ اور بت شکن کا نقشہ یہ۔ کہ ایک ہاتھ دیوار

پر رکھا ہوا ہے ــــ اور ایک ہاتھ میں بت کی گردن ہے ــــــــ اور رسولؐ

پوچھتے ہیں۔

"یا علیؑ ۔ کہاں ہو ــــ؟"

"قبلہ ۔ کیا بتاؤں ۔ کہاں ہوں ــــــ آج عرش سے جو چیز کہیئے ۔ جھک کے

اٹھا لوں ــــــ اتنا بلند ہو چکا ہوں ــــــ"

"شاباش ۔ بہت اچھا ۔ توڑ دو انہیں ــــ"

علیؑ نے جھٹکا دیا ۔ بت ٹوٹنے ۔ گرے ۔ جس طرح کچی شیشیاں ٹوٹ جائیں ۔ اس

طرح رسولؐ کے قدموں میں وہ بت ٹوٹ رہے تھے ــــــ جب تمام بت ٹوٹ

چکے ــــــ تو رسولؐ نے فرمایا ۔

"یا علیؑ ۔ اتر آؤ" ــــــ مگر علیؑ اب اترتے نہیں ، ــــــ

علیؑ اتر و نا ــــــ"

"قبلہ ۔ اتنا بلند ہونے کے بعد نیچے اترنے کو جی نہیں چاہتا ــــــ"

"علیؑ اتر آؤ نا ــــــ دیکھتے نہیں ــــــ دیکھنے والوں کے چہرے اتر گئے ہیں"

اب علیؑ اترتے نہیں ــــــ کتابوں میں لکھا ہے کہ ــــــ

جبرئیلؑ آ گئے فوراً ــــــ اور آ کے استاد کو سلام کیا ــــــ اور اپنی گود میں

لے کے آرام سے اُتارا ——— اور جبرئیلؑ نے بوعلی کو گود میں لے کے اُتارا —

اس سے جبرئیل کی شان اور بڑھ گئی۔ جبرئیلؑ کا وقار بڑھ گیا۔ جبرئیل کی حیثیت بڑھ

گئی ——— اور یہ ملک ساری عُمر سے عادی ہے۔ اس بات

کا قرآن صامت خدا سے لے کے نبیؐ کے گھر اُتار دے ———

جبرئیلؑ قرآن صامت اُتارتے اُتارتے اتنا مشتاق ہو گیا تھا۔ کہ آج

قرآن ناطق نبیؐ سے لیا اور خدا کے گھر پہنچا دیا ———

بہر نوع مکہ فتح ہو گیا۔ رسولؐ کا پرچم سارے مکہ پر لہرانے لگا۔ خانۂ کعبہ پر لہرانے

لگا۔ اذانیں ہونے لگیں۔ اب تمام مسلمان سامنے آبیٹھے۔ حضرت ابی سفیان بھی تشریف

فرما ہیں۔ اور اُن کی زوجۂ محترمہ جناب ہندہ بھی بیٹھی ہیں ——— اور بھی سب مسلمان

بیٹھے ہیں۔ کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ سب مسلمان ہو رہے ہیں ——— اور

رسولؐ فرماتے ہیں۔

"آؤ۔ بیٹھو۔ تم ہمارے بھائی ہو۔ تم مُسلمان ہو گئے۔ نیت کا حال اللہ جانتا ہے۔

بہر نوع۔ تم سب میرے اصحابؓ ہو ——— " ——— اور

رسولؐ کے گرد وپیش سب بیٹھے ہیں ——— خدا کے فضل سے اسلام کا بول بالا ہے۔

سارا جزیرۂ عرب مسلمان ہو چکا ہے۔ چاروں طرف اسلام ہی اسلام ہے۔ اور حضرت

ابی سفیان بھی ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور اُن کے خاندان والے بھی سب بیٹھے ہوئے ہیں

نیت اور دلوں کا حال اللہ جانتا ہے ———

بہر نوع سب کے سب مسلمان ہیں۔

تو توجہ ہے نا حضور! یہاں تک کہ اتنی قربت ہوئی رسولؐ سے حضرت ابی سفیان کی۔ کہ

ان کی بیٹی صاحبزادی جناب ام حبیبہؓ کا رسولؐ سے عقد ہوا۔ وہ حرم رسولؐ میں آ گئیں۔ وہ

اُم المومنین ہیں۔ ہم مومنوں کی وہ ماں ہے ——— ہمارے لئے واجب الاحترام ہیں۔

عزت و احترام سے ان کا نام لینا ہمارا فرض ہے ــــــ حضرت ابی سفیان کی دختر
یک اختر ہیں۔ اور امیر شام معاویہ کی بہن ہیں ــــــ اُم حبیبہؓ ان کا نام ہے ــــــ اور
حضرت ابو سفیان کی دوسری بیٹی کی شادی قبیلہ بنی ثقیف کے سردار سے ہوئی ــــــ
اور یہ قبیلہ بنی ثقیف، جو تھا نا عرب میں، حُسن بیان، شیر زبان اور شیریں بیان کے اعتبار سے
س کے مقابلے میں پورے عرب میں کوئی اور قبیلہ نہیں تھا۔

عرب کے چار قبیلے، چار خصوصیات میں مشہور تھے۔

۱۔ عزت و عظمت میں بنی ہاشم " ــــــ اور

۲۔ سیاسی تدبیروں میں بنی امیہ " ــــــ

۳۔ بہادری میں بنی کلاب " ــــــ اور

۴۔ حُسن میں بنی ثقیف، ــــــ اور جو بنی ثقیف کے قبیلہ
کا سردار تھا۔ اُس کا نام تھا " ابو مرہ " جس کے ساتھ ابی سفیان کی دوسری
صاحبزادی کی شادی ہوئی تھی ــــــ گویا ابو مرہ اور رسالتمآبؐ
آپس میں ہم زلف تھے ــــــ یہ رشتہ ہو گیا ــــــ
ابی سفیان کی ایک صاحبزادی ابو مرہ کے گھر میں بیاہی گئی ــــــ اور
ایک جناب رسالتمآبؐ کے گھر میں تشریف لائی ــــــ جن کا نام تھا
ام حبیبہؓ ــــــ اور اگر آپ اسلامی کتابیں پڑھیں۔ تو ان کے فضائل
بڑے لکھے ہوئے ہیں۔ اور تمام فضائل کا سرنامہ جو فضیلت ہے جناب
ام حبیبہؓ کی۔ وہ یہ ہے کہ ایک دن ان کے والد بزرگوار حضرت ابی سفیان
انہیں ملنے کے لئے آئے ــــــ اور جب آئے اُس حجرے میں جس
میں جناب ام حبیبہؓ رہتی تھیں ــــــ تو آپ اپنے والد کو دیکھ کر بہت
خوش ہوئیں ــــــ

"ابا۔ آؤ۔ بسم اللہ۔ تشریف رکھو ——"

ابی سفیان تشریف لائے —— اور جب بیٹھنے لگے۔ تو ام حبیبہؓ نے فرمایا۔

ذرا ٹھہرو ——"

وہ دری جو بچھی ہوئی تھی۔ وہ آپ نے تہ کر لی۔ اور زمین پہ اشارہ کیا ——

"تشریف رکھئے" ——

ابی سفیان نے کہا۔ "بیٹی — میں زمین پہ۔ - - - - - - - میں اگر اس دری

پہ بیٹھ جاؤں۔ تو کیا حرج ہے ——"

تو جناب اُمّ حبیبہؓ نے فرمایا۔

"آپ اس دری پہ نہیں بیٹھ سکتے۔ کیونکہ اس پہ رسولؐ بیٹھا کرتے ہیں ——"

واہ! ام المومنین — ام المومنین ہو تو ایسی ہو۔ جو رسولؐ کی جگہ پہ

اپنے باپ کو بھی نہ بیٹھنے دے —— یہ ہے جناب اُمّ حبیبہؓ

کے فضائل کا تعارف ——"

حضرت ابی سفیان بڑے خوش تھے دونوں بیٹیاں بڑے گھر میں بیاہی گئیں۔

ہر باپ خوش ہوتا ہے۔ اگر بیٹی کو اچھا رشتہ مل جائے۔ ابو سفیان بھی بہت خوش

تھے —— ایک بیٹی محمدؐ کے گھر میں —— ایک بیٹی ابو امرا۔ کے گھر میں۔ ایک

محمدؐ داماد —— ایک سردار بنی ثقیف داماد۔ خدا نے ابو امرا ثقیفی کے گھر ابی سفیان

کی صاحبزادی سے صرف ایک بیٹی عطا فرمائی۔ کوئی اور اولاد نہیں ہوئی۔ صرف ایک

دختر پیدا ہوئی —— اور اُس دختر کا نام تھا جناب لیلیٰ ——

لیلیٰ عرب میں شہزادیوں کو کہتے ہیں۔ لیلیٰ نام تھا اُس ابو امرا کی بیٹی کا —— اور

لیلیٰؓ جناب ام حبیبہؓ کی بھانجی ہوئی۔ اور جناب رسالتمآبؐ خالو ہوئے لیلیٰؓ کے ——

لیلیٰؓ وہاں پیدا ہوئی۔ اور جب لیلیٰؓ جوان ہوئی۔ اور شادی کے قابل ہوئی۔ تو اُن کے

پ کو رشتے کی تلاش ہوئی ——— آخر نگاہِ انتخاب خاندانِ بنی ہاشم پر پڑی ——— اُس نے خاندانِ بنی ہاشم میں سردارِ جوانانِ جنت جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کو منتخب کیا۔

چنانچہ جناب لیلیٰؓ سے جناب سید الشہداءؑ کا عقد ہوا۔ اور ابو مُرّا ثقیفی کی بیٹی۔ لیلیٰؓ حرم سید الشہداءؑ میں آگئیں

سید الشہداءؑ کی پہلی جو حرم محترم تھیں۔ وہ تھیں جناب شہر بانوؓ

اُن کا انتقال ہو چکا تھا ——— اور اُن کے بطنِ طیب سے حضور امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے ——— اور لیلیٰؓ کے بطنِ طیب سے خداوند عالم نے پہلے تو ایک لڑکی عطا فرمائی۔ اور اُس کے بعد اللہ نے ایک فرزند عطا فرمایا ——— جن کا نام تھا شہزادہ علی اکبرؑ

میرے سامعین! جناب امام زین العابدینؑ جب پیدا ہوئے تھے۔ تو اُس وقت امیر المومنینؑ موجود تھے۔ دادا کی موجودگی میں امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے تھے ——— ان کی والدہ شہر بانوؓ شاہ ایران کی بیٹی تھیں ——— اور جب امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے۔ تو امام حسین علیہ السلام نے انہیں ایک سفید کپڑے میں لپیٹا اور مسجد میں لے گئے ——— محرابِ مسجد میں لٹا کر دو رکعت نماز پڑھی ——— اور نماز پڑھ کے کہا۔

"خداوندا تو نے یہ نعمت مجھے عطا فرمائی ہے۔ میں تیری ہی نذر کرتا ہوں"

اور یہ کہہ کے بچے کو وہیں مسجد میں لٹا چھوڑ کے گھر واپس آگئے۔

حسینؑ تو مسجد میں لٹا کے آگئے امام زین العابدینؑ کو ——— اب امیر المومنین علیہ السلام مسجد میں گئے۔ دو رکعت نماز پڑھی اور ہاتھ اُٹھا کے دعا کی۔

"خداوندا! حسینؑ یہ نعمت تیرے سپرد کر گیا۔ میں تجھ سے مانگنے آیا ہوں"
اور علی گود میں لے کے امام زین العابدینؑ کو گھر میں آ گئے ——
اور آ کے آواز دی ——

"زینبؑ بیٹا! میں اسے مانگ کے لایا ہوں خدا سے —— اور تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اسے تم نے خصوصیت کے ساتھ پرورش کرنا ہے۔ اور زینبؑ! اس کے بدن میں شہنشاہی خون ہے۔ خیال رکھنا۔ باقی بچوں کی طرح اسے نہ پالنا۔ اس کے گہوارے میں نرم گدا بچھایا جائے۔ چونکہ اس میں شہنشاہی خون ہے ——"

اس طرح زینبؑ نے پالنا شروع کیا —— اور جب پیدل چلنے لگے تو امیرالمومنینؑ انگلی پکڑ کے چلاتے کہ کہیں ٹھوکر نہ لگ جائے۔ کہیں گر نہ جائے۔ جب ذرا اور بڑے ہو گئے۔ تو امام حسن مجتبیٰؑ اور امام حسینؑ نے یہ اہتمام کیا امام زین العابدینؑ کے لئے۔ چونکہ اس کے مزاج میں شہنشاہی خون ہے۔ لہٰذا حکم یہ تھا کہ اس کے سامنے کوئی اونچی آواز سے نہ بولے —— شاہی مزاج ہے۔ برداشت نہیں کرے گا اور گھر میں عورتوں کو یہ حکم تھا۔ کہ جب زین العابدینؑ گھر بیٹھے ہوں۔ تو گھر کے اندر بھی کسی کے سر سے چادر نہ اترے —— شاہی غیرت ہے برداشت نہیں کرے گی۔ گویا امام زین العابدینؑ کی اس شان سے پرورش ہو رہی تھی —— اس کے بعد جب لیلیٰؑ کے بطن سے دوسرا فرزند بشکلِ رسولؐ اللہ نے عطا فرمایا۔ تو امیرالمومنینؑ موجود نہیں تھے —— آخر امام حسینؑ علیہ السلام نے اس بچے کو گود میں اٹھایا۔ —— اور لے جا کے اسی طرح مسجد میں لٹا دیا۔ دو رکعت نماز پڑھی۔ اور اللہ سے دعا کی ——

"خداوندا! یہ نعمت تو نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ میں یہ تیری

ہی نذر کرتا ہوں۔ تو ہی مالک ہے اس کا——"

حسینؑ بچے کو لٹا کے چلے آئے ——— اب علیؑ تو تھے نہیں ——— آخر

زینبؑ نے برقعہ پہنا۔ اور مسجد میں تشریف لائیں۔

"خداوندا! حسینؑ تو یہ نعمت تیرے سپرد کر گئے ——— میں

مانگنے آئی ہوں۔" اور اس بیٹے کو جو لیلیٰؑ کے بطن سے پیدا ہوا

تھا۔ جن کا نام آج علی اکبرؑ مشہور ہے اسے زینبؑ لے آئیں ———

زینبؑ نے علی اکبرؑ کو پالنا شروع کیا۔ علی اکبرؑ سوتے زینبؑ کے پاس۔ گود میں کھیلتے

تو زینبؑ کے پاس ——— بھول گئے کہ ماں کون ہے۔ ہر وقت زینبؑ کے ساتھ

رہتے۔ چوبیس گھنٹے بی بی زینبؑ کے ساتھ رہتے ——— یہاں تک کہ سارے

مدینے میں علی اکبرؑ، علیؑ ابن زینبؑ مشہور ہوگئے۔ اور اگر گھر میں محلے کی عورتیں آتیں۔

تو زینبؑ اُسے چادر کے دامن میں چھپا لیتی ——— کہیں بچے کو نظر نہ لگ جائے۔ اس

شان سے پرورش ہو رہی تھی علی اکبرؑ کی ——— زینبؑ کبھی گود میں لے کے حسینؑ

کے سامنے آتیں۔ تو حسینؑ مسکرا کے کہتے۔

"زینبؑ! ماشاء اللہ۔ تمہارا بیٹا تو بڑا حسین ہے بڑا سمجھدار

ہے۔ ہماری تمنا ہے۔ ہمارا دل چاہتا ہے۔ ہماری خواہش

ہے کہ تمہارا بیٹا ہم سے کوئی شے مانگے ———" اور

زینبؑ جواب میں کہتیں۔

"میرا بیٹا غیرت دار ہے۔ میرے ہوتے کیوں مانگے کسی سے۔"

یہ بھائی بہن کی باتیں ہوتیں۔ علی اکبرؑ کو کسی شے کی ضرورت ہوتی۔ تو

زینبؑ سے مانگتے۔ کوئی شے چاہتے۔ تو زینبؑ سے مانگتے۔ لباس

زینبؑ تیار کرتی۔ کھانا زینبؑ تیار کرتی۔ اس شان سے علی اکبر پلتے ہیں

——— اور

زینبؑ نے یہ تیاریاں بھی شروع کر دیں۔ کہ چونکہ یہ میرا بیٹا ہے اس کی شادی اس شان سے کروں گی۔ کہ دنیا یاد رکھے گی۔ کہ بنی ہاشم کے شہزادے کی شادی کس شان سے ہوئی تھی ——— بس اٹھارہ سال پورے ہو جائیں۔ انشاء اللہ انیسویں سال شادی کر دوں گی ——— اور

سترہ سال پورے ہوئے۔ اٹھارواں سال شروع ہوا جو سفر شروع ہو گیا ——— زینبؑ بھی سفر میں۔ علی اکبرؑ بھی سفر میں۔ اور سفر بھی یہ عالم رہا۔ کہ زینبؑ کی محمل کے ایک طرف حسینؑ کا گھوڑا ——— ایک طرف علی اکبرؑ کا گھوڑا ——— زینبؑ کے محمل پہ کبھی علی اکبرؑ کا ہاتھ ——— کبھی حسینؑ کا ہاتھ ——— پھر بھی زینبؑ بار بار کہتی۔ "علی اکبرؑ بیٹا۔ سر پہ کوئی کپڑا ڈال لو ——— دھوپ نہ لگ جائے بیٹا۔ سامنے میں بیٹھنا۔ گرمی شدید ہے ——— بیٹا۔ کھانا میرے سامنے بیٹھ کے کھانا۔ میں خود دیکھوں گی" ——— علی اکبرؑ اس ناز و نیاز ہی سے پلتے ہوئے کربلا میں آ گئے

امامؑ نے کربلا کی زمین خریدی۔ تو زینبؑ نے دبی زبان میں امامؑ سے فرمایا۔ "حسینؑ! یہ زمین اگر میرے بیٹے کے نام ہو جائے۔۔

تو امامؑ نے فرمایا۔" اسے بھی حصہ ملے گا۔" اس لاڈ سے، پیار سے زینبؑ علی اکبرؑ کی پرورش کر رہی تھیں۔ اُدھر ماں لیلیٰ بھی خوش تھیں۔ کہ اللہ نے مجھے علی اکبرؑ جیسا فرزند عطا فرمایا ہے۔

بزرگان من!

میں اپنے بیان کو یہاں آ کر ختم کرتا ہوں۔ کہ ساتویں محرم الحرام کو کربلا میں پانی بند ہو گیا ——— مگر زینبؑ کے منہ سے ایک دفعہ نہ نکلا کہ میرے عونؑ و محمدؑ

پیاسے ہیں ——— جب گھبرا کے کہا۔ یہی کہا "میرا اکبرؑ پیاسا ہے" ""
حسینؑ دیکھتے نہیں۔ میرے اکبرؑ کا چہرہ اُتر گیا ہے۔ میرے اکبرؑ کے ہونٹ خشک
ہیں ——— "
آخر تو تاریخ بھی گذر گئی ——— دسویں کی شب آگئی ——— اور
جب دسویں کی شب آئی۔ تو امامؑ اپنے مصلّے سے اُٹھے۔ بیت الشرف میں تشریف
لائے۔ تاکہ دیکھیں کہ مستورات کیا کر رہی ہیں ——— سب سے پہلا خیمہ جناب
زینبؑ کا آیا ——— امامؑ نے دیکھا کہ چراغ روشن ہے۔ عونؑ و محمدؑ سامنے بیٹھے ہیں
اور زینبؑ انہیں سمجھا رہی ہے کل کے لئے ——— اُس سے دوسرا خیمہ تھا
جناب لیلیٰؑ کا ——— امامؑ جب وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ
لیلیٰؑ بیٹھی ہیں۔ اور علی اکبرؑ کا سر زانو پہ رکھا ہوا ہے ——— ایک
ہاتھ میں شمع روشن کی ہوئی ہے۔ ایک ہاتھ سے اکبرؑ کے بالوں میں
کنگھی کر رہی ہیں۔ شمع سے اکبرؑ کا چہرہ دیکھ رہی ہیں ——— اور
کہہ رہی ہیں
"علی اکبر بیٹیا! تیری ماں کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ تجھے پتہ
ہے میرا رشتہ ہے اُن ظالموں سے ہے ——— اگر کل
تو کسی وجہ سے بھی پیچھے رہ گیا ——— تو دنیا یہ کہہ لے گی
ماں نے روک لیا ہوگا ——— میری عزت کا سوال
ہے بیٹیا! کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ حسینؑ کا بیٹا ہوتا۔ تو
کبھی نہ رُکتا ——— یہ اُس کی اماں کے دودھ کی تاثیر
ہے ——— میرے دُودھ کو بدنام نہ کرنا میرے
لال ——— "

بہر نوع یہ باتیں ہو رہی تھیں ماں بیٹے کے درمیان

حضور والا! صبح عاشور میدان شہادت گرم ہو گیا ——— اور صبح سے کر دن

ڈھلتے تک حسینؑ کے کانوں میں آوازیں آتی رہیں ——— "مولا! میں گر گیا"۔

"میرے آقا میں گر گیا ——— "

جب کسی کی بھی لاش اٹھا کے لاتے ہیں امامؑ۔ تو لیلیٰؑ گھبرا کے پوچھتی۔

"میرا اکبرؑ زندہ ہے ابھی ——— ؟" اس لئے نہیں کہ وہ اکبرؑ کی زندگی چاہتی

تھی۔ بلکہ یہ سننا چاہتی تھی کہ "اکبرؑ شہید ہو گیا" تاکہ میں سرخرو ہو جاؤں۔ سیدہؑ

کے سامنے" ——— اور جب تمام اصحاب حسینؑ ختم ہو گئے۔ اور صرف عزیز باقی

رہ گئے۔ تو امامؑ نے آواز دی۔

"اکبرؑ بیٹا!"

"جی قبلہ"

"ادھر آؤ۔ سامنے آؤ ——— " میں حکم دیتا ہوں کہ سب سے پہلے تم

میدان میں جاؤ ——— "

بس مولاؑ کا حکم ملنا تھا کہ علی اکبرؑ نے سلام کیا۔ گھوڑے پہ سوار تو تھے ہی! روانہ

ہو گئے ——— ابھی دس بارہ قدم گئے ہوں گے کہ مولاؑ نے آواز دی۔

"اکبرؑ بیٹا۔ ٹھہرو۔ واپس آؤ ——— "

علی اکبرؑ واپس آ گئے

"گھوڑے سے اترو"

علی اکبرؑ گھوڑے سے اترے ——— اب امامؑ نے فرمایا۔

"بیٹا! پہلے گھر میں جاؤ ——— ماں کو سلام کرو ——— بہنوں سے ملو۔ گھر والوں

سے رخصت لو۔ ——— گھر میں ہو کے پھر جانا ——— "

علی اکبرؑ گھر میں آئے ۔ ساتھ ساتھ امامؑ بھی تشریف لائے ۔ دیکھا۔ سامنے ہی صحن میں زینبؑ بیٹھی ہے ——— تو امامؑ آکے کہتے ہیں ———

" زینبؑ ! آج اکبرؑ آرہے ہیں ——— آج میں سننا چاہتا ہوں۔ پھوپھی بھتیجے میں کیا بات ہوتی ہے۔ آج میں خود سنوں گا۔ آج کیا گفتگو ہوتی ہے ۔"

اکبرؑ خیمے میں آئے ——— پہلے آکے لیلیٰؑ کو سلام کیا۔

" اماں سلام ! " ——— مگر ماں جواب میں کہتی ہے۔

" تم ابھی زندہ ہو بیٹا ! میں تو صبح سے منت مانے بیٹھی ہوں۔ تیری میت آئے۔ بیٹا ! اس کمبخت سے میرا رشتہ ہے ——— دیکھنا تیری ماں کو بڑی تشویش ہے اکبرؑ ! کہیں ایسا نہ ہو۔ تیری ماں کا دودھ بدنام ہو جائے ۔"

" اماں ! میں جا رہا ہوں "

" ہاں بیٹا جاؤ ۔ خدا حافظ ۔ " ——— اور علی اکبرؑ ماں کو سلام کرکے پھوپھی زینبؑ کے سلام کو پہنچے ——— اور امامؑ بیٹھے دیکھ رہے ہیں کہ پھوپھی بھتیجے میں کیا بات ہوگی۔ جاتے ہی اکبرؑ زینبؑ کی گود میں سر رکھ کے لیٹ گئے ——— زینبؑ نے پیار کیا۔ اور پوچھا۔

" میرے لال ! کیا بات ہے ——— "

" اماں کوئی بات نہیں ——— میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھنے آیا ہوں ——— "

" بیٹا ! اس وقت کیا مسئلہ تمہیں یاد آگیا ——— "

اماں ! آپ کو پتہ ہے ——— جب سے میں نے بولنا شروع کیا۔ جو بات پوچھی ہے آپ ہی سے پوچھی ہے ——— جو مانگا ہے۔ آپ ہی سے مانگا ہے ——— آپ ہی کو ماں سمجھتا ہوں ——— اماں ! آج ایک مسئلہ ہے ۔ وہ بھی آپ ہی بتا دیں ——— "

" ہاں بیٹا پوچھو ۔ کیا مسئلہ ہے ——— ؟ "

"اماں۔ میری دادی فاطمہؑ مرتبے میں زیادہ ہیں یا آپ ـــــــ؟ آپ دونوں میں کس کا مرتبہ زیادہ ہے ـــــــ دادی فاطمہؑ کا یا آپ کا ـــــــ؟"

جناب زینبؑ کہتی ہیں۔

"بیٹا یہ کیا پوچھ بیٹھے تم ـــــــ تم جیسا سمجھ دار نوجوان یہ کیا سوال کر رہا ہے۔ کہاں فاطمہؑ ـــــــ کہاں میں ـــــــ میں تو فاطمہؑ کی کنیز ہوں ـــــــ"

بس زینبؑ کے منہ سے نکلنا تھا کہ میں کنیز ہوں، ـــــــ کہ علی اکبرؑ اٹھ کے بیٹھ گئے ـــــــ اور بیٹھ کے کہتے ہیں ـــــــ

"اگر واقعاً فاطمہؑ کا مرتبہ آپ سے زیادہ ہے۔ آپ اُن کی کنیز ہیں۔ جیسا کہ آپ کہتی ہیں ـــــــ تو آج کام تو کرو ـــــــ"

بیٹا کیا ـــــــ؟ ـــــــ کہ

"آج فاطمہؑ کے بیٹے پہ اپنے بیٹے کو قربان تو کر دو ـــــــ" ـــــــ اور اُدھر سے امامؑ نے آواز دی۔

"زینبؑ! میں نہ کہتا تھا۔ کہ آج میں سنوں گا۔ کیا بات ہوتی ہے ـــــــ"

اب زینبؑ نے اکبرؑ کو سر سے پیر تک دیکھا ـــــــ اور فرمایا۔

"ہاں بیٹا خدا حافظ۔ جاؤ۔"

دونوں بہن بھائیوں نے ان کے لباس پہنایا ـــــــ سر پہ عمامہ باندھا۔ عمامے کا ایک حصہ گردن کے ساتھ "تحت الحنک" کی طرح باندھ دیا۔ علی اکبرؑ کو تیار کیا اور فرمایا۔

"جاؤ بیٹا۔ خدا حافظ۔"

اب جو روانہ ہونے لگے اکبرؑ۔ تو ایک بہن نے آ کر عبا کا دامن پکڑ لیا۔

"اکبرؑ بھائی! جا رہے ہو۔ مجھ سے مل کے جاؤ ـــــــ"، اسی طرح دوسری بہن سے ملے۔ اس سے رخصت ہو کے جانے لگے ـــــــ

تو سب سے چھوٹی بہن سکینہ آ کھڑی ہوئی۔ اور کہنے لگی ـــــــ

"اکبرؑ بھائی: آپ وہاں جا رہے ہیں۔ جہاں سے کوئی واپس نہیں آیا۔ آپ کے بعد میرے ابا کا کیا بنے گا۔ میرے ابا پہ کیا گذرے گی۔" اکبرؑ نے گود میں لے کے بچی کو پیار کیا ـــــ اُس سے رخصت ہو کے جانے لگے ـــــــــــــ (خود فوجِ یزید اس بات کی ناقل ہے کہ حسینؑ کے خیمے کا پردہ اُٹھتا تھا اور گرتا تھا۔ اُٹھتا تھا اور گرتا تھا) ہو یہ رہا تھا کہ سب سے رخصت ہو کر جب اکبرؑ باہر آنا چاہتے تھے۔ کوئی پھوپھی۔ ماں، بہنیں پھر آ کے اکبرؑ کا دامن پکڑ لیتی۔ اکبرؑ پھر ٹھہر جاتے ـــــــــــ اور

میرے محترم سامعین!

جب کافی دیر ہو گئی۔ تو امامؑ نے فرمایا۔

"بی بیو! مسافر کا راستہ نہ روکو۔ بس اب صبر کرو۔ اکبرؑ کو جانے دو۔"

اور سب خواتین خاموش ہو گئیں ـــــــــــ اب جو اکبرؑ روانہ ہوئے۔ تو ایسا منظر بن گیا۔ کہ حسینؑ جیسا صابر بھی وہ منظر نہ دیکھ سکا۔ اور آنکھوں پہ رومال رکھ کے گھر سے باہر آ گئے۔

منظر کیا بن گیا کہ سب مستورات سے رخصت ہو کر جب اکبرؑ روانہ ہوئے۔ تو ایک آواز آئی کان میں

"اکبرؑ! ہم سے بھی مل کے جاؤ نا۔" زین العابدینؑ بستر بیماری سے اُٹھ کر جھکی ہوئی کمر کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کہہ رہے تھے۔ دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے۔ اللہ جانے۔ کیا راز و نیاز کی باتیں بھائیوں میں باتیں ہوئی ہوں گی۔ اللہ جانے کیا گفتگو ہوئی ہو گی ـــــــ ہر نوع بھائی سے رخصت ہو کر اکبرؑ باہر آئے۔ اور امام زین العابدینؑ اپنے بستر بیماری پہ جا کے بیٹھ گئے۔ اور حکم دیا ـــــــــــــــ

"پردہ اُٹھا دو ـــ میں اپنے بھائی کا جہاد خود دیکھنا چاہتا ہوں۔" اکبرؑ باہر آئے۔

اور حسینؑ نے خود رکاب پکڑ کے علی اکبرؑ کو سوار کیا ——— علی اکبرؑ سوار ہو گئے۔ تو امامؑ نے فرمایا۔

"جاؤ بیٹا! خدا حافظ"

اب جو اکبرؑ میدان کی طرف جانے لگے۔ تو امامؑ گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ اکبرؑ نے گھوڑا روکا۔ اور عرض کی۔

"قبلہ! آپ تکلیف فرما رہے ہیں۔ اگر آپ حکم دیں۔ تو میں واپس ہو جاؤں۔ آپ کیوں زحمت فرما رہے ہیں ———"

مگر آپؑ نے جواب کیا دیا۔

"علی اکبر بیٹا۔ بات یہ ہے۔ تمہیں ہمارے دل کا احساس نہیں۔ اس لئے کہ تمہارے کوئی جوان بیٹا نہیں ——— جاؤ میرے لال۔ میں یہیں بیٹھا ہوں ———"

یہ کہہ کے حسینؑ وہیں زمین پر بیٹھ گئے ——— اور ہاتھ اٹھا کے دعا کی۔

"خداوندا! گواہ رہنا۔ اس بیٹے کو بھیج رہا ہوں۔ جو صورت و سیرت میں تیرے حبیبؐ سے مشابہ ہے۔ جب میں رسولؐ کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا۔ اسے دیکھ لیا کرتا تھا ———"

حسینؑ بیٹھ گئے ——— اکبرؑ میدان میں چلے گئے ——— جہاد شروع ہو گیا شیرِ خداؑ کے پوتے کا جہاد، حیدرِ کرار کے پوتے کا جہاد۔ مگر

سامعین! دورانِ جہاد نوبت یہ پہنچی کہ گھوڑے کے گلے میں اکبرؑ نے دونوں ہاتھ ڈال دئے ——— اور گھوڑا سوار کو لے کے فوجوں میں گھوم رہا ہے۔ آخر گرنے لگے ——— اور جب گرنے لگے تو آواز دی۔ "یا ابتاہ ادرکنی" "بابا میں گھوڑے سے گر رہا ہوں"

حسینؑ نے آواز سنی ——— بیٹھے ہی خاموش ——— لیلیٰؑ آبیٹھیں دروازے پر۔

"حسینؑ! میں سیدانی نہیں ہوں۔ میرے اندر ہاشمی خون نہیں ہے ——— میں خیرخان کی ہوں ——— اس جوان کی ماں ہوں۔ میری ایک التجا ہے۔ جیسے آج پہلی دفعہ کہہ رہی ہوں ——— کہ اگر ہو سکے تو اکبرؑ کی لاش لے آئیں ——— ایک دفعہ زندگی میں مجھے میرے بیٹے سے ملا دو ———"

حسینؑ اٹھے ——— میدان میں آئے ——— جب اکبرؑ کی میت ۹ قدم کے فاصلے پہ رہ گئی ——— آکے آواز دی "اُدعونی یا بُنیّ"

"اکبرؑ بیٹا۔ ہمیں پکار دو۔

اکبرؑ بیٹا ——— ہمیں آواز دو ——— بیٹا ہمیں آنکھوں سے نظر نہیں آرہا۔ ہمیں راستہ نظر نہیں آتا ——— تم آواز دو۔ ہم تمہاری آواز کے سہارے آئیں گے ———"

بیٹے نے وہاں سے آواز دی ——— "

" ——— "بابا یہاں ہوں" ——— اور آواز کے سہارے حسینؑ لاش کے سرہانے پہنچے ——— اور منظر کیا دیکھا؟ بیٹا ایک پاؤں پھیلاتا ہے۔ ایک پاؤں سمیٹتا ہے ——— حسینؑ دیکھتے رہے اس منظر کو ——— پھر بیٹے کو گود میں لیا۔ اور فرمایا۔

"علی اکبرؑ بیٹا۔ ہم آگئے۔ ہم آگئے میرے لعل" اور علی اکبرؑ نے آنکھیں کھول دیں۔ امامؑ کو دیکھا ——— اور فرمایا ———

"بابا جان! آپ نے بڑی تکلیف فرمائی ——— میرا آخری وقت ہے باباجان"

"ہاں بیٹا ہم آگئے ——— کچھ چاہئے ——— کچھ فرمائش! ——— کوئی وصیت"؟

اکبرؑ وہ بیٹا ہے کہ جس کے باپ کو تمنا تھی کہ اکبرؑ مجھ سے کچھ مانگے۔ اور کبھی نہ مانگا۔ آج بھی حسینؑ کہتے ہیں۔ "بیٹا کچھ مانگو نا ———" اور اکبرؑ کہتے ہیں۔

"بابا آج مانگتا ہوں ــــــ"

ہاں بیٹا مانگو کیا مانگتے ہو" ــــــ تو علی اکبرؑ نے مانگا کیا ــــــ ؟

"بابا جان ۔ اگر ہو سکے تو ایک گھونٹ پانی چاہیئے ــــــ" اب حسینؑ کا دل بھر آیا اور بھرائی آواز میں فرماتے ہیں۔

"بیٹا ۔ یہ تو ممکن نہیں ــــــ فکر نہ کر ۔ ابھی تیرے جد تجھے سیراب کریں گے ــــــ تمہاری دادی تمہیں سیراب کریں گی ــــــ گھبراؤ نہیں میرے لعل ــــــ کچھ اور مانگو ــــــ"

"بابا جان ! ایک چیز اور مانگتا ہوں ــــــ وہ یہ ہے کہ اگر آپ کو زحمت نہ ہو ۔ تو مجھے گھر لے چلیں ۔ میں زندگی میں اپنی اماں سے بات کرنا چاہتا ہوں ــــــ"

"ہاں بیٹا ۔ یہ بات ہم پوری کریں گے ۔ گھبراؤ نہیں ــــــ"

یہ کہہ کے کیا کیا حسینؑ نے ۔ ایک ہاتھ رکھا اکبرؑ کے پیروں کے نیچے ۔ اور ایک ہاتھ رکھا گردن کے نیچے ــــــ اور "یا علیؑ مدد" کہہ کے میت اٹھائی۔

جوان کی میت ۔ بوڑھا باپ ۔ ہاتھ تھرتھرائے ۔ لاشہ لٹا دیا ــــــ پھر دم لے کے دوبارہ اٹھایا ۔ ــــــ اب کے سینے تک اٹھالیا ــــــ پھر ہاتھ لرزے ــــــ پھر لٹا دیا ــــــ اور لٹا کے فرمایا۔

"اکبرؑ بیٹا ! میں مجبور ہو گیا ہوں ۔ تم ذرا سی تکلیف کرو ــــــ تم دونوں ہاتھ میرے گلے میں ڈال دو ــــــ کچھ تم سہارا کرو کچھ میں سہارا کروں ــــــ اس طرح تمہیں لے چلوں گا۔"

علی اکبرؑ نے ایک ہاتھ ڈال دیا باپ کے گلے میں ــــــ تو حسینؑ نے کہا ــــــ

"بیٹا ۔ دونوں ہاتھ ڈال دو ــــــ" اب جو حسینؑ نے کہا تو اکبرؑ نے جواب دیا ــــــ

"بابا جان میں دوسرا ہاتھ سینے سے ہٹانا نہیں چاہتا ۔ میں آپ کو اپنا سینہ دکھانا

نہیں چاہتا ——— "

"بیٹا۔ کوئی بات نہیں ——— ہم دیکھیں گے کیا بات ہے ——— "

اب جو حکم دیا امامؑ نے۔ تو اکبرؑ نے ہاتھ ہٹایا۔ اور حسینؑ نے دیکھا۔

"بس یہ بات تھی بیٹا ——— " دیکھا کہ برچھی کا پھل ٹوٹ کے وہیں رہ گیا ہے۔ ایک انچ بھر باہر نکلا ہوا ہے۔ اکبرؑ کا دل برچھی کے ساتھ چھد چکا ہے

مگر حسینؑ طاقت کو دیکھو ——— اکبرؑ کی میت ٹالی۔ خود دو زانو بیٹھے۔ ایک ہاتھ بیٹے کے سینے پہ رکھا ——— ایک ہاتھ سے برچھی پکڑی ——— اور برچھی پکڑ کے منہ آسمان کی طرف کر کے بلند آواز میں آواز دی۔

"نانا رسولؐ اللہ! دادا ابراہیمؑ کو ساتھ لے کے کربلا میں آؤ۔ میرے دونوں بزرگو۔ آکے دیکھو ——— میں گھبرا نہیں رہا۔ میری آنکھوں پہ پٹیاں نہیں ہیں۔ میرا ہاتھ لرز نہیں رہا۔ میرا بدن کانپ نہیں رہا میں نے اپنے اسماعیلؑ کے ہاتھ نہیں باندھے تھے ——— "

اور یہ کہہ کے حسینؑ نے برچھی کو ہلایا۔ برچھی ہلی ——— تو اس میں اکبرؑ کا پھنسا ہوا دل ہلا۔ دل کا ہلنا تھا کہ پورا بدن لرز گیا۔ اکبرؑ کا بدن لرزا۔ تو کربلا کی زمین میں زلزلہ آ گیا۔ کربلا کی زمین میں زلزلہ آیا۔ تو حسینؑ کے خیمے لرز گئے ——— اور خیموں کا لرزنا تھا کہ خیمے کے دروازے کا پردہ گرا ——— اور آواز آئی ۔

"حسینؑ ٹھہر۔ مجھے بھی آنے دے۔ حسینؑ! اکیلا یہ لاش نہ اٹھا۔ زینبؑ بھی آ رہی ہے۔ بہن بھائی مل کے یہ کام کریں گے ——— "

حسینؑ نے وہیں سے آواز دی۔

"زینبؑ! میں اکبرؑ کو قربان کرتا ہوں تیرے پردے پر۔ زینبؑ! تو باہر نہ آنا۔ میں خود اسے لے کر آ رہا ہوں"

اور حسینؑ لاشے کو لے آئے ــــ اور پورے احترام سے گھر میں پہنچا دیا ــــ اور اکبرؑ نے صرف ــــ اتنی بات کہی ہے گھر میں آکر۔

"اماں لیلیٰؑ! اب تو خوش ہے نا ــــ اب تو مطمئن ہے نا؟"

اور لیلیٰؑ نے جو سجدے میں سر رکھا ہے۔ تو جب تک خیام جل نہیں گئے لیلیٰؑ کے منہ سے یہی نکلتا رہا۔ "سُبحانَ رَبِّیَ الاَعلیٰ" خداوندا تیرا شکر ہے ــــ میری نیک کمائی نیک راہ میں کام آئی۔

اور حسینؑ نے لاشے کو لے جاکے گنج شہیداں میں رکھا ــــ اور جب اصغرؑ کی قبر بنائی ہے حسینؑ نے۔ وہ اکبرؑ کی میت کے بالکل قریب بنائی تھی ــــ اور اکبرؑ کا ہاتھ پکڑ کے اصغرؑ کی قبر پر رکھ دیا ــــ اور اُٹھ کے فرمایا۔

"اکبرؑ بیٹا! چھوٹے بھائی سے ہوشیار رہنا۔ میں اصغرؑ تمہارے سپرد کرتا ہوں میرے لال! چھوٹے بھائی سے خبردار رہنا ــــ اور یہ کہہ کے حسینؑ کھڑے ہوگئے اور اتنا کہا "یا بُنَیَّ علیك الدّنیا بعدك العفا" اے بیٹا! تیرے بعد یہ دُنیا خاک ہے۔ اور اُس دن کے بعد آج تک حسینؑ کے ٹوٹے ہوئے دل کا ماتم کرتے ہیں ہم ــــ نوجوانو! تم نے اکبرؑ کا ماتم کرنا ہے۔

سفید ریش بوڑھو! تم نے حسینؑ کی کمر جانی ہے اور پردہ میں بیٹھنے والی عورتو! تم نے لیلیٰؑ و زینبؑ کو پُرسا دینا ہے۔

"اِنّا للہ وَاِنّا الیہ رَاجِعون"

نانا رسولؐ اللہ! دادا ابراہیمؑ کو لے کر آؤ ــــ

اور دیکھو!

- میں نے آنکھوں پہ پٹی نہیں باندھی ہوئی۔
- میرا ہاتھ نہیں کانپ رہا۔
- میرا اسماعیلؑ نہیں تڑپ رہا۔ (حسینؑ ابنِ علیؑ)

(خطیبِ آلِ محمدؐ)

علی اصغرؑ۔ ایک سپاہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوند عالم جل جلالہ عز اسمہٗ کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمدؐ و آل محمدؐ پر درود و سلام

بزرگو اور محترم! آج کی شب میں آپ لوگوں کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ میں اس نیت سے بالکل نہیں آیا کہ آپ کو کوئی تقریر سناؤں۔ یا کوئی گفتگو آپ سے کی جائے۔ اس لئے کہ آج مجلس پڑھنے اور سننے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ آج تو ہمیں بغیر کچھ پڑھے اور سنے، محض ہمارا یہ تصور کافی ہے کہ آج کربلا کے میدان میں ایک طرف ظالم و جابر بادشاہ کی ٹڈی دل فوج ہے۔ جس کے ایک ایک سپاہی کے ساتھ ایک ایک سقا موجود ہے جو اُن کے گھوڑوں کے سموں پہ پانی چھڑک رہا ہے اور اُن کے پاس حکومت کی مہیا کردہ ہر قسم کی رسد موجود ہے اور تلواریں تیز کی جا رہی ہیں۔ نیزے درست کئے جا رہے ہیں۔ کمانیں اور تیر تیار کئے جا رہے ہیں۔ اور دوسری طرف ایک چھوٹی سی فوج ہے۔ مگر آپ بتائیں ایمان سے کبھی تاریخ عالم میں بہتّر آدمی بھی فوج کہلائے۔ بہتّر آدمیوں کی جماعت کو آج تک کسی نے فوج کہا ہے ——— پھر فوج میں ہم نے دیکھا ہے کہ جب فوج میں بھرتی ہوتی ہے تو جوان کا قد دیکھا جاتا ہے۔ اُس کا سینہ ناپا جاتا ہے۔ اس کی صحت دیکھی جاتی ہے۔ ڈاکٹری معائنے ہوتے ہیں۔ تب جا کے کہیں فوج میں بھرتی ہوتی ہے۔ ——— مگر یہ بہتّر کی عجب فوج ہے۔ اس میں نہ قد دیکھا گیا۔ نہ عمر دیکھی گئی۔ نہ کسی کا سینہ ناپا گیا۔ اس میں ڈیڑھ سو برس کا بڈھا بھی بھرتی ہے۔ سوا سو سال کا بوڑھا بھی بھرتی ہے۔ اسی، اٹھتر سال کے

بوڑھے بھی بھرتی ہیں۔ اس میں تیس سال کا جوان بھی ہے۔ اٹھارہ سال کے نوجوان بھی ہیں۔ نو دس برس کے بچے بھی ہیں۔ اور حد یہ ہے اس فوج کی کہ اس میں چھ مہینے کا سپاہی بھی ہے۔ بتائیے۔ ایسی فوج کہیں دنیا میں دیکھی ہے آج تک کسی نے۔ ایسا رسالہ، پلٹن دیکھی ہے آج تک جس میں یہ صورت ہو، پھر یہ فوجوں کے لئے رسد کے انتظام ہوتے ہیں۔ اچھے سے اچھا کھانا سپاہیوں کو دیا جاتا ہے۔ اچھے سے اچھا سامان انہیں فراہم کیا جاتا ہے۔ اور اگر کسی فوج کو یہ اندیشہ ہو کہ ہماری رسد بند ہو جائے گی۔ تو وہ فوجیں میدان چھوڑ دیتی ہیں۔ مگر ہماری عجیب فوج ہے کہ تین دن سے رسد بند ہے۔ مگر بیٹھے ہیں۔ کیا مجال جو کسی کی پیشانی پہ بل آیا ہو۔ کیا مجال جو کسی کی پیشانی پہ شکن آیا ہو۔ کسی کو ذرا گھبراہٹ ہوئی ہو۔

اور آج کی رات کربلا میں بیٹھنے والوں نے دنیا کے سارے اصول بدل دیئے۔ دُنیا کی ساری قدریں بدل دیں۔ دُنیا کے سارے ضابطے بدل دیئے۔ دُنیا کے سارے طریقے بدل دیئے جب سے دنیا بنی ہے اور آج تک کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جو موت سے نہ ڈرتا ہو۔ ہر شخص موت سے ڈرا۔ یہاں تک کہ انبیاءؑ ڈرے۔ اولیاء ڈرے۔ بڑے بڑے خدا رسیدہ ڈرے۔ بڑے بڑے جرنیل و کرنیل موت سے ڈرے۔ اور جب موت حسینؑ کے لشکر میں آئی۔ تو وہ یہ سمجھ کے آئی تھی کہ جس طرح ساری دنیا مجھ سے ڈرتی ہے۔ یہ بہتّر بھی ڈر جائیں گے۔ مگر موت نے آکر دیکھا کہ وہ بوڑھوں کے پاس گئی تو انہوں نے اُسے خضاب بنا لیا۔ جوانوں کے پاس گئی تو انہوں نے دوست بنا لیا۔ بچوں کے پاس گئی تو انہوں سے کھیلنا شروع کر دیا۔ اتنی شرمندہ ہوئی ہے موت حسینؑ اور حسینؑ کی فوج سے کہ موت نے عہد کر لیا۔ کہ جہاں حسینؑ ہو گا اور اُس کا نام ہو گا۔ وہاں نہیں جانا۔ ورنہ کبھی کا مر جاتا حسینؑ کا نام۔ اب موت نے عہد کر لیا۔ کہ جہاں حسینؑ اور حسینؑ کا نام ہو گا وہاں نہیں جانا۔

بہر نوع آج رات حسینؑ نے سب سے پہلے مردوں کا امتحان لیا۔ "تم جو میرے ساتھ آئے ہو۔ تمہارے دل میں یہ خیال تو نہیں کہ فاتح خیبر کا بیٹا آیا ہوا ہے۔ میدان فتح ہو گا۔ مال غنیمت ملے گا۔

ایسا نہیں ہے۔ میں یہاں مرنے آیا ہوں۔ جو مرنا چاہتا ہو۔ وہ میرے ساتھ رہے اور دیکھو۔ مرنے کے بعد کفن نہیں ملے گا۔ مرنے کے بعد قبر نہیں ملے گی۔ مرنے کے بعد تمہاری عورتیں اور بچے قید ہو جائیں گے۔ تمہارے گھر جلا دیئے جائیں گے۔ تمہارے خاندان تباہ ہو جائیں گے۔ ان تمام تباہیوں اور بربادیوں کو اگر منظور کرتے ہو۔ میرے ساتھ ٹھہرو، ورنہ جا سکتے ہو۔" مگر دنیا نے دیکھا کہ اتنی تباہی کے ہوتے ہوئے اُن جوانوں نے جواب کیا دیا۔

"حسینؑ! اب تو ہم آ بیٹھے ہیں۔ اب تو یہ قدم یہاں سے نہیں ہٹ سکتے۔"

دنیا سمجھ رہی تھی۔ کہ کہہ رہے ہیں شاید کر کے نہ دکھائیں۔ مگر اگلے دن جو صبح ہوئی۔ تو انہوں نے ایک ایک بات سچ کر کے دکھائی۔ ایک ایک بات انہوں نے حق کر کے دکھائی۔ یہ ایک دوسرے کو روک رہے تھے۔ "تو ٹھہر، پہلے میں جاؤں گا۔"

یہ تو مردوں کی شان تھی۔

حسینؑ نے چاہا کہ چلیں جا کر دیکھیں۔ گھر میں مستورات کیا کر رہی ہیں۔ حسینؑ بیت الشرف میں آئے۔ آپؑ نے وہاں عجیب ماجرا دیکھا۔ کہ تمام چاروں طرف خیمے ہیں۔ اُن میں چراغ جلے ہوئے ہیں، خیمے آباد ہیں۔ عورتیں بیٹھی ہیں۔ مائیں بیٹوں کے پاس ہیں۔ بہنیں بھائیوں کے پاس ہیں۔ شوہر بیویوں کے پاس ہیں۔ عزیز عزیزوں کے پاس بیٹھے ہیں۔ گھر آباد ہیں۔ اور حسینؑ کی نظر جو آباد گھروں پر پڑی تو سر جھکا کے کہا۔ "خداوندا یہ سادات کا گھر ہے جو آج آباد ہے۔ آج اس میں چراغ روشن ہیں۔ آج یہ گھر بستا ہوا ہے اور اس گھر کی آبادی کی آج آخری رات ہے۔ آج حسینؑ کا گھر آباد ہے۔ اور کل یہ گھر اس طرح آباد نہیں ہوگا۔ کل غریبوں کی رات آئے گی۔ حسینؑ نے وہ آباد گھر دیکھے سب سے پہلے بہن کے خیمے میں دیکھا۔ یہاں کیا ہو رہا ہے۔

مولاؑ نے دیکھا۔ زینبؑ بیٹھی ہیں۔ سامنے عونؑ و محمدؑ کو بٹھایا ہوا ہے۔ لباس پہنا دیا ہے تلواریں سامنے رکھی ہوئی ہیں۔ اور زینبؑ انہیں خیبر و خندق کے واقعات سنا رہی ہیں۔ اور کہہ رہی ہیں۔

"تمہارے نانا حیدرِ کرارؑ یوں لڑتے تھے۔ تمہارے دادا جعفر طیارؑ کی بہادری کی یہ شان تھی۔

میرے پیارے بچو! تم نے میرا دودھ پیا ہے کل میدانِ جنگ سے تمہاری آواز آئے۔ کہ ہم علیؑ کے نواسے ہیں۔ ہم جعفر طیار کے پوتے ہیں۔ زینبؑ دودھ جب بخشے گی جب یہ فوجیں چلا اٹھیں کہ یہ علیؑ کے نواسے ہیں۔ یہ جعفر طیارؑ کے پوتے ہیں۔ اور بچوں نے ایک انگڑائی لے کر ماں کے قدموں کی قسم کھا کے کہا۔

"اماں کل اجازت دلا دے۔ اگر ان فوجوں کو کوفے تک نہ بھگا دیں تو دودھ نہ بخشنا"

امامؑ نے یہ عزم دیکھا۔ یہ حوصلے دیکھے۔ دل بھر آیا حسینؑ کا۔ آنسو پونچھے۔ آگے بڑھے۔ اگلے خیمے میں گئے۔ دیکھا کہ جناب لیلیٰ خیمے میں بیٹھی ہیں۔ بیٹے کا سر زانو پر رکھا ہے۔ ایک ہاتھ میں شمع روشن ہے۔ ایک ہاتھ سے بیٹے کے بالوں میں کنگھی کر رہی ہیں۔ شمع سے علی اکبرؑ کا چہرہ دیکھ رہی ہیں اور فرماتی ہیں۔

"میرے لعل! آج دل بھر کے مجھے اپنی زیارت کر لینے دے۔ کل یہ چاند سا چہرہ خاک اور خون میں بھر جائے گا"

امامؑ یہ منظر دیکھ کے آگے بڑھے اور دیکھا کہ جناب امام حسنؑ کی بیوہ نے قاسمؑ کو سامنے بٹھا رکھا ہے۔ اور کہہ رہی ہیں: "قاسم بیٹا! آج تیرا باپ حسنؑ موجود نہیں ہے۔ تو مجھ بیوہ کا لعل ہے میں غیر خاندان کی ہوں۔ سیدانی نہیں ہوں۔ میرے دودھ کی عزت رکھنا بیٹا! ایسا نہ ہو کل میرا دودھ بدنام ہو جائے"

امامؑ نے یہ منظر بھی دیکھا اور اس کے بعد امامؑ نے کیا دیکھا کہ دروازے پر بڑھیا داسی فضہؑ کھڑی ہے۔

"اماں فضہؑ سلام"

فضہؑ تو رونے لگی۔

"اماں فضہؑ! روتی کیوں ہو"

"حسینؑ خیمے میں جس جس کا بیٹا ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو تیار کر رہا ہے۔ اگر آج میرا بھی کوئی بیٹا ہوتا تو میں بھی تیار کرتی۔"

یہ سننا تھا کہ حسینؑ تو بے چین ہو گئے۔ فرماتے کیا ہیں۔

"اماں فضہ یہ تُو نے کیا کہہ دیا۔ کل جب میدان میں زینبؑ عونؑ و محمدؑ کو بھیجے، لیلےٰ علی اکبرؑ کو بھیجے۔ قاسمؑ کی ماں قاسمؑ کو بھیجے۔ علی اصغرؑ کی والدہ علی اصغرؑ کو بھیجے تو تُو مجھے اپنا بیٹا کہہ کے بھیج دینا۔ حسینؑ کی قربانی تیری طرف سے ہو گی۔

امامؑ نے یہ منظر بھی دیکھا پھر تھوڑی دیر کے بعد امامؑ کو ایک کونے سے رونے کی آواز آئی۔ حسینؑ نے کہا۔

"یہ کون رو رہا ہے۔"

جا کے دیکھتے کیا ہیں کہ چھ مہینے والے کے گہوارے پر سر رکھے ہوئے اُس کی ماں "رباب" رو رہی ہے۔ امامؑ قریب جا کے کھڑے ہوئے۔

"رباب! کیا بات ہے، کیا بچہ ختم ہو گیا۔"

نہیں مولا! ابھی زندہ ہے۔"

"پھر رو کیوں رہی ہو رباب!"

"قبلہ! اپنی قسمت کو رو رہی ہوں" حضور دیکھ رہے ہیں، کہ زینبؑ عونؑ و محمدؑ کو تیار کر رہی ہیں۔ لیلیٰ علی اکبرؑ کو تیار کر رہی ہیں۔ قاسمؑ کی ماں قاسمؑ کو تیار کر رہی ہیں۔ کل سب یہ قربانیاں پیش کریں گی۔ اور آپ کی ماں فاطمہؑ کے دربار میں سرخرو ہو کے جائیں گی۔ میں بد نصیب ہوں۔ میرا بچہ اتنا چھوٹا ہے کہ میں اسے میدان میں نہیں بھیج سکتی۔ یہ سب قربانیاں والی سرخرو ہوں گی، میں شرمندہ ہوں۔

دوسری بات مجھے یہ رُلا رہی ہے کہ آپ ہی نے فرمایا تھا۔ کہ آپ کی شہادت کے بعد ہمارے ہاتھ بندھ جائیں گے: تو بچے کو سنبھالے گا کون۔ میں گھبرا رہی ہوں۔ یونہی تو تڑپ کے

مر ہی جائے گا۔ کاش! یہ دو سال کا ہوتا۔ تو اسے گھٹنوں چلا کر میدان میں لے جاتی۔ میں بڑی مجبور ہوں۔"

امامؑ نے رباب کی جو یہ گفتگو سنی۔ تو فرمایا "رباب! خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ میں حسینؑ تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کل تیرے اصغرؑ کو اکبرؑ سے نہ بڑھا دوں تو حسینؑ نہ کہنا۔ ذرا کل ہونے دے۔ دیکھنا تو سہی کل بنتا کیا ہے۔ اسے ایسا سیراب کروں گا کہ قیامت تک اس کی پیاس کی یاد۔ کروڑوں سبیلیں لگ جائیں گی۔ یہ فرات کیا شے ہے۔ اتنی سبیلیں لگ جائیں گی کہ اگر ساری سبیلوں کے پانی اکٹھے ہو جائیں۔ تو ہزار فرات بن جائیں گے اس کی یاد میں۔"

پھر تو صبح یوم عاشور حسینؑ رباب کے پاس آئے اور فرمانے لگے۔

"رباب! میں اصغرؑ کو لے جاؤں"

رباب خوش ہو گئیں۔ "مولا! بے شک لے جائیے۔ میں تو اسی انتظار میں تھی۔"

رباب نے بچہ حسینؑ کی گود میں دے دیا۔ امامؑ لے کے چلے۔ ابھی دس قدم چلے ہوں گے کہ رباب سامنے آ گئی۔

"مولا! ذرا اس بچے کو میری گود میں دے دو۔"

"کیوں رباب دل نہیں چاہتا بھیجنے کو؟"

رباب گھبرا گئی۔

"نہیں قبلہ! تھوڑی دیر کے لئے چاہتی ہوں۔" رباب نے بچے کو گود میں لیا اور لے کے اپنے خیمے میں گئی۔ اور امامؑ انتظار میں صحن میں کھڑے ہیں۔ بہن بھی ساتھ کھڑی ہیں۔ رباب پانچ منٹ کے بعد خیمے سے باہر آئی۔ تو بچے کی شکل کیا تھی کہ نیا کرتا پہنا دیا تھا۔ بال درست کر دیئے تھے۔ آنکھوں میں سرمہ لگا دیا تھا۔ کرتے کی آستینیں الٹ دی تھیں۔ اور بچے کی کمر ایک رومال سے باندھ دی تھی۔ رباب اس شان سے لائی اصغرؑ کو۔

"حسینؑ! اب لے جاؤ میدان میں۔ بچہ ہے تو کیا ہوا۔ ہے تو شیرِ خداؑ کا پوتا۔ میں اسے سپاہی بنا کے لائی ہوں۔ بیٹا علی اصغرؑ جاؤ سپاہی بن کے"۔

اب جو امامؑ نے یہ منظر دیکھا تو حسینؑ جیسا صابر انسان کا دل بھی بھر آیا۔ لے لیا گود میں۔ اور میدان کی طرف چلنے لگے —— رباب پھر آ گئی۔

"کیوں رباب! کچھ کہنا ہے"؟

جی ہاں! قبلہ! میں اپنے بچے سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ آواز دی: "اصغرؑ بیٹا"۔ اور بچے نے آنکھ کھول۔ ماں کی طرف دیکھا۔ اور ماں کہتی کیا ہے۔

"اصغرؑ بیٹا! تم میدان میں جا رہے ہو۔ تم باپ کی گود میں ہو۔ مجھے پتہ ہے کہ تم دس منٹ بعد اپنی دادی کی گود میں پہنچ جاؤ گے۔ تمہاری [illegible] خاتونِ جنت ہیں۔ تم اُن کی گود میں جاؤ گے۔ جا کے امّاں کا سلام کہنا۔ اور اگر دادی [illegible] کہ ماں نے منہ دُھلا کے نہیں بھیجا۔ تو ماں کی شکایت نہ کرنا بیٹے! کہہ دینا۔ امّاں کو [illegible] ب ہوا —— اور دوسری بات یہ سُن میرے لعل! تمہارے دادا ساقیِ کوثر ہیں۔ تم ساقیِ کوثر کے پوتے ہو۔ تمہارے دادا تمہیں گود میں لے کے کوثر پہ جائیں گے —— اور ماں کی یہ بات یاد رکھنا کہ کوثر پہ پہنچ کر بھی حسینؑ سے پہلے پانی نہ پینا۔ اور ایک تیسری وصیت اور ہے اصغرؑ بیٹا! وہ بھی یاد رکھنا کہ مجھے پتہ ہے میدانِ جنگ میں تمہارے تیر لگے گا۔ تم تیر سے شہید ہو گے۔ میں یہیں دروازے پہ کھڑی دیکھ رہی ہوں گی —— جب تیر لگے تمہارے آکر تو رونا مت تمہاری چھ مہینے کی جان ہے۔ شاید رونا آ جائے۔ اصغرؑ بیٹا! رونا مت۔ دشمن کی فوجیں سامنے کھڑی ہیں۔ اگر تم تیر کھا کے روؤ گے تو دشمن یہ کہہ کے ہنسیں گے کہ حسینؑ کا بیٹا تو کبھی نہ روتا۔ یہ رُباب کے دُودھ کی خرابی ہے۔ تیرے رونے سے تیری ماں کا دودھ بدنام ہو گا۔ میرے لعل! میں تو جب جانوں جب تیرے تیر لگے اصغرؑ ہنس دینا۔ جاؤ خدا حافظ۔"

اور حسینؑ لے کے میدان میں آ گئے ——

حسینؑ نے اصغرؑ کو ہاتھوں پہ اُٹھایا۔

"مسلمانو! اس بچے کو ایک گھونٹ پانی دے دو۔"

"اصغرؑ بیٹا! میرے کہنے پہ یہ پانی نہیں دیتے۔ تم خود ان سے پانی مانگ لو۔ اور بچے نے ہونٹوں پہ زبان پھیرنا شروع کی ——— اُدھر بچے کی زبان ہونٹوں پہ آئی اِدھر پوری فوج منہ پھیر کے رونے لگی۔

اب جو عمر سعد نے فوج کا یہ نقشہ دیکھا تو اُس نے حرملہ کو بلایا۔

"حرملہ! تو بڑا تیر انداز ہے۔ سارا معاملہ اُلٹ پلٹ ہو جائے گا۔ جلدی سے حسینؑ کے کلام کو قطع کر دے۔ اِس بچے کو ختم کر دے۔"

حرملہ نے بچے کی طرف دیکھا۔ اپنے بازوؤں کی طاقت کو دیکھا۔ عرب کا مانا ہوا تیر انداز، لوہے کا تیر جس کا وزن بچے کے وزن سے زیادہ تھا! کمان میں تیر جوڑا، ایک گھٹنا زمین پہ رکھا۔ کمان کو پوری طرح کھینچا۔ تیر چلانے کا ارادہ کیا۔ اُدھر اصغرؑ کی طرف اشارہ کر کے تیر چلانے کا ارادہ کیا، اِدھر ہاتھ تھرائے۔ اور تیر کمان ہاتھ سے گر گیا ——— تھوڑی دیر کے بعد پھر تیر لگایا۔ پھر کھینچا۔ چاہا تیر پھینکے ——— ہاتھ تھرائے۔ تیر کمان گر گیا ہاتھ سے ——— جب دو دفعہ یہی ہوا تو سنان ابن انس نامی ایک شخص پاس کھڑا تھا وہ کہتا ہے۔

"حرملہ! تو تو بڑا بہادر تیر انداز تھا۔ کیا اس بچے سے ڈر گیا ——— تیر کیوں نہیں چلتا؟"

تو حرملہ جواب میں کہتا ہے۔

"بچے سے نہیں ڈر گیا ——— جب میں تیر چھوڑتا ہوں تو حسینؑ کے خیمے کا پردہ ہلنے لگتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ اس بچے کی ماں کھڑی ہے دروازے پہ ——— میرا دل دہل جاتا ہے۔ میرے ہاتھ سے تیر کمان چھوٹ جاتا ہے۔"

اب کے جو تیسری مرتبہ اُس نے تیر جوڑا تو سنانؑ نے آنکھوں پہ ہاتھ رکھ دیا جُرملہ کے ــــــ اُس نے تیر چلا دیا۔

اُدھر سے تیر چلا۔ اِدھر سے رباب نے ذرا پردہ ہٹا کے دیکھا۔ ــــــ

رباب کو چونکہ اُس کے باپ نے بچپن میں مشق کرائی تھی تیر چلانے کی۔ وہ خوب قف تھی تیر کے انداز سے ــــــ تیر کو آتا دیکھ کر رباب نے کہا۔

"علی اصغر بیٹا! ہشیار"۔

اصغر بیٹا! خبردار۔

تیر کا رُخ یہ ہے کہ اگر تم آرام سے لیٹے رہو گے باپ کی گود میں تو تیر تمہارے اُوپر سے ہو کر حسینؑ کو لگے گا۔ دیکھنا۔ حسینؑ کو تیر نہ لگنے دینا میرے لعل"۔

بس ماں کا یہ کہنا تھا کہ ــــــ

بچہ یا لیٹا تھا، یا اُٹھ کے بیٹھ گیا۔ اُس کا اٹھنا تھا کہ تیر گلے میں لگا اُدھر گلے تیر لگا۔ ادھر بچے نے خیمے کی طرف ہنس کے دیکھا ــــــ مطلب یہ تھا

"اماں! دیکھ لے، میں ہنس رہا ہوں، اماں! میں تیری بات کو پورا کر رہا ہوں"۔

اور پھر حسینؑ کی طرف بچے نے دیکھا ــــــ حسینؑ کی طرف دیکھنے کا مطلب یہ تھا

بس! یا کوئی اور حکم ہے میرے لئے"۔

امامؑ نے اصغرؑ کو کلیجے سے لگا لیا۔

چاہا گلے سے تیر کھینچیں۔ بچہ تڑپ گیا۔ پھر تیر کھینچنا چاہا پھر بچہ تڑپ گیا۔ ــــــ حسینؑ مین پر لٹا دیا اصغرؑ کو۔ اور بچے سے کہتے ہیں۔

"تم شیرِ خُدا کے پوتے ہو۔ عباسؑ جیسے جری کے بھتیجے ہو۔ اکبرؑ جیسے بہادر کے ہو۔ حسینؑ جیسے صابر کے بیٹے ہو۔

بیٹا! میں تیر کھینچنا چاہتا ہوں۔ میں تو جب جانوں تم تڑپو نہیں ــــــ یہ چو

کہ امامؑ نے تو بچہ بالکل خاموش ہو گیا۔ اِدھر گلے سے تیر نکلا اُدھر دم نکل گیا۔ اور امامؑ نے لاشہ کلیجے سے لگا لیا۔ اب گھر میں کیسے لے جائیں۔ رُباب کو کیا جا کے دکھائیں۔

سامعین کرام! تلوار سے قبر کھودی۔ بچے کو دفن کیا۔ حسینؑ اپنے دامن کو جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور سکینہؑ جو پھوپھی کھڑی تھی دروازے پہ آ کے کہتی ہے۔

"اماں! علی اصغرؑ ختم ہو گئے۔"

ماں کہتی ہے "تم کیسے سمجھیں"

کہ "بابا جب گئے تھے تو ہاتھ سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ اور آئے ہیں۔ تو ہاتھ کھلے ہیں۔"

اور بزرگو! یہ میرے آخری فقرے ہیں کہ۔ مولاؑ نے علیؑ اصغرؑ کی قبر اس طرح بنائی تھی۔ کہ ایک طرف علی اکبرؑ کی لاش، ایک طرف علیؑ قاسمؑ کی لاش اور بیچ میں اصغرؑ کی قبر۔ اور جب گیارہ محرم کو اسیرانِ آلِ محمدؐ روانہ ہوئے ہیں۔ کربلا سے قید ہو کر اور مستورات اپنے وارثوں کی لاشوں سے گذر رہی ہیں۔ تو رُباب وہاں آ کے اُتری۔ رُباب نے اصغرؑ کی قبر دیکھی۔ اور کچھ نہ کہا سوائے اس کے کہ

ایک ہاتھ اکبرؑ کا اصغرؑ کی قبر پر رکھ دیا۔ ایک ہاتھ قاسمؑ کا اصغرؑ کی قبر پر رکھ دیا۔ اور اتنا کہا۔ "دیکھو! تم دونوں بڑے بھائی ہو۔ چھوٹے بھائی سے ہوشیار رہنا۔ ڈراؤنا جنگل ہے کہیں ڈر نہ جائے۔

اصغر بیٹا! گھبرا نہ جانا۔ باپ کی لاش بھی قریب ہے۔ بھائی بھی قریب ہیں۔"

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

شبِ شہیداں

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ط

خداوند عالم عزوّ اسمہٗ و جلّ جلالہٗ کی حمد و ثنا کے بعد حضرت محمدؐ و آلِ محمدؐ پہ درود و سلام
ماتم دارانِ حضور سیّد الشہدا ! آج حسینؑ اور ان کے معزز ساتھیوں کی زندگی کی آخری رات
ہے ——— محرم کی پہلی چاند کو حسینؑ کی سواری آپ لوگوں کے پاس آجاتی ہے اور مولاؑ دس
دن آپ کے مہمان رہتے ہیں۔ آپ ان کی مہمان داری کرتے ہیں، ان کی عزاداری کرتے ہیں اور آج
مولاؑ کی سواری کے رخصت ہونے کا دن ہے۔ آئندہ ایک سال جو زندہ رہے گا اُسے پھر یہ رات
نصیب ہوگی ——— اور میری گفتگو ختم ہونے کے بعد پہلے حضور قمر بنی ہاشم ابوالفضل عباسؑ
نمازیؑ کا علم برآمد ہوگا اور جب علمدارِ حسینیؑ کا علم برآمد ہو جائے گا تو اس کے بعد شبہ زری سیّد الشہدا
برآمد ہوگی ——— اسی طرح ہر امام باڑے اور عزا خانے میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ علم آگے
ہوتا ہے، زری بعد میں آتی ہے۔ علم جناب عباسؑ کا ہے، زری سیّد الشہدا کی ہے ——— گویا عباس
نمازیؑ آج بھی حسینؑ کے سامنے سینہ سپر ہو کے چل رہے ہیں ——— میں آپ کی خدمت میں
آج یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج شہیدانِ کربلا کی زندگی کی آخری رات ہے۔ آج تمام شہداءِ کربلا
موجود ہیں۔ بہن کے پاس بھائی موجود ہے۔ بیٹی کے پاس باپ موجود ہے ——— آج تیاری ہے
آلِ محمد کی ایک عظیم قربانی کے لئے ——— آج کی شام شامِ شہیداں کہلاتی ہے۔ یہ شہیدوں کی رات
ہے۔ کل جو رات آئے گی وہ شامِ غریباں کہلائے گی ——— وہ غریبوں کی رات ہوگی۔

محترم بزرگوار ! اللہ کا یہ فرمان ہے "اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ" ۔ دنیا کا ہر انسان

نقصان اٹھاتا ہے۔"

زمانے کی گردشیں اس بات کی شاہد ہیں کہ انسان بڑا نقصان اٹھاتا ہے۔ ذرا سی غلطی انسان کو اتنے بڑے نقصان میں پہنچا دیتی ہے کہ پھر اس نقصان کا کوئی تدارک ہو سکتا ہی نہیں ——— مگر نقصان سے وہ لوگ بچ جائیں گے اللہ کے فرمان کے مطابق جو "الا الذین اٰمنوا" "جن لوگوں میں ایمان ہوگا" جو صاحبِ ایمان ہیں ——— وہ نقصان نہیں اٹھائیں گے۔ وہ ہمیشہ نفع میں رہتے ہیں ——— اس ظاہری دنیاوی نفع و نقصان کو تو صاحبِ ایمان نقصان ہی نہیں سمجھتے۔ آئندہ زندگی کے نفع پر ان کی نظر ہوتی ہے۔ اور وہ دنیا کے نقصان سے محفوظ رہتے ہیں جو صاحبِ ایمان ہیں ——— یہ اللہ کا فرمان ہے۔ اسی فرمان کے ساتھ قرآن مجید کی یہ آیت بھی شامل کریں۔

"لوگ دل میں یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ کہہ دیں زبان سے وہ مومن ہیں" بس وہ مومن ہو گئے ——— ؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔ صرف مومن کہنے سے وہ مومن نہیں بن سکتے۔ بلکہ ان کے ایمان کا امتحان لیا جائے گا۔ امتحان میں ان کو دیکھا جائے گا کہ وہ مومن ہیں کہ نہیں ——— تو آج کی شب اہلِ ایمان کے امتحان کی شب ہے۔ آج اہلِ ایمان کا امتحان ہو رہا ہے۔ آج ان کے امتحان کی رات ہے۔ کل تو وہ آ جائیں گے میدان میں۔ امتحان ان کا آج کی رات ہے کہ آج وہ اپنے لئے کیا فیصلہ کرتے ہیں وہ اپنے لئے کیا سوچتے ہیں۔ آج کی رات ان کے امتحان کی رات ہے۔

بزرگانِ من! یقیناً تاریخِ عالم کا یہ پہلا واقعہ ہے کہ کسی سردار نے، کسی بادشاہ نے عین لڑائی کے وقت، عین میدانِ جنگ میں جب کہ لڑائی سر پر ہو۔ میدانِ جنگ میں اپنے سپاہیوں سے یہ کہا ہو کہ تم جا سکتے ہو ——— یہ بے مثل مثال صرف کربلا کے ہی بے مثل واقعہ میں ملے گی کہ آج جب یقین ہو گیا کہ کل جنگ لازماً ہو گی۔ اور جنگ کا حال معلوم ہے کہ بہتّر بھوکے پیاسے یقیناً قتل ہو جائیں گے۔ قتل ہونے کے بعد وہ ویرانی و بربادی جو ان کے قتل کے بعد ہے وہ سب نظر میں تھی اور جو اصحاب قتل ہوں گے ان کی عورتیں بھی ہیں، ان کے بچے بھی ہیں۔

انہیں محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے قتل کے بعد ہماری عورتوں کے ہاتھ بندھ جائیں گے۔ ہمارے یتیم بچوں کے گلے بندھ جائیں گے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے جس قوم سے ہمارا واسطہ ہے وہ ہماری لاشوں کو دفن نہیں کریں گے۔ یہ تمام چیزیں آج ان کے سامنے ہیں ——— ان تمام حالات کے ساتھ آج ان کا سردار اُن سے ایک انوکھی بات کہہ رہا ہے۔ یہ ان کے ایمان کا امتحان ہو رہا ہے۔

شام کا وقت ہے بہن نے بھائیؑ سے پوچھ لیا۔ "حسینؑ! گھوڑوں کے ٹاپوں کی برابر آوازیں آ رہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے، سینکڑوں سوار چلے آ رہے ہیں — کیا یہ ہماری طرف آ رہے ہیں؟" حسینؑ نے کہا۔ "نہیں بہن! یہ دشمن کی فوج ہے۔" زینبؑ نے آسمان کو دیکھا۔ زمین کو دیکھا۔

"یا اللہ! اس بھری دنیا میں کوئی ہے جو محمدؐ کے نواسے کی مدد کو آئے"

امامؑ زینبؑ کو تسلی دیتے ہیں "بہن فکر نہ کر۔ میرے ساتھی بھی ہیں"۔ رات ہوئی۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے۔ آپؑ نے اپنے چھوٹے بھائی قمر بنی ہاشم جناب عباسؑ غازی کو بلایا۔

"عباسؑ! تم میری چھوٹی سی فوج کے سپہ سالار ہو۔ تم مجھے گن کے بتاؤ کہ اس وقت کتنے سپاہی میری فوج میں موجود ہیں؟"

قمرؑ بنی ہاشم نے گن کے بتایا۔ "ایک۔۔ دو۔ تین۔"

"حضور! میں نے گن لیے۔ ۷۲ اکبترؐ سپاہی ہیں؟"

آپ نے فرمایا "بھائی، ایک دفعہ پھر گن" دوبارہ گنا۔

"قبلہ! میں نے گن لیا۔ ۷۲ اکبترؐ ہیں بعد میرے"

آپ نے فرمایا "بھائی ایک دفعہ پھر گن لو"

اب قمر بنی ہاشم سمجھ گئے۔ ضرور گنتی میں کوئی غلطی ہے جب کہ امامؑ بار بار فرما رہے ہیں۔ ۔ اب کے بڑی احتیاط سے گنا۔ جب گنتے گنتے ستر ۷۰ کے قریب پہنچے تو خیمے کا پردہ اٹھا اماں فضہ برآمد ہوئیں اور سفید رومال میں لپٹی ہوئی ایک چھوٹی سی ننھی لاکر سامنے رکھی۔ اور کہا "عباسؑ! تو گنتی میں رہ گیا تھا — اب تیری فوج مکمل ہو گئی۔"

عباسؑ نے بچے کو اٹھا کے کلیجے سے لگایا۔ چھ مہینے کا ہے تو کیا ہے، ہے تو حیدرِ کرار کا پوتا ــــ اصغرؑ سپاہی بنے گا اور بچے نے آنکھیں کھول کے چچا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال لیں۔ بول تو سکتا نہیں، آنکھوں سے کہہ رہا تھا

"چچا جان! کل وہ جہاد کروں گا کہ دنیا یاد رکھے گی قیامت تک کہ علیؑ کا پوتا کس طرح جہاد کرتا ہے"

بہرنوع بچے کو اندر بھیج دیا۔ ماں نے اُسے گہوارے میں لٹا دیا۔ باقی بچے عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر خیموں میں گئے۔ ماں نے اپنے بچوں کو کل کے لئے لباس پہنائے ــــ اور زینبؑ نے عونؑ و محمدؑ کو سامنے بٹھا کے کہا

"بیٹو! تمہیں معلوم ہے کہ تم جعفرِ طیار کے پوتے ہو، حیدرِ کرار کے نواسے ہو اور دیکھو نا، کل میدانِ جنگ میں تم نے پہلی دفعہ جانا ہے ــــ تمہارے بچپن سے، ناتجربہ کاری سے میں ڈر رہی ہوں، میں جب جانوں کہ تم اپنی زبان سے نہ کہو کہ ہم علیؑ کے نواسے ہیں، جعفرِ طیار کے پوتے ہیں۔ میں دروازے پہ کھڑی ہوں گی۔ میں جب خوش ہوں گی جب فوجیں چلا اٹھیں " یہ علیؑ کے نواسے ہیں۔ یہ جعفر طیار کے پوتے ہیں" زینبؑ یہ کہہ رہی تھیں ــــ اور قاسمؑ کی ماں قاسمؑ سے کہہ رہی تھی "بیٹا! آج تیرا باپ حسنؑ زندہ نہیں ہے۔ اگر وہ ہوتا تو مجھے کچھ نہ کہنا پڑتا، میں تیری بیوہ ماں ہوں، میرا کوئی قدر نہیں، میرا کوئی سہارا نہیں۔ میں بیوہ ماں تجھ سے کہتی ہوں ــــ "کل میرا نام روشن کرنا بیٹے! دنیا یہ نہ کہدے کہ ماں کے دودھ کی خرابی تھی۔ اپنی ماں کے دودھ کی عزت رکھنا میرے لعل! ــــ لیلیٰ علی اکبرؑ سے بات کر رہی ہے ــــ ایک ایک خاتون اپنے اپنے عزیز سے گفتگو کر رہی ہے۔

امامؑ نے دیکھا یہ منظر، آ کے مسند پہ بیٹھے ــــ حکم دیا ــــ "بھائی عباسؑ! میرے تمام سپاہیوں کو میرے گرد اکٹھا کرو۔ میں اُن سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں"

حکم کی دیر تھی کہ امامؑ کے گرد بہتر سپاہی آ کے بیٹھ گئے ــــ ان میں ۸۰ برس کا بوڑھا بھی

و ۱۰۰ سال کے بچے بھی حسینؑ کی جنگی کونسل میں آ کر امام کے گرد بیٹھ گئے ـــــ اور ابو ترابؑ کے بیٹے نے زمین کے اوپر مسند لگا دی - اور امام نے فرمایا

"میرے دوستو! میرے عزیزو! میری جان سے زیادہ پیارے رفیقو! میرے بیٹو! بھتیجو! بھائیو!"

پھر امام نے نام لے لے کے فرمایا

"بھائی حبیبؓ! بھائی زہیرؓ! اور جو بزرگ تھے جیسے حضرت مسلم بن عوسجہؓ وغیرہ۔ انہیں امامؑ نے چچا کہہ کے خطاب فرمایا ـــــ میرے باپ اور نانا کے صحابیو! دیکھو تو زمانے کا حال کیا ہے۔ یہ فوج جو مجھے گھیرے ہوئے ہے اسے صرف میری ذات سے واسطہ ہے۔ تم سے کوئی عداوت نہیں۔ اس وقت رات کا وقت ہے۔ میں تمہیں خوشی سے کہہ رہا ہوں کہ تم میں سے جو جانا چاہے جا سکتا ہے۔"

یہ حکم نہیں دیا کہ ضرور چلے جاؤ۔ نہیں ان کی مرضی پہ چھوڑ دیا "تم میں سے جو جانا چاہے وہ جا سکتا ہے"۔ یہ ہو رہا تھا ان کے ایمان کا امتحان ـــــ جب تین چار دفعہ مولاؑ نے یہ فرمایا "جو جانا چاہے جا سکتا ہے" اور وہ سب خاموش بیٹھے رہے ـــ کچھ نہیں بولے ـــــ تو مولاؑ نے فرمایا "شاید یہ بات ہے کہ تمہیں جاتے ہوئے یہ خیال ہے کہ وہ ثواب جو تمہیں یہاں شہید ہوتے ہیں ملے گا، اس ثواب سے محروم رہ جاؤ گے۔

"میں حسینؑ! تم سے وعدہ کرتا ہوں اگر اس وقت تم چلے جاؤ تو جو شہادت کا ثواب ہے وہ تمہیں ضرور دلاؤں گا۔"

انہیں حسینؑ پر یقین تھا۔ اب وہ ثواب کا لالچ بھی ختم ہو گیا ـــ اب مولاؑ نے فرمایا

"تمہیں غیرت محسوس ہوتی ہے، کہ لوگ تمہیں طعنے دیں گے کہ اپنے سردار کو چھوڑ کر آ گئے۔ اس غیرت کا علاج یہ ہے کہ میرے ساتھ تمہارے نبیؐ کی بیٹیاں آئی ہوئی ہیں۔ انہیں ساتھ لے جاؤ۔ انہیں نانا کی قبر پہ بٹھا دینا۔ پھر جہاں جس کا جی چاہے چلے جانا۔ اگر کوئی طعنہ دے تو

کہ دیا کہ زینبؑ کا پردہ بچانے چلے آئے تھے۔ بنیؐ کی بیٹیوں کو نرغے سے نکال کے لے آئے تھے۔ لوگ خاموش ہو جائیں گے۔"

وہ لوگ پھر بھی خاموش رہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا

"میں تمہارے سامنے بیٹھا ہوں۔ آنکھوں میں شرم ہے اس شرم کی وجہ سے تم نہیں جاتے۔ اکبرؑ بیٹا! ذرا چراغ گل کر دو۔"

چراغ گل ہو گیا۔ پھر امامؑ نے فرمایا

"اب اندھیرا ہے، میں تمہیں نہیں دیکھ سکتا۔ تم جا سکتے ہو جس نے جانا ہو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔"

اب اندھیرے میں آوازیں تو آ رہی ہیں۔ پتہ نہیں چل رہا کہ کیا ہو رہا ہے۔ جب پندرہ ۱۵ بیس ۲۰ منٹ کے بعد آپ نے حکم دیا کہ "چراغ دوبارہ روشن کیا جائے۔"

اب جو چراغ دوبارہ روشن ہوا تو امامؑ نے دیکھا کہ اتنے میں یہ فرق آ گیا تھا کہ جتنے جوان تھے انہوں نے گھٹیاں لگا کے تلواروں کے نیام توڑ دیئے تھے۔ جو بڈھے تھے انہوں نے پگڑیاں اتار کے کمر سے باندھ لیں تھیں کہ کمر سیدھی ہو جائے۔ جو چھوٹے بچے تھے وہ ایڑیاں اٹھا کے کھڑے ہو گئے کہ جوان نظر آنے لگیں ——— یہ فرق ہو گیا تھا ———

حسینؑ نے جوان کی یہ ادا دیکھی تو بے ساختہ منہ سے نکل گیا۔

"میرے جیسے عزیز، میرے جیسے رفیق تو آدمؑ سے آج تک کسی کو نہیں ملے۔ تمہارا نہیں ارادہ جانے کا۔"

اب جو مولاؑ نے فرمایا تو ان کا پیمانۂ صبر بھی لبریز ہو گیا تھا۔ سب سے پہلے مسلم عوسجہؓ اٹھے۔ بوڑھے آدمی تھے۔ علیؑ کے ساتھ رہ چکے تھے۔ رسولؐ کو دیکھ چکے تھے ——— کھڑے ہوئے تلوار ٹیک کر ——— بدن میں تھوڑا سا لرزا بھی تھا۔ کہنے لگے۔

"حسینؑ! میں نے تیرے ناناؐ کو دیکھا ہے۔ میں تیرے باباؑ کے ساتھ رہا ہوں۔ تیرے

منہ سے یہی سجتا ہے جو تو کہہ رہا ہے۔ تیری یہی شان ہے جو تو کہہ رہا ہے۔ حسینؑ! یہ سچ ہے کہ تجھے ہماری ضرورت بالکل نہیں ــــ ــــ ــــ مگر ہمیں تیری ضرورت ہے ــــ تو ہمارا محتاج نہیں حسینؑ! ہم تیرے محتاج ہیں ــــ اگر تو ٹھوکریں مار مار کے بھی اس میدان سے نکال دے پھر ہمیں پلٹ کے آئیں گے حسینؑ! کیونکہ ہم تیرے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہمیں تیری ضرورت ہے حسینؑ!

بڈھا آدمی تھا جوش میں فقرے کہے۔ وہیں گر گیا۔ اس کے گرتے ہی حضرت بریرؓ ہمدانی کھڑے ہو گئے۔ یہ بڑے فصیح البیان انسان تھے۔ انہوں نے کھڑے ہو کے کیا فرمایا

"حسینؑ ہمیں جانے کو کہتے ہو۔ ہم چلے جائیں ــــ ہم چلے جاتے ہیں مگر اپنے گھر سے اچھا گھر بتا دو جہاں ہم چلے جائیں ــــ اپنے در سے اچھا در بتا دو جہاں جا بیٹھیں۔ اپنے سے اچھا دربار بتا دو جہاں جا کے بیٹھ جائیں" اور یہ فقرے کہہ کے وہ بھی بے ہوش ہو گیا اور گر گیا ــــ

اس کے بعد بچپن کا دوست حبیبؓ اٹھا۔ حبیبؓ نے اس طرح بات کی ہے جس طرح بچپن کا دوست بات کرتا ہے۔

"حسینؑ! میں تیرے ساتھ بچپن میں کھیلا ہوں۔ میں تجھے چھوڑ کے چلا جاؤں ــــ ایک بات بتا دے اس کے بعد جانے کو کہنا کہ قیامت کے دن اگر تیری اماں نے پوچھ لیا حبیبؓ! میرے حسینؑ کو کہاں چھوڑ آیا تو کیا جواب دوں گا۔ جواب مجھے بتا دے کہ تیری ماں کو کیا جواب دوں گا ــــ پھر چلا جاؤں گا"

یہ کہہ کے حبیبؓ بھی بیٹھ گئے ــــ اس طرح جب تمام اصحابؓ باتیں کر کر کے بیٹھ گئے تو اب عزیزوں کی باری آئی ــــ عزیزوں کی نمائندگی حضور قمر بنی ہاشم جناب عباسؑ نے فرمائی۔ جناب عباسؑ وہ شخصیت تھے۔ تقریر نہیں کرتے تھے۔ خاموش رہتے تھے۔ کھڑے ہوئے تقریر کرنے ــــ اور صاحبان ذوق! ذرا توجہ سے سننا عباسؑ کی تقریر۔ کھڑے ہو گئے ــــ بدن پورا لرز رہا ہے۔ تلوار کا قبضہ ہاتھ میں ہے ــــ ایک مرتبہ کہا

"مولا!" خاموش ہو گئے۔

دوسری مرتبہ اور بلند آواز سے کہا "یا نبا رسولؐ اللہ"! پھر خاموش ہو گئے۔ پھر تیسری مرتبہ کہا "میرے سردار!" - پھر خاموش ہو گئے۔۔۔۔ اور خاموش ہو کے ایک دم مڑ گئے نجف کی طرف اور بجائے حسینؑ سے کچھ کہتے ۔۔۔ کہنے لگے۔

"یا علیؑ مدد! یا علیؑ! حسینؑ جانے کو کہہ رہے ہیں میں کیا جواب دوں ۔۔۔۔؟"

امامؑ کو پیار آ گیا۔ اُٹھ کے ایک ایک کے گلے ملے۔ ایک ایک کی پیشانی چومی۔

"میں تم سے بڑا خوش ہوں۔ میں تمہارا بڑا احسان مند ہوں۔ میں تمہارا بڑا شکر گذار ہوں۔ جاؤ۔ اپنے اپنے خیمے میں بیٹھ کر کل کے مرنے کی تیاری کرو۔ مگر ایک کام کرنا۔ اپنے خیمے اکھاڑو۔ جہاں جہاں نصب ہیں۔ اور سیدانیوں کے خیموں کے چاروں طرف لگا دو۔ تاکہ اگر رات کی تاریکی میں اس بے حیا فوج نے اچانک حملہ کر دیا تو سادات کی حفاظت ہو سکے"۔

نے ایک دم اپنے خیمے سادات کے چاروں طرف لگا دیئے۔ طنابوں سے طنابیں باندھ لیں۔ اور اس کے بعد امامؑ بیت الشرف میں تشریف لائے ۔۔۔۔۔

حسینؑ جو گھر میں آئے۔ بہن کھڑی تھی۔ زینبؑ پوچھتی ہیں "حسینؑ! میں ساری تقریر قنات کے پیچھے کھڑی سُن رہی تھی۔ میں نے تیرے دوستوں کی ساری باتیں سُنی ہیں۔ میں نے بال کھول کے ان کے لئے دعا کی ہے۔

"حسینؑ! یہ بتاؤ ان میں سے کوئی اب چھوڑ کے چلا تو نہیں جائے گا۔ اب ان پہ ہے نا پورا اعتماد"؟

اب زینبؑ نے جو پوچھا کہ "اعتماد ہے"؟ "کوئی جائے گا تو نہیں"؟

یہ سوال جو بی بی نے کیا تو پردے کے بالکل پیچھے پہرہ دار کے طور پر حضرت بریرؓ ہمدانی کھڑے تھے انہوں نے سُن لیا کہ زینبؑ نے یہ پوچھا ہے ۔۔۔۔ رات کا وقت ۔۔۔ انہوں نے ایک دم گھبرا کے کہا۔

"حبیبؓ! زہیرؓ! "جلدی آؤ" "فوراً دوڑو" اب جو انہوں نے آواز دی

گھبرا کے تو سب کے سب دوڑتے ہوئے آگئے۔ زُہیرؓ نے پوچھا "بی بی خیریت تو ہے"۔

"خیریت بالکل نہیں"۔ "ابھی زینبؑ کو ہماری وفا کا یقین نہیں آیا۔ خیمے میں بعد میں جانا۔ پہلے زینبؑ کو یقین دلا کے جاؤ"۔

سب تلواریں نیام سے نکل آئیں اور خیمے کے صحن میں آ گئے

"بی بی! اپنے ہاتھ سے سرکاٹ دے اب یہ واپس نہیں جائیں گے"۔ اور اتنا اعتماد تھا زینبؑ کو اصحابؓ کی وفا کا کہ عاشور کی شام کو جب خیمے جلنے لگے تو زینبؑ نے حسینؑ کو نہیں پکارا۔ عباسؑ کو نہیں پکارا۔ وہاں بھی کھڑے ہو کر زینبؑ نے آواز دی تھی

"بھائی حبیبؓ! آؤ نا۔ دیکھو ہم پہ کیا گذر رہی ہے"۔

بہر نوع تمام اصحابِ حسینؑ جا کے اپنے اپنے خیموں میں بیٹھ گئے — انہوں نے وہاں قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ کوئی قرآن پڑھنے لگا۔ کوئی مناجات پڑھنے لگا۔ کوئی دعائیں پڑھنے لگا۔ کل کے مرنے کی تیاری ہونے لگی۔

امام زین العابدینؑ۔ بیماری کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ غشی کا عالم تھا — ایک دم غش سے افاقہ ہوا، آنکھ کھلی — جو خاتون تیماردار تھی اس سے پوچھا

"یہ آوازیں کیسی آ رہی ہیں؟"

اس بی بی نے کہا

"اصحابؓ کے خیمے سیدانیوں کے خیموں کے چاروں طرف لگ گئے ہیں۔ وہ عبادت کر رہے ہیں۔ ان کی عبادت کی آوازیں آ رہی ہیں"

"اچھا یہ بات ہے۔ میرے بابا! کہاں ہیں؟"

خاتون بولی "وہ باہر جائے نماز پہ بیٹھے ہیں"۔

امام زین العابدینؑ نے فرمایا

"ذرا میرے بابا کو میرا سلام کہو۔ اور کہو کہ بیمار بیٹا کچھ کہنا چاہتا ہے"۔

امامؑ تشریف لائے۔ امام زین العابدینؑ تعظیم کو اُٹھے۔ حسینؑ نے بٹھا دیا۔ نبض دیکھی۔

"بیٹا! بخار کا کیا حال ہے۔ طبیعت کیسی ہے۔ جلدی جلدی اچھے ہو جاؤ بیٹا! بڑا کام کرنا ہے۔

بیٹا! جلدی تندرست ہو جاؤ تمہارے ذمے بڑا کام ہے"

امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں۔

"بابا جان! میں نے اس لئے آپ کو تکلیف دی ہے۔ یہ جو ہمارے اصحابؓ ہیں۔ یہ جو حضورؐ کے دوست ہیں۔ یہ ہمارے محسن ہیں میں ان کا احسان مند ہوں۔ " بابا! ان کی آخری خدمت میں کروں گا۔ میرے ذمے ہے اور بابا! میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں ان میں سے ایک ایک کی قبر پہ کھڑے ہو کر میں کہوں گا "میرے ماں باپ تجھ پہ قربان ہوں۔ اتنی عزت ہے ان کی میرے دل میں ـــــ مگر اس عزت کے باوجود یہ ہیں تو غیر ـــــ ان کی آوازیں ہمارے زنانے خیمے میں آ رہی ہیں۔ ہو سکتا ہے ہماری عورتوں کی آوازیں وہاں جا رہی ہوں ـــ کیا ان کے خیمے ذرا فاصلے پر نہیں ہو سکتے تاکہ ہماری عورتوں کی آوازیں نہ جائیں وہاں تک ـــ"

امام زین العابدینؑ کا یہ کہنا تھا کہ حسینؑ یا بیٹھے تھے یا کھڑے ہو گئے ـــ پھر بیٹھ گئے۔ پھر کھڑے ہوئے ـــ پھر بیٹھے ـــــ اور کہنے لگے

"بیٹا زین العابدینؑ! آج کی رات تو یونہی رہنے دو ـــ کل کی رات جو آئے گی تم جانو اور پردہ جانے ـــــ"

"انا للہ و انا الیہ راجعون"

جس اُمّت میں آدمؑ، نوحؑ اور ابراہیمؑ جیسے پیغمبر مومنین ہوں ــــــــــ تو

اُن مومنین کا ـــــ امیر المومنینؑ ـــــ کون ہو گا؟

(خطبات آلِ محمدؐ)

فاطمہؑ کا چاند

کربلا میں قیامت خیز منظر، آسمان سے آگ برستی ہوئی، زمین کے ذرّے تپتے ہوئے، تمام صحرائے کربلا بے گناہوں کی لاشوں سے بھرا ہوا، جو محض دینِ الٰہی کی حفاظت کیلئے اپنی جان اور اپنی زندگیاں قربان کر گئے۔ ریت گرم پر لیٹے ہوئے، آفتاب نصف النہار پر ٹھہرا ہوا۔ فاطمہؑ کا چاند، چہرے پر کربلا کی گرد، دل پہ ۷۲ عزیزوں کے درد، سینے سے بے شیر کا لاشہ لگائے ہوئے، سر جھکائے ہوئے خیمے کے دروازے پہ کھڑا ہے اور دردناک آواز میں کہہ رہا ہے

"زینبؑ! کلثومؑ! رقیہؑ! ام فروہؑ! تم سب پر میرا آخری سلام"

خواتین دروازے کے قریب آئیں۔ امامؑ کے گرد حلقہ کر لیا۔ سکینہؑ نے عبا کا دامن پکڑ لیا۔ زینبؑ سامنے بیٹھ گئیں۔ بیبیاں ایک طرف خاموش کھڑی ہو گئیں۔ ربابؑ دم بخود ہیں۔ خیمے پر اُداسی چھائی ہوئی ہے۔ علمِ فوج سرنگوں ہو چکا ہے۔ عباسؑ کے یتیم بچے حسینؑ کی عبا کا دامن پکڑے ہوئے پوچھ رہے ہیں "ہمارے بابا گھر کب آئیں گے۔" اصحابؓ کے یتیم بچے، ان کی بیوہ عورتیں، حسینؑ کے چاروں طرف بیٹھی کہہ رہی ہیں

"مولاؑ! ساری قربانیاں منظور ہیں۔" اور حسینؑ کہہ رہے ہیں "زینبؑ بہن! اگر قیامت تک بھی زندہ رہو، ایک روز جدائی ضروری ہے۔ آج تمہارا بھائی حسینؑ تم سے جدا ہو کے رخصت ہو رہا ہے۔ زینبؑ! مجھے گلے مل کے رخصت کرو۔ دعا کرو، خدا مجھے اتنی طاقت دے کہ میں اس قربانی کو اس مقصد کو جس مقصد کے لئے مجھے میری ماںؑ نے چکی پیس کر پالا تھا، میرے ناناؐ نے مجھے کاندھے پر سوار کیا تھا، میرے باپ نے سینے پر سُلایا تھا، آج اسی مقصد کے پورا کرنے کیلئے خدا توفیق دے

زینبؑ! دعا کرو۔ قاتل کے خنجر کے نیچے میں گھبرا نہ جاؤں، بلکہ

؎ حلق پر تیغ رہے، سینے پہ جلاد رہے،

لب پہ ہو نام تیرا، دل میں تیری یاد رہے

اللہ کی طرف تعلق رہے، خدا سے میرا واسطہ رہے۔

خدا حافظ بہن! میں جا رہا ہوں، سکینہؑ نے دامن پکڑ لیا۔

"بابا! آپ اس طرف جا رہے ہیں جہاں صبح سے جو گیا وہ واپس نہیں آیا۔ آج رات کو اگر آپ واپس نہ آئے، تو

باباجان! سکینہ کس کے پاس سوئے گی؟"

"بیٹا! تم آج رات اپنی اماں کے پاس سونا۔"

"بابا! اماں کے پاس تو چھوٹے بھائی علی اصغر سوتے ہیں۔ میں کیسے سوؤں گی۔"

"نہیں میرے لعل۔ آج سے اصغر میرے پاس سویا کرے گا۔ تم اماں کے پاس سویا کرنا۔ اور دیکھنا بیٹا! ضد نہ کرنا۔ بیمار بھائی کے ہاتھ بندھے ہوں گے۔ پھوپھیاں مجبور رہوں گی۔ زمین پہ آرام سے سو جایا کرنا۔

خدا حافظ بہن! اب میں جا رہا ہوں۔ اللہ تمہارا نگہبان ہو گا۔ خدا تمہارا محافظ ہو گا۔ دیکھنا بہن! غصے میں نہ آنا۔ ہر مصیبت کو آرام سے برداشت کرنا۔ اُمت کے حق میں ہر وقت دعا کرنا۔ خداوند عالم ہماری اس قربانی سے دین کی خدمت لے رہا ہے۔ اسلام زندہ رہے، اللہ کا نام زندہ رہے۔ ہمارے نانا کا دین زندہ رہے۔

زینبؑ! تیری چادر کے زیر سایہ اگر دین کی زندگی ہے تو چادر قربان کر دینے میں دریغ نہ کرنا۔

بہن خدا حافظ! فی امان اللہ! اب میں جا رہا ہوں، اب انشاء اللہ زینبؑ! قیامت میں ملوں گا، ویسے نیزے پہ سوار ہو کے ہر وقت زینبؑ! تیرے ساتھ رہوں گا۔

؎ شبیرؑ برآمد ہوئے یوں خیمے کے دَر سے
جس طرح نکلتا ہے جنازہ کسی گھر سے،

آج حسینؑ نے دنیا سے اپنے تعلق کو منقطع کر دیا ہے۔ سو فیصدی اپنے اللہ کی طرف متوجہ ہے آج حسینؑ اور خدا کے درمیان کوئی شے حائل نہیں۔ خالق کو اپنے اس بندے پر ناز ہے، اللہ اپنی صنعت کے اس شاہکار کو دیکھ کر فخریہ فرشتوں سے کہتا ہے اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔ میں جانتا ہوں، انسان کے وہ جوہر جو تم نہیں جانتے۔ تم نے دیکھا، میرے اس بندے نے میرے عشق کو کس کمال تک پہنچا دیا۔ میری عبودیت کو کس معراج کو پہنچا دیا۔ آج وہ سجدے کے بل میری خدمت میں آرہا ہے۔ میں نے اپنی خدائی کا نظام اُس کے سپرد کر دیا۔ میں نے بقائے دوام کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا۔ آج میں خود اس کے ماں، باپ اور نانا کو اس عظیم فرزند کی عظیم قربانی پر مبارکباد دوں گا۔

آج حسینؑ بھی اللہ سے خطاب کر کے فرما رہے۔ خداوندا ؎

وہ کلیجے پہ دھرے ہاتھ پڑے ہیں اکبرؑ — ہیں وہ عباسؑ دلاور، وہ حسنؑ کا دلبر
میں نے ایک ایک کو قرباں کیا گن گن کر — کی امانت میں خیانت نہ ذرا اے داور

تُو نے دولت جو عطا کی مجھ خاک نشیں کو سونپی
وہ امانت تیری بندے نے زمیں کو سونپی،

یا اللہ! پہلے کہتا تھا کہ "نہ عریاں سرِ خواہر دیکھوں" (پر جو تو خوش ہو تو) "زینبؑ کو کھلے سر دیکھوں"

خداوندا! آج میں بالکل تیرے سامنے حاضر ہوں۔ تیری خوشی کے سامنے میرا سر جھکا ہے۔

؎ اگر تجھ کو نہ ہو نسلِ امامت منظور
ذبح عابدؑ کو کروں ہاتھ سے میں تیرے حضور

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

شامِ غریباں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حضرات گرامی! آج بجائے اس وقت درود وسلام پڑھنے کے سارا مجمع بیک زبان ایک دفعہ کہے " انا للّٰہ و انا الیہ راجعون "

اصل حادثہ کربلا اب شروع ہوا ہے۔ آج کے عصر تک کے کارنامے کی ذمہ داری حسینؑ کے پاس تھی اور عصر کے بعد یہ ذمہ داری حسینؑ سے زینبؑ کی طرف منتقل ہو گئی ہے ——

آپ حضرات نے محرم کا چاند دیکھ کر آج کے عصر تک جتنی مجلسیں کی ہیں، جتنا ماتم کیا ہے وہ شہیدوں کا ماتم تھا اور عصر کے بعد سے اب اسیروں کا ماتم ہے۔

بزرگو، عزیزو اور نوجوانو! اصل ماتم اب شروع ہوا ہے۔

حضور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا فرمان ہے کہ

" عصر کے بعد ہمارے خاندان پر جو گذر گئی، نہ کوئی بیان کرنے والا اسے بیان کر سکتا ہے نہ کسی سوچنے والے کے ذہن میں آسکتا ہے اُسے وہی جانتے تھے جن پہ گذر گئی "

دنیا کا شریف ترین خاندان، دنیا کا معزز ترین خاندان۔ آج اس عالم میں پہنچ گیا کہ رات ان کی شام شہیداں تھی اور آج ان کی رات شام غریباں ہے —— اور جن کا خدا نے، قرآن نے اہل بیت نام رکھا ہے وہ آج دنیا میں بے بیت ہیں۔ ان کا آج کہیں گھر نہیں۔ وہ آج بے گھر ہیں۔ کوئی سوچ نہیں سکتا کہ ان پہ کیا گذری —— اور جب آخری رخصت کے بعد حسینؑ میدان میں تشریف لائے۔ چلتے وقت جب بالکل اپنے گھوڑے کے قریب آئے اور سوار

ہونے لگے تو اُن کی بچی نے آکے دامن پکڑ لیا۔ سکینہؑ دامن پکڑے کھڑی ہو گئی۔

"بابا جان! جا رہے ہو، بابا! آپ جا رہے ہیں۔"

"ہاں بیٹیا! میں جا رہا ہوں۔"

"بابا جان! اگرچہ میں بچی ہوں مگر اتنا میں سمجھ رہی ہوں کہ صبح سے جو گیا ہے، وہ واپس نہیں آیا۔ مجھے یقین ہے آپ بھی واپس نہیں آئیں گے، پیارے بابا جان! مجھے یہ بتا دیں کہ رات قریب آ رہی ہے، آپ جا رہے ہیں، جنگل ہے بیابان ہے۔ اگر رات کو میں ڈر گئی تو کس کے پاس سوؤں گی۔ اب میں کس کے سینے پہ سوؤں گی" تو امامؑ نے بچی کو فرمایا کہ "بیٹیا! آج رات اگر تم ڈر جاؤ نا تو اپنی اماں کے پاس سونا۔ اپنی ماں کی گود میں سو جانا" تو بچی جواب میں کہتی ہے۔

"بابا جان! اماں کی گود میں تو بھائی علی اصغر سویا کرتے ہیں، میں کیسے سوؤں گی"

امامؑ نے جواب میں فرمایا

"سکینہؑ بیٹیا! آج رات سے اصغرؑ میرے ساتھ سوئے گا" اور امامؑ رخصت ہو کے میدان میں آ گئے اور دنیا نے یہ عجیب منظر دیکھا کہ ہزاروں کے مقابلے میں ایک شکستہ دل انسان ہے۔ اس بے حیا فوج نے یہ طعنہ زنی کی۔

"حسینؑ! نہ اپنے کو تکلیف دو نہ ہمیں تکلیف دو۔ آؤ گھوڑے سے اتر آؤ تا کہ یہ جنگ جلدی ختم ہو جائے"

ان کے یہ طعنے کی آواز خیمے میں زینبؑ نے سُنی۔ زینبؑ نے دروازے پہ آ کے کہا

"حسینؑ مجھے پتہ ہے، تم نے شہید ہونا ہے، مگر یہ قوم یہ نہ سمجھے کہ مجبور ہو گیا، ذرا پانچ منٹ کے لئے میری اماں کے دودھ کی طاقت بھی دکھا دے"

اور حسینؑ نے تلوار کھینچی۔ جہاد شروع کیا۔ فوج کا پہلا حصہ بھاگ کر نخیلہ تک پہنچا تھا اور حسینؑ فوج کو بھگا کر گھوڑے کو تیزی سے دوڑا کر ایک بلند ٹیلے پر آتے اور وہاں بلند آواز سے کہتے

"انا ابن رسول اللّٰہ لوگو! میں رسول کا بیٹا ہوں" اور فوراً جواب میں خیمے سے بہن کہتی

"مرحبا یا عبد الرسول اللہ" "شاباش حسینؑ!"

—— اور جنگ ختم ہوئی —— اور حسینؑ فوجوں کے بیچ میں گھر گئے تو زینبؑ یہاں سے آواز دیتی ہے "یا علیؑ مدد!"

حسینؑ کے پاؤں رکابوں سے نکل چکے تھے۔ اور مسلمانوں کی تاریخ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حسینؑ کو گھوڑے سے زمین تک آنے میں نو گھنٹے لگے۔ اب دقیقے کا ترجمہ آپ چاہے سیکنڈ کرلیں چاہے منٹ کرلیں۔ اتنی دیر کیوں لگ گئی گرنے میں مولا کو —— اس کا بیان یہ بتایا گیا ہے کہ فوجیں قریب آگئیں۔ حسینؑ کی پسلیوں میں برچھیاں لگا دیں۔ حسینؑ دائیں طرف گرتے تو برچھیوں والے بائیں طرف کر دیتے اور بائیں طرف گرتے تو برچھیوں والے دائیں طرف کر دیتے۔ تو منٹ اسی کشمکش میں گذر رہے۔ اس وقت کا واقعہ بھی آپ نے سنا ہوگا کہ جب اس عالم میں گھوڑے سے گر رہے تھے اور گرتے وقت جو بے ساختہ منہ سے نکلا۔ وہ یہ تھا "یا عباسؑ! میں گر گیا" ... "عباسؑ بھائی آؤ دیکھو تو میں گر رہا ہوں۔"

اور پھر زمین پر آگئے۔ کس طرح؟

زیارت شبیہ میں امام زمانؑ فرماتے ہیں

"میرا سلام ہو اس شبیہ پر جو نہ زین پر تھا نہ زمین پر تھا۔" پھر کہاں تھے —— بدن تیروں پر معلّا ہو گیا اور جب بہن نے دیکھا کہ حسینؑ گھوڑے پر نہیں ہے۔ خالی گھوڑا آچکا ہے تو اب زینبؑ حسینؑ بن گئی۔ اور کہنے لگیں "سیدانیو! فکر نہ کرو۔ اب میں تمہاری محافظ ہوں۔" اب میں تمہاری ذمہ دار ہوں۔ دیکھو! ایسا کرو۔ کوئی بچہ کہیں گم نہ ہو جائے۔ بچے کے کرتے سے کرتا باندھ دو۔ سیدانیو! تم اپنے برقعے سے برقعہ باندھ دو۔ میں تمہاری محافظ ہوں —— سہمے ہوئے بچے۔ سہمی ہوئی مستورات۔ زینبؑ کھڑی ہیں سامنے —— اور اگلا فقرہ میرے منہ سے نکلتا نہیں صاحبان! لوگ مجھے بھی سید کہتے ہیں۔ یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے، حقیقت کیا ہے —— اس لیے جتنے اس محفل میں سادات ہوں میں ان سے معافی مانگتے ہوئے

اور جو مومنین ہیں، ان سے معذرت کرتے ہوئے یہ عرض کرتا ہوں کہ پھر دنیا نے یہ دیکھا کہ زینبؑ دروازے پہ کھڑی تھیں اور بے حیا فوج شور مچاتی ہوئی کہ اب خاندانِ رسالت کے گھروں کو لوٹ لو، چلی آ رہی ہے ——— گھر کا محاصرہ ہو گیا۔ اور خیموں میں آگ لگنے لگی۔ جب ایک خیمہ جل جاتا بیبیاں دوسرے خیمے میں آ جائیں۔ وہ جل جاتا، تیسرے خیمے میں آ جاتیں۔

اب میں آپ کو یہ واقعہ بھی سنا دوں کہ رات میں نے آپ کو یہ بات کہی تھی۔ "امام زین العابدینؑ نے فرمایا تھا کہ اصحاب کے خیمے ذرا فاصلے پہ ہو جائیں تاکہ ان تک ہماری مستورات کی آواز نہ جائے"۔ ——— آج وہی زین العابدینؑ اپنے بستر بیماری پر لیٹے ہوئے ہیں۔ زینبؑ پہنچیں ۔۔ بیٹے کا سر گود میں لیا ۔۔ غضب کا عالم ۔۔ پریشانی کا وقت ——— اور کہتی ہیں "بیٹا! ذرا اٹھو۔ بیٹا! ذرا آنکھیں کھولو" تین چار دفعہ بیٹا کہہ کے پکارا — آنکھ نہ کھولی ۔۔ آخر زینبؑ گھبرا کر کہتی ہیں

"امامِ زمانہ! ذرا اٹھ کے بیٹھو"۔

اب جو امام کہہ کے پکارا تو اٹھ کے بیٹھ گئے۔

"اماں! کیا ہوا"

"بیٹا! ہوا یہ کہ تو اب امام ہے۔ اور میں تیری امامت میں تجھ سے پہلا مسئلہ پوچھنے آئی ہوں۔ یوں تو تو میرا بیٹا ہے مگر بحیثیت امام کے میرا بادشاہ ہے۔ مجھے پہلا مسئلہ یہ بتا کہ خیمے سارے جل گئے۔ اب بتا کہ ہم ان جلتے ہوئے خیموں کے ساتھ جل کر مر جائیں یا نامحرموں میں باہر نکلیں ——— " اور امامؑ نے پہلا مسئلہ یہ بتایا ——— "علیکن بالفرار"

"اماں! عورتوں، بچوں کو لے کر اس جنگل میں نکل جاؤ۔ اب پردہ ساقط ہو گیا ہے"۔

اب حرمِ حسینؑ جنگل میں ہیں۔ چادریں اتر گئی ہیں۔ بچے ماؤں سے چمٹے ہوئے ہیں۔ سہمے ہوئے ہیں۔ کربلا کے ریت کے اونچے اونچے ٹیلوں پر جا کے بیبیاں بیٹھ گئی ہیں بچوں کو لے کر ——— رات ہو گئی ہے ——— ایک طرف بے سر کے لاشے ہیں ——— ایک طرف۔

میں چور فرج ہے ـــــ ایک طرف بے کس بیدانیاں ہیں ـــــ بچوں نے رات تک شور مچایا۔ "ہمیں پانی چاہیئے"۔ ـــــ مگر آج کوئی بچہ کچھ نہیں کہہ رہا ـــــ سب ماؤں کی گود میں خاموش بیٹھے ہیں ـــــ یا تو دن کے واقعہ سے سہم گئے ہیں یا یہ سوچتے ہیں "اب کس سے مانگیں" ، "اب پانی لانے والا کون ہے" ـــــ خواتین خاموش بیٹھی ہیں ـــــ امام زمانؑ ان کے بیچ میں بیٹھے ہیں اور زینبؑ فرماتی ہیں

"بی بیو! فکر نہ کرو آج رات میں تمہارا پہرہ دونگی۔ میں تمہاری حفاظت کروں گی"

اس کے بعد روایات بڑی مختلف ہیں ـــــ میں کونسی بیان کروں اور کونسی نہ کروں۔ ایک یہ بھی روایت ہے کہ زینبؑ پہرہ دے رہی ہیں۔ بیچ میں ساری خواتین بیٹھی ہیں۔ اسی پہرے کے عالم میں زینبؑ نے دیکھا کہ سامنے سے ایک سوار چلا آرہا ہے۔ اور زینبؑ نے یہیں سے آواز دی

"آنے والے ٹھہر جا آج میرا پہرہ ہے۔ خبردار! آگے نہ آنا" مگر وہ سوار بڑھتا چلا آیا ـــــ زینبؑ آگے بڑھیں۔ "میں تجھے کہتی ہوں آگے نہ آ" اور یہ کہہ کے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی ـــــ بس۔ باگ کا پکڑنا تھا کہ سوار نے نقاب اُلٹ دی۔ اور زینبؑ نے پہچان لیا ـــــ اور سوار نے کہا "بیٹا زینبؑ! میں آیا ہوں" اور زینبؑ نے رکاب پکڑ لی "بابا! اب آئے ہو۔

"بابا! اب پہنچے ہو"

اور یہ بھی ایک روایت ہے کہ آج کی رات کے پہلے حصے میں پانی کی مشک آگئی۔ ۔ ۔ اب میں اس تحقیق میں کہاں پڑوں کہ پانی کی مشک آنے کی روائتیں کتنی ہیں ـــ مختلف روائتوں کے باوجود نتیجہ یہ ہے کہ پانی کی مشک آگئی ـــــ کچھ کھانا آگیا ـــ وہ زوجۂ حُر لے کر آئیں یا کوئی اور لے کر آیا ـــ بہر نوع پانی آگیا ـــــ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کربلا کے سب واقعات میں ان بیدانیوں کے لئے سب سے سخت ترین وقت یہی تھا کہ نہیں کہ جب اُن کے

سامنے پانی کی مشک رکھی گئی ــــــــ اُن کے دلوں سے پوچھو۔ ان پہ کیا گذری تھی۔۔۔
ایک نظر پانی کی مشک پر تھی اور ایک ایک بی بی آواز دے رہی تھی "علی اکبرؑ! تم نے مرتے دم
ایک گھونٹ پانی مانگا تھا" کوئی کہہ رہی تھی "عباسؑ! واپس آجاؤ۔ پانی کی مشک آگئی" کوئی
کہہ رہی تھی "اصغر بیٹا! پانی آگیا۔ اب کیسے پیو گے" ــــ سب سے سخت وقت برداشت
کے لئے یہی تھا کہ پانی کی مشک ان کے سامنے رکھی تھی ــــــــ

امام زین العابدینؑ آگے ۔۔۔ مشک کا دہانا کھولا ــ پانی لیا ــ "پھوپھی اماں! پانی
پئیں" اور زینبؑ کہتی ہیں "بیٹا! زین العابدینؑ! میں! یہ پانی!!
میں پیوں!!!"

پہلے کلاس میں پانی لے کر سب بی بیوں نے حسینؑ کی فاتحہ پڑھی "حسینؑ! پانی پہ تیری نذر
پیش کر رہے ہیں" وہ زینبؑ کو پیش ہوا ــ زینبؑ نے سکینہؑ کو اٹھایا ــ "بیٹا سکینہؑ!
یہ پانی پیو! سکینہؑ نے بھی انکار کر دیا۔ زینبؑ نے بھی انکار کر دیا ــــــــ امام
زین العابدینؑ نے اعجاز کی طاقت سے پھوپھی کو یہ منظر دکھایا کہ زینبؑ نے دیکھی کہ در کوثر
کُھل رہا ہے۔ رسالت مآبؐ بیٹھے ہیں ــ حیدرِ کرارؑ بیٹھے ہیں ــ اور حسن مجتبیٰؑ
بیٹھے ہیں ــــــ اور کربلا کے سارے شہید سامنے کھڑے ہیں ــــ
حسینؑ بھی کھڑے ہیں اور علیؑ مرتضیٰ ہاتھ میں کوثر کا جام لے کر حسینؑ کو پیش کرتے ہیں اور
حسینؑ جواب میں کہتے ہیں

"بابا ــ ابھی نہیں ــ ابھی میری زینبؑ پیاسی ہے ــ بابا ــ ابھی نہیں ــ
ابھی میرے بچے پیاسے ہیں"

زینبؑ نے یہ منظر دیکھا ــ زینبؑ نے پانی لے کر کہا
"سکینہ بیٹا! پہلے تم پیو"
سکینہؑ نے کہا

"اماں۔ پہلے آپ"

"نہیں بیٹا! پہلے بچوں کو پلاتے ہیں"

بس بھائیو! بچوں کا نام سنا تھا کہ شہزادی پانی کا وہ ظرف لے کر گنج شہیداں کی طرف دوڑی اور بلند آواز سے کہا

"اصغر بھائی! تم میرے چھوٹے بھائی ہو۔ پہلے تم پانی پیو۔ سکینہ بعد میں پیئے گی"

"انا للہ و انا الیہ راجعون"

حسینؑ اور خدا کے درمیان آج کوئی شے حائل نہیں۔ خالق کو اپنے اس بندے پہ ناز ہے۔ اللہ اپنی صنعت کے اس شاہکار کو دیکھ کر فخریہ فرشتوں سے کہتا ہے

"اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ"

دین بچا ہے اللہ کا ــــ کلمہ پڑھا گیا تو۔ محمدؐ کا۔ اور بہو بیٹیاں قید ہو گئیں تو غریب ابی طالبؑ کی ــــ (خطیب آلِ محمدؐ)

فی سبیل اللہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خداوند عالم عزّ اسمہٗ وجلّ جلالہٗ کی حمد وثناء کے بعد حضرات محمدؐ وآل محمدؐ پر درود وسلام"

محترم سامعین!

اللہ کا یہ فرمان ہے "جو لوگ فی سبیل اللہ قتل ہو جائیں۔ ان کو مردہ مت کہو"

اب یہ مردہ مت کہو۔ ایک اشتباہ باقی ہے کہ صرف کہنے کی ممانعت ہے۔ کہ مردہ انہیں کہو نہیں۔ —— اگر ہم دل میں سمجھ لیں تو کوئی حرج نہیں۔ زبان سے صرف کہنے کی ممانعت ہے۔ کہ انہیں مردہ کہو نہیں۔ ویسے دل میں ہم انہیں مردہ سمجھ لیں۔ تو کوئی حرج نہیں۔ —— اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لئے دوبارہ حکم ہوتا ہے۔ "لاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء ولکن لاتشعرون" دل میں یہ خیال بھی نہ کرنا جو سبیل اللہ میں قتل ہو جائیں۔ کہ وہ مردہ ہیں۔ وہ زندہ ہیں۔ اور اللہ کی طرف سے انہیں رزق ملتا ہے۔ اور اُن کی حیات ہے اور وہ یقیناً زندہ ہیں —— مگر تمہیں اُن کی زندگی کا شعور نہیں۔ وہ زندہ ہیں اور تمہیں اُن کی زندگی کا شعور نہیں۔ یہ اللہ نے صاف کہہ دیا۔ کہ تمہارے شعور سے باہر ہے اُن کی زندگی۔

ویسے تو ہمارا ایمان ہے کہ ہم میں سے جو بھی مرتا ہے وہ زندہ ہے۔ کافر بھی زندہ ہے۔ مرنے کے بعد جاتا کہاں ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گئے۔ یہی انتقال ہے مومن بھی زندہ ہے۔ منافق بھی زندہ ہے۔ وہ اپنی جگہ زندہ ہے۔ وہ اپنی جگہ زندہ ہے ——

جگہ میں فرق ہے، مگر سب زندہ ہیں۔

آپ حضرات نے یہ واقعہ تاریخوں میں پڑھا ہوگا۔ حدیثوں میں سُنا ہوگا، کہ وہ جو مقتولین بدر تھے۔ "کفار" جب اُن کی لاشیں ایک گڑھے میں ڈال گئیں۔ تو رسالتمآبؐ نے اُن سے خطاب فرمایا۔

"تم نے دیکھا نہیں کہ میری بات سچی نکلی:" ——— تو کسی نے پوچھ لیا۔

"قبلہ کیا یہ سُن رہے ہیں؟"

فرمایا "ہاں مردہ سنتے ہیں"

یوں تو ہر ایک زندہ ہوتا ہے۔ اب یہ کہ اُن کی زندگی اور ہماری زندگی میں کیا فرق ہے؟ چونکہ یہ بات ہمارے شعور سے باہر ہے۔ اس کا ہمیں شعور نہیں ہے ——— اب جب کہ ہمیں شعور نہیں ہے ایک شے کا۔ تو ایک شخص ہے شہید سبیل اللہ میں وہ قتل ہو گیا۔ اُس کی زندگی ہمارے شعور سے باہر ہے۔ اب ہم اس پر وہ احکام جاری کریں جو زندہ کے ہیں۔ یا وہ احکام جاری کریں۔ جو بظاہر مردہ کے ہیں ——— شرعاً کیا حکم ہے؟

شرع کا تعلق ہے شعور سے۔ اور زندگی اُن کی ہمارے شعور سے باہر ہے۔

اس لئے ہم مجبور ہیں۔ وہی احکام جاری کرتے پر شہید پہ۔ جو بظاہر مردہ کے ہیں ——— ورنہ اگر اُن کی زندگی ہمارے شعور کی شے ہوتی۔ تو شہید کو دفن کرنا بھی حرام ہوتا۔ شہید کی بیوہ سے عقد کرنا بھی حرام ہوتا ——— چونکہ یہ ساری چیزیں ہمارے شعور سے باہر کی ہیں۔ ——— تو آج کسی کا یہ کہنا کہ شہید پہ رونا نہیں۔ اس لئے کہ وہ زندہ ہے۔ یہ بے شعوری کی بات ہے۔ ورنہ شعور کا تقاضا تو یہی ہے کہ ان پر وہی احکام جاری ہوں گے۔ جو بظاہر مردہ کے ہیں۔ ——— بہر نوع وہ زندہ ہیں۔ اُن کی بھی حیات ہے۔ اور وہ یقیناً زندہ ہیں

بزرگانِ من! زندگی اور موت کے بڑے بڑے فلسفے ہیں ——— ایک تو زندگی یہ ہے۔ جو ہماری زندگی چل رہی ہے۔ سانس آرہا ہے۔ زندگی ہے۔ اور جب بند ہو گیا۔

ختم ہو گیا۔ ایک یہ زندگی ہے ——— اور ایک یہ زندگی ہے کہ

ع قاروں ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت

قارون باوجود اتنی دولت ہونے کے مر گیا ——— اور

ع نوشیرواں نہ مُرد کہ نام نکو گذاشت

اور نوشیرواں آج تک زندہ ہے اس لئے کہ وہ نیک نام چھوڑ گیا۔ تو ایک زندگی یہ بھی ہے
نام نیک کی زندگی ——— جس کا نام زندہ ہے بس وہ زندہ ہے۔ ———

اگر زندگی کے لئے یہی شرط ہوتی کہ ہم اپنے سامنے چلتا پھرتا دیکھیں تو زندہ مانیں
تو خدا کو کون زندہ مانتا۔ اُس کے حی ہونے کا کون اقرار کرتا ———
اُس کا نام ہی ہم میں زندہ ہیں تو وہ زندہ ہے۔ ورنہ ہم نے کہاں دیکھا ہے اُسے چلتا پھرتا۔
بہر نوع جو اللہ کی حیات ہے۔ وہ بھی ہمارے شعور سے باہر ہے۔ اور جو اللہ
والوں کی حیات ہے وہ بھی ہمارے شعور سے باہر ہے۔

اب اگر دونوں کی حیات یکساں ہو جائے۔ تو معاذ اللہ۔ وہ شریک باری تعالےٰ
ہو جائیں ——— اس شرک سے بچانے کے لئے اللہ نے کہہ دیا "انہیں
رزق ملتا ہے" ——— بس یہ فرق ہے اُن میں اور اللہ میں۔ کہ وہ
رزق کے محتاج ہیں۔ اور اللہ رزق کا محتاج نہیں۔ ——— ورنہ
اُن کی بھی حیات ہے۔ وہ زندہ ہیں۔ اور زندہ رہیں گے۔

مرتے وہ ہیں جو انہیں مارنا چاہیں۔

آج یہاں اس وقت ایک فقرہ کہہ کے ارباب ذوق کے لئے اس مضمون کو آگے بڑھاتا
ہوں۔ کہ یہ زندگی جو ہے۔ اُن کی ہے جو سبیل اللہ میں مر جائیں ——— اگر کوئی شخص یہ
سمجھے کہ یہ آیت حسینؑ پر بھی صادق آتی ہے تو اس میں ذرا سی مجھے ہچکچاہٹ ہے۔ اور وہ
اس لئے کہ ——— حسینؑ اُن میں نہیں ہیں۔ جو سبیل اللہ میں مر جائیں حسینؑ خود سبیل اللہ ہے

اور اس کے ثبوت کے لئے بہت سی چیزیں ہیں میرے پاس۔ جو ساری میں اس وقت بیان نہیں کر سکتا۔ اس وقت آپ کو صرف ایک حدیث سناتا ہوں۔ اور حدیث وہی صحیح ہے جو قرآن سے مطابقت کرتی ہو۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ "زندہ وہ ہیں، شہید وہ ہیں جو سبیل اللہ میں مرجائیں" ——— اور حدیث یہ کہتی ہے "من مات علیٰ حب آل محمدٍ مات شہیداً" جو آل محمدؐ کی محبت میں مرجائے، وہ شہید ہے ——— معلوم ہوا۔ جب تک آل محمدؐ اور سبیل ایک نہ ہوں۔ جب تک اس حدیث اور آیت کا تطابق نہیں ہوتا۔ ——— حسینؑ ان میں شامل نہیں ——— حسینؑ تو خود سبیل اللہ ہے حسینؑ کے ساتھ جو مرجائیں۔ وہ زندہ ہیں۔ وہ زندہ رہیں گے۔ حسینؑ تو ہے ہی زندہ، وہ زندہ تھا۔ زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔

میرے سامعین!

کیا بتاؤں ——— دنیا کی طبیعتوں کو بدلنا تھا۔ زمانے کے مزاج میں ایک انقلاب اعظم لانا تھا۔ ایک اسلام والے نظام کو دنیا میں عملاً پیش کرنا تھا۔ جن کے لئے اللہ نے حسینؑ کو چن لیا۔ اور وہ اس کے لئے سامنے آگیا۔

حسینؑ! تجھے تو میں چنتا ہوں اس انقلاب کے لئے۔ اب اپنے مددگار تو چن لے۔ جن کو تو ساتھ لے جانا چاہے۔"

اور اللہ کے چناؤ میں معاذ اللہ کوئی فرق آ ہی نہیں سکتا۔ اس نے ایسا چنا حسینؑ کو۔ کہ اس سے بہتر کوئی تھا ہی نہیں ——— مگر حسینؑ نے بھی ایسے چنے ہیں کہ کیا مجال جس کو جس کام کے لئے چن لیا۔ اس نے وہی کچھ نہ کر دکھایا ہو۔ جو اللہ چاہتا تھا۔ اس نے وہی کچھ نہ کر دکھایا ہو جو مشیت الہی تھا۔ ———

اب اگر کوئی یہ کہے کہ حسینؑ تجربے کی بنا پر چن رہا تھا وہ آدمی۔ کسی کی ساٹھ سالہ زندگی کا تجربہ تھا۔ کسی کی پچاس سالہ زندگی کا تجربہ تھا۔ کسی کی بتیس سالہ زندگی کا تجربہ تھا۔

——— "نہیں" تجربے کی بنا پر نہیں چن رہا تھا حسینؑ۔ بلکہ اس علم سے چن رہا تھا۔ جو اللہ نے اُسے دیا تھا ——— ورنہ چھ ماہ والے کا کیا تجربہ تھا ——— اُسے کس تجربے سے معلوم تھا۔ کہ تیر کھا کے ہنسے گا ——— یہ حسینؑ کا علم حضوری اور علم الہٰی تھا۔ جس سے وہ چن رہا تھا ہر ایک کو ——— تو حسینؑ نے اپنے ساتھ شہید ہونے کے لئے بہتر چن لئے ——— اور اپنے بعد۔ اپنی اس شہادت میں انقلاب اعظم پیدا کرنے کے لئے اپنی بہن زینبؑ کو چن لیا ———

زینب! میں اپنا کام کربلا میں ختم کر دوں گا۔ یہ ایک حصہ ختم ہوگا میرے کام کا۔ دوسرا حصہ جو شروع ہوگا۔ وہ تمہارے سپرد ہے۔ اصل انقلاب تم نے لانا ہے زینبؑ ——— اور

میرے محترم سامعین: آج گیارہ محرم کو زینبؑ کے پاس انقلاب کا چارج ہے۔ اور آج زینبؑ حسینی فوج کی کمانڈر انچیف بنی ہوئی ہے کربلا میں۔ اور قیدی کا لفظ تو کہتے ہوئے میری زبان ڈرتی ہے ——— ہر نوع زغنہ اعدا میں گھرے ہوئے بے بس مجبور قیدی کربلا سے روانہ ہو گئے ——— اور ان ظالموں کی سنگدلی سمجھیں۔ بے حیائی سمجھیں۔ ان بے بس و بے نوا قیدیوں کو اُدھر لائے ہیں۔ جہاں ان کے وارثوں کی لاشیں پڑی ہیں۔ اور یہ تاریخ کا فقرہ ہے۔ کسی مقتل کی بات نہیں ہے ——— کہ جس وقت اونٹوں پہ سوار قیدی سامنے اُن لاشوں کے پہنچے ہیں تو امام زین العابدینؑ کی نظر اپنے والد بزرگوار کے جسد مبارک پر پڑی۔ اور باپ کے جسم کو جو بیٹے نے دیکھا ہے تو فقرہ یہی ہے تاریخ کا کہ زین العابدینؑ کے چہرے کا رنگ دودھ کی طرح سفید ہو گیا ——— اب وارثِ خاندانِ رسالت جناب زینبؑ نے یہ دیکھا کہ زین العابدینؑ کے چہرے کا رنگ دودھ کی طرح سفید ہو گیا ہے۔ تو وہ سمجھ گئیں کہ یہی عالم اس پر ایک منٹ اور طاری رہا۔ تو ہو سکتا ہے کہ زندگی ختم ہو جائے۔ برداشت نہ کر سکے اس صدمے کو ——— تو فوری طور پہ حسینؑ کی لاش سے زین العابدینؑ کی توجہ ہٹانے کے لئے زینبؑ نے فوری عمل کیا کیا۔ کہاں ———

نٹ سے اپنے آپ کو گرا دیا ــــــ اب یہ لفظ میں نے کہہ دیا اور آپ نے سُن لیا۔ کہ زینبؑ نے اپنے آپ کو کھڑے اُونٹ سے گرا دیا ـــ"

کسی سوار سے پُوچھیں۔ جو گھوڑے سے گرتا ہو۔ کسی اور ایسے آدمی سے پوچھیں جو کسی اُونچی سے گرا ہو ــــ گرنے والے کی فطرت یہ ہے۔ کہ جب وہ گرنے لگتا ہے۔ تو اپنے آپ سنبھالنے کے لئے پہلے ہاتھوں کو زمین پہ رکھتا ہے ـــــــــ اب زینبؑ نے جو گرا دیا اُونٹ سے اپنے آپ کو۔ تو ہاتھوں سے کس طرح سہارا لیا۔ ہاتھوں سے اپنے آپ کو کس طرح سنبھالا ـــ؟ ــــ ہاتھوں کے متعلق تو آپ جانتے ہیں کہ

آج سے ایک مدت پہلے میرا اپنا یہ خیال تھا۔ کہ شاید ہاتھ باندھنے والی روایتیں جو ہیں۔ ممکن ہے رونے کے لئے ہم نے بنائی ہوں ـــــ مگر جب میں نے امام زمانؑ کی زیارت ناحیہ پڑھی۔ تو اُس میں ہاتھ بندھنے کا ذکر تھا ـــــ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ ضرور بندھے ہوں گے۔ پھر یہ تشویش ہوئی کہ کس طرح بندھے تھے۔ بازو بندھے تھے۔ کلائیاں بندھی تھیں۔ کس طرح بندھے تھے۔ تو اس کے متعلق بھی امام زمانؑ ہی نے فرمایا کہ ـــــــ

"میرا سلام ہو میری دادی زینبؑ پر جس کے دونوں ہاتھ اُس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے ـــــــ اب اس عالم میں زینبؑ نے اپنے آپ کو کھڑے اُونٹ سے گرا دیا ـــــ تو امام زین العابدینؑ باپ اپنے باپ کے لاشے کو دیکھ رہے تھے۔ یا ایک دم مُڑ گئے پھوپھی کی طرف پھوپھی! یہ کیا ہوا ـــ" تو زینبؑ بلا وقفہ اُٹھ کے کھڑی ہو گئیں اور کہتی کیا ہیں ـــــ

"بیٹا زین العابدینؑ! میں کیا دیکھ رہی ہوں۔ تمہارے بابا کے

کیا ہوگیا۔ لاوارثوں کے وارث! کیا تم مرنا چاہتے ہو ـــــــ پھر ہمارا وارث کون ہوگا ـــــــ"

تو امامؑ جواب میں کہتے ہیں:-

"اماں! کیوں نہ مر جائے وہ جوان بیٹا۔ جو اپنے باپ کی میت کو اس عالم میں چھوڑ جائے:"

وہاں زینبؑ نے تقریر فرمائی:-

"بیٹا! دل شکستہ نہ ہو۔ گھبرا نہیں۔ تیرے باپ کی قبر بنے گی۔ یہاں حسینؑ کا روضہ بنے گا۔ یہاں حسینؑ کا شہر آباد ہوگا۔ روئے زمین کے انسان تیرے باپ کی زیارت کو آئیں گے۔ یہاں حسینؑ کا دربار لگے گا ـــــــ" زینبؑ نے یہ تقریر فرمائی ـــــــ اور

س کے بعد تمام اونٹ بیٹھ گئے۔ قیدی اتر آئے ـــــــ ایک ایک خاتون اپنے وارث پہ پنے بیٹے پہ۔ اپنے عزیز پہ جا کر الوداعی رونا رو رہی تھی۔ رخصت ہو رہی تھی ـــــــ ور زینبؑ حسینؑ کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔ لیلیٰ علی اکبرؑ کی لاش پہ آ کھڑی ہوئیں۔ قاسمؑ کی ں قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑوں کے پاس آ گئی ـــــــ ہر خاتون۔ جس سے جس کا لگاؤ تھا۔ رو رہی تھی:

زینبؑ یہ کہہ رہی ہوں گی ۔ یہ میرے اپنے تصور کی بات ہے،

حسینؑ! میں لاشے پہ رونے نہیں آئی ـــــــ میں یہ کہنے آئی ہوں۔

شاباش حسینؑ! تو نے میری اماں کے دودھ کی عزت رکھ لی۔

تو نے میرے نانا کی لاج رکھ لی حسینؑ!

تو نے میرے باپ کی آبرو رکھ لی حسینؑ!

تو نے اپنے بڑے بھائی کی عزت رکھ لی حسینؑ!

شاباش حسینؑ!

تو اپنا کام کر چکا۔ اب میری باری ہے ــــــــــ

تو کربلا فتح کر چکا تجھے کربلا کی فتح مبارک ہو حسینؑ! ــــــــــ

حسینؑ! اب میں شام فتح کرنے جا رہی ہوں ــــــــــ

حسینؑ! جب تو کربلا میں جہاد کر رہا تھا۔ میں خیمے میں بیٹھی اپنے سر کے بال کھول کر تیری فوج کے لئے دُعا کرتی رہی ــــــــــ

اب میں جا رہی ہوں فوج لے کے شام فتح کرنے ــــــــــ

اب بتا حسینؑ! میں کیا کروں ــــــ اگر ہو سکے حسینؑ! تو میری فوج کا معائنہ تو کر کے دیکھ ــــــ اس فوج کو لے کے جا رہی ہوں ــــــ اتنی بڑی سلطنت کو مٹانے کے لئے اس فوج کو لے کر جا رہی ہوں ــــــــــ اور

افواجِ قاہرہ زینبیہ کا معائنہ کرنے کے لئے حسینؑ نیزے پہ سوار ہو گئے اور زینبؑ نے اپنی فوج کو دو صفوں میں کھڑا کر دیا ــــــ ایک صف میں بیوہ عورتیں۔ ایک صف میں یتیم بچے۔

"حسین! دیکھ یہ فوج ہے جس سے دُنیا کی بڑی سلطنت کو فتح کرنے جا رہی ہوں" چورانوے[۹۴] عورتیں۔ اور اڑتالیس[۴۸] یتیم بچے۔ قیدی ہو نے کھڑے ہیں ــــــــــ

"حسینؑ! ذرا ان کی وردی بھی دیکھ لے ــــــــــ"

وردی کیا ہے ــــــ سر کھلے ہوئے ہیں ــــــ ۔ ہاتھ بندھے ہیں۔

"حسینؑ! اس فوج کے ساتھ جا رہی ہوں یزید کی حکومت کو فتح کرنے ــــــــــ"

میرے محترم سامعین! جب قافلۂ آلِ رسولؐ کربلا سے روانہ ہوا تو اُس وقت اُن کے قیدیوں کی تعداد تھی ــــ چورانوے[۹۴] عورتیں اور اڑتالیس[۴۸] یتیم بچے ــــــ تعداد کو

ایک بار پھر سُن لو۔ چونسٹھ[۶۴] عورتیں اور اڑتالیس[۴۸] یتیم بچے جب کربلا سے چلے تھے ــــــ

قبلہ! آپ بزرگ ہیں۔ آپ ہی سے فریاد کر سکتا ہوں۔ یا پھر اللہ سے فریاد ہے کہ ہمارے قیدیوں کی تعداد تھی چونسٹھ[۶۴] عورتیں۔ اور اڑتالیس[۴۸] یتیم بچے جب کربلا سے روانہ ہوئے ــــــ اور جب شام میں یزید کے سامنے پہنچے تو کل بارہ[۱۲] تھے ــــــ

اب میں کس سے پوچھوں۔ باقی کہاں گئے۔ اب میں کہاں تلاش کروں۔ کہ ہمارے باقی کہاں گئے ــــــ؟

پھر فوج ان قیدیوں کو لے کے زینبؑ روانہ ہوئی ــــــ اور کوفے کے دروازے پہ پہنچ گئی ــــــ کوفے کا دروازہ زینبؑ کا پہچانا ہوا دروازہ تھا۔ اسی دروازے سے اُس دن بی داخل ہوئی تھی۔ جب باپ یہاں بادشاہ تھا ــــ اُس وقت زینبؑ شہزادی کی حیثیت سے آئی تھی ــــــ وہی دروازہ پھر سامنے آگیا اور زینبؑ نے پہچان لیا۔

"اُوں! یہ وہ دروازہ ہے" ــــــ اور اتنا کہہ دیا ــــــ

"اس دروازہ سے ہم نہیں جائیں گے ــــــ"

اُدھر فوج کا اصرار کہ زینبؑ! تمہیں چلنا پڑے گا۔ اور اِدھر زینبؑ کا فرمان کہ ہم نہیں جائیں گے ــــــ تو شمر آ کھڑا ہوا سامنے۔ زینبؑ! تمہیں چلنا پڑے گا زینبؑ! تم بھولتی ہو ــــــ آج تم کوفے کی شہزادی نہیں ہو۔ بلکہ ہماری قیدی ہو ــــــ تمہیں چلنا پڑے گا" اب جو ہونے لگی ردّ و قدح ــــــ تو زینبؑ کی گود میں جو بچی بیٹھی تھی تین سال کی ــــــ وہ کہتی ہے۔

"اماں!" ــــــ تو زینبؑ نے اب دیا

دیکھوں بیٹیا!" ــــــ

"میں نے سُنا ہے۔ پچھلے زمانے میں کوئی صالحؑ نامی پیغمبر تھے۔

"ہاں بیٹا تھے"

"اُن کا کوئی ناقہ تھا"

"ہاں بیٹا"

"اُس اُونٹنی کو قوم نے قتل کر دیا تھا۔ تو پھر اُس اُونٹنی کے بچّے نے پہاڑ پہ چڑھ کے فریاد کی تھی ——— اور اُس قوم پہ عذاب آگیا تھا ———"

"ہاں بیٹا۔ ٹھیک ہے ——— مگر تم کیا چاہتی ہو ———"

"اماں! کیا میں اُس ناقۂ صالحؑ کے بچّے سے کم ہوں ——— تو مجھے اجازت دے۔ میں خدا سے فریاد کرتی ہوں ——— یہ قوم ہمیں تباہ کر رہی ہے ———"

بس بچّی کا یہ کہنا تھا کہ وہ نیزہ جس پہ امامؑ کا سر سوار تھا ——— ایک دم جھک گیا ——— اور سر بہن کے سامنے آگیا۔

"زینبؑ بہن! میری خاطر۔ آؤ نا۔ اسی دروازے سے ———
کوئی بات نہیں بہن ——— اللہ یہ مشکل بھی آسان کر دے گا۔
آؤ۔ اسی دروازے سے چلو زینبؑ: ———"

زینبؑ نے سر جھکا دیا ———

"حسینؑ! اگر تیری یہی مرضی ہے تو مجھے کیا اعتراض ——— " اور

معزز سامعین! قافلۂ اسیرانِ کربلا جب بالکل دروازے کے قریب پہنچا ——— تو ایک دم کان میں ایک مانوس آواز آئی۔ جیسے اپنوں میں سے کسی کی آواز ہوتی ہو۔

"السلام علیک یا بنتِ رسول اللہ"

زینبؑ گھبرائی۔ "دشمنوں کے اس مجمع میں اس پیارے کس نے میرے بھائی کو سلام کیا ——— " چہرے سے بال ہٹائے ——— اِدھر دیکھا ——— اُدھر دیکھا ———

کون سلام کر رہا ہے —————— تو دوبارہ آواز آئی ——————

"السلام علیک یا بنت رسول اللہ" " اے رسولؐ کی بیٹی! میرا سلام ہو ——"

زینبؑ نے اب جو نظر اُٹھا کے دیکھا —— دیکھتی کیا ہیں ——————

دروازے پہ بے سر کی لاش لٹکی ہوئی ہے۔ اور اُس شہید کی لاش سے سلام کی آواز

آرہی ہے ——————

زینبؑ نے فوراً پہچان لیا

"کون! بھائی مسلمؑ"

"ہاں زینبؑ! تمہارا سفیر! دروازے پہ تمہارے استقبال کو حاضر ہے"

اور سامعین! کوفے کی گلیوں اور بازاروں سے گذرتا ہوا۔ ان بے بس و مجبور قیدیوں

کا قافلہ —— دربار ابنِ زیادؑ میں پہنچ گیا —— جب دربار ابنِ زیادؑ میں

یہ قافلہ پہنچا۔ تو ابنِ زیادؑ نے کافی دیر کے بعد کہا۔ کہ جو قیدی ہم نے قید کر لئے تھے تا کہ وہ

حسینؑ کی مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ اُن میں ایک مختار نامی قیدی ہے —— اُسے یہاں

دربار میں حاضر کرو —— چنانچہ مختار دربار میں آگیا۔ پیروں میں بیڑیاں پڑی

ہوئی ہیں۔ زنجیروں میں جکڑا ہوا۔ اور ابنِ زیادؑ بڑے غرور و تکبر سے بولا ——

"مختار! ہم نے تمہیں اس لئے قید کیا تھا کہ تم کہیں حسینؑ کی حمایت کو نہ چلے جاؤ۔

حسینؑ آگئے ہیں کوفے میں —— اب کیا ارادہ ہے ——"

مختار نے کہا "خدا نے اگر اس قید سے رہا کر دیا۔ تو میں جاؤں گا حسینؑ کی مدد کو"

ابنِ زیادؑ نے کہا۔ ادھر آؤ۔ دیکھو یہ حسینؑ ہیں" ——————

اب جو مختار نے حسینؑ کا سر دیکھا تو اُسی قید کے عالم میں ساتھ کھڑے ہوئے سپاہی کی تلوار کے

قبضہ پہ ہاتھ ڈال دیا —— بس مختار نے قبضہ میں ہاتھ ڈالا —— اُدھر سے

امام زین العابدینؑ نے ہاتھ سے اشارہ کیا ——————

"مختار۔ لڑائی نہ کرنا۔ میرے ساتھ پھوپھیاں اور بہنیں آئی ہوئی ہیں

میرے ساتھ پردہ دار خواتین آئی ہوئی ہیں۔ ——" اور ——

ابن زیاد نے مختار کو دوبارہ قید خانے میں بھیج دیا —— ۔ اور جب کافی دیر ہوگئی۔

قیدیوں کو کھڑے کھڑے ابن زیاد کے دربار میں —— اور دنیا نے یہ انقلاب اعظم دیکھا

کہ تخت پر ابن زیادؑ اور سامنے زمین پر قیدی امام زین العابدینؑ —— اب ابن زیادؑ

نے کافی دیر کے بعد بڑے تکبر و غرور کے ساتھ سر اٹھایا —— اور سر اٹھا کے کہتا ہے

شمر سے ——

"یہ قیدی ہیں؟ "

"ہاں۔ یہ ہیں "

ان قیدیوں میں یہ بچی کون ہے —— ؟"

تو شمرؑ کہتا ہے بڑھ کے

"یہی تو ہے حسینؑ کی وہ بچی۔ جس سے حسینؑ بہت پیار کرتے تھے۔ سکینہ بنت الحسینؑ

یہی ہے —— "

" اچھا یہ بچی ہے اسے میرے سامنے لاؤ۔"

شمرؑ نے قیدیوں سے بڑھا کے بچی کو سامنے کر دیا۔ اب ابن زیادؑ پوچھتا ہے۔

" بچی! تیرا نام کیا ہے —— ؟"

وہ جواب نہیں دیتی —— آخر اُس نے بیمار بھائی کی طرف دیکھا۔ کیا حکم ہے۔ تو بھائی نے

اشارہ کیا۔ "بات کر و بہنا"

اب بچی نے بات کی۔

"میرا نام تو فاطمہؑ ہے —— مجھے پیار میں سکینہ کہتے ہیں —— "

مگر بات اس طرح کی کہ زبان میں لکنت آگئی —— ——

اب ابن زیاد پُوچھتا ہے۔

"بچی۔ تمہاری زبان میں لکنت کیوں ہے ـــــ"

"میرا گلا اتنا مضبوط بندھا ہوا ہے کہ میں بول نہیں سکتی ـــــ"

ابن زیاد کہتا ہے کہ اس بچی کا گلا کھول دو ـــــ اور گلا کھول دیا گیا ـــــ چند منٹ تک گلے کو سہلایا گیا ـــــ جب ذرا ٹھیک ہوا۔ اب وہ پُوچھتا ہے ـــــ

"ہاں۔ بچی۔ تیرا کیا نام ہے؟"

"مجھے سکینہ بنت الحسینؑ کہتے ہیں۔"

"تم نے یہ دونوں ہاتھ اپنے منہ پہ کیوں رکھے ہوئے ہیں؟"

"میری پھوپھیوں، ماؤں کے بال ہیں۔ اُن سے انہوں نے پیرا چھُپا لیا ہے۔ میرے بال چھوٹے تھے۔ میں نے ہاتھوں سے چھپا لیا ہے ـــــ ہم خاندانِ رسالت کی بچیاں ہیں۔ ہمارے گھر سے دنیا نے پردہ سیکھا ہے ـــــ"

اب اُس ظالم نے پُوچھا۔

"بچی تیرے ہونٹ کیوں خشک ہیں؟"

"کافی عرصے سے میں نے سیر ہو کے پانی نہیں پیا ـــــ"

"کیوں نہیں پیا ـــــ"

"کربلا میں پانی ملا نہیں ـــــ اور میرا سقا پانی لینے گیا تھا۔ وہ واپس آیا نہیں!"

"کہاں گیا تمہارا سقا ـــــ؟"

"وہ تو مجھ سے فرات کہہ کے گیا تھا ـــــ اماں کہتی ہیں کہ وہ کوثر پہ چلا گیا ـــــ"

اس کے بعد ابن زیاد پوچھتا ہے۔

"بچی! اگر تیرے باپ حسینؑ زندہ ہوتے۔ تو یہ بتا وہ تیری کیا خاطر کرتے ـــــ"

تو بچی نے پورے بچپن کے لہجے میں کہا۔

"صبح کے وقت میرے باپ مجھے گود میں بٹھا کر اپنے ہاتھ سے تازہ خرمے کھلایا کرتے تھے ـــــــ ـــ ..."

اب ابن زیاد کے ظلم کی یہ آخری منزل ہے۔ وہ بدبخت کہتا کیا ہے۔

"بچی۔ میں نے تیرے لئے تازہ خرمے منگائے ہیں۔ تو کھائے گی۔"

بچی نے پھر بھائی کو دیکھا۔ بھائی نے پھر اشارہ کیا۔ ـــــــ

بچی نے کہا ـــــــ

"ہاں" ـــــــ اور سکینہؑ آگے بڑھی۔ تو ابن زیاد نے کہا ـــــــ

"لیجئے۔ اس طشت میں تازہ خرمے ہیں۔"

اب بچی نے جو جیسے اٹھایا رومال۔ تو رومال اٹھاتے ہی گر پڑی۔

"بابا! تم یہاں ہو۔ میں تمہیں تین دن سے تلاش کر رہی ہوں۔" یہ کہہ کے گر گئی طشت پہ ـــــــ اور ادھر بچی گری۔ اور ادھر ابن زیاد کی سنگ دلی اور بڑھی اور وہ کہتا ہے۔

"بچی! کیوں نہیں ـــــــ تم خاندان رسالت نے دنیا میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ ہم محمدؐ کا خاندان ہیں۔ ـــــــ ہم صاحب اعجاز ہیں ـــــــ ہم معجزہ دکھاتے ہیں۔ ـــــــ میں تو جب جانوں۔ جب حسینؑ کا سر خود اٹھ کے تیرے پاس آجائے ـــــــ ... ابھی ابن زیاد نے یہ بات کی تو بچی جوش میں آکے تین قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اور پیچھے ہٹ کے اس نے چھوٹا سا اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔

"بابا جان! خاندان کی عزت کا سوال ہے ـــــ تیری سکینہ کی محبت کا سوال ہے۔ میری گود میں آ" اور حسینؑ کا سر بیٹی کو پکارتا ہوا گود میں آگیا! اور کوفہ شہر میں زلزلہ آگیا! امام زین العابدینؑ نے بڑھ کے بہن سے سر لیا۔ "سکینہ بس۔ ورنہ قیامت آجائے گی۔ ابھی تو کروڑ ہا انسان پیدا ہوں گے جو تیری قید کو روئیں گے سکینہ۔ ایسی کروڑ ہا تیری ہم سن بچیاں ہوں گی جو ایک دن تیری یتیمی کا ماتم کریں گی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون ۃ